دنیا میں کسی بھی جگہ علماء جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف

Play Store اور Website سے بالکل فری انسٹال / ڈاؤن لوڈ کریں۔

انسٹال / ڈاؤن لوڈ کرنے کا طریقہ

Play Store سے " مکتبۃ الاشاعت " انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں مطلوبہ کتاب ڈاؤن لوڈ کریں نیز اپنی کتاب کو Website / Play Store پر مفت شائع کرنے کے لیے بھی رابطہ کریں۔

Whataspp:03201914145

نوٹ

ویب سائٹ پر جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف مثلاً تفاسیر، فتاویٰ جات، شروح، سوانح حیات، نوٹس، درس نظامی کے کتب وغیرہ دستیاب ہیں آپ وقتاً بوقتاً Play Store اور website پر چیک کیا کریں مزید معلومات کے لیے دیے گئے واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں۔ وہاں آپ کو آسانی کے لئے مطلوبہ کتاب کا link دیا جائے گا اور آپ کو بہترین رہنمائی دی جائے گی جس سے آپ کو مطلوبہ کتاب آسانی سے ملے گا۔ پلے سٹور پر ترجمہ و تفسیر یا سورتوں کے نوعیت والے تصانیف دستیاب ہوں ہیں کیونکہ ایک PDF میں اس کا مطالعہ مشکل ہوتا ہے تو ہم نے آسانی کے لیے ہر ایک پارے کے لیے الگ الگ بٹن بنایا ہے تاکہ قارئین کے لیے پڑھنے میں آسانی ہو باقی تمام نوعیت کے تصانیف مندرجہ ذیل ویب سائیٹ پر دستیاب ہوں گے۔ جو Goggle پر مزکورہ ویب سائیٹ میں سرچ کرنے سے یا ہمارے مندرجہ بالا app " مکتبۃ الاشاعت " کو پلے سٹور سے انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں سرچ کرنے سے ملیں گے۔ آسانی کے لیے ویب سائیٹ پر links ملاحظہ کیجئے۔ جزاکم اللہ

ویب سائیٹ maktabatulishaat.com (مکتبۃ الاشاعت ڈاٹ کام)

روزانہ کی بنیاد پر ہم ویب سائیٹ اور پلے سٹور میں مزید تصانیف شامل کر رہے ہیں اور ان میں مزید بہتری لا رہے ہیں۔ نئے شامل شدہ تصانیف کے لئے آپ وقتاً فوقتاً ویب سائیٹ اور پلے سٹور کو چیک کیا کریں مزید بہتری کے لیے اپنے قیمتی تجاویز سے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔

اہم متفرق شرعی مسائل پر حضرت نیلوی کی علمی تحقیقی تصنیفات کا مجموعہ

المعروف بہ

مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث

مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

جلد دہم

اہم متفرق شرعی مسائل پر

- کیا رسول اکرم [illegible]
- اصلاح [illegible] فی تحصیل العلوم الدینیۃ
- اسلامی حکومت اور عورت کی سربراہی
- طلاق دینے کا شرعی طریقہ
- عورتوں کا سر کے بال کٹوانا
- تصویر کی شرعی حیثیت
- المعارف فی تحریم المزامیر والمعازف
- [illegible]
- نعم الکلام بکلام سراج الاسلام
- منظوم کلام
- ضیائے حق [illegible]

تلمیذ رشید مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی

محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

وتلمیذ رشید وخلیفہ مجاز امام اہل السنت رئیس المفسرین شیخ القرآن

حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اشاعۃ العلوم

کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوا؟

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

اجمالی فہرست

جلد دہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ. اَمَّا بَعْدُ:

سوال

ایک صاحب نے سوال کیا ہے کہ بخاری شریف کی روایت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے بارے میں اس کا تحقیقی جواب تحریر فرمائیں تو افادہ عام کے لیے رسالہ کی شکل میں اس کا جواب لکھ کر شائع کیا جا رہا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوا یا نہ؟ سو اس بارے میں فرقہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ کوئی جادو ہوا اور نہ ہی کسی جادو کا آپ پر اثر ہو سکتا تھا۔ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ کفار آپ کو بطور طعن کے مسحور کہتے تھے کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے۔ کہتے تھے "اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا" اب اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ واقعی لبید بن اعصم یہودی کی لڑکیوں نے آپ پر جادو کیا تو کفار کا یہ طعن صحیح ہو جاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع تھی کہ کسی کی کوئی مضرت آپ کو پہنچے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" اللہ آپ کو ان (کفار کے اشرار) سے محفوظ رکھے گا۔ پھر اس حفاظت الٰہیہ میں کون اثر انداز ہو سکتا ہے؟ اور کتب حدیث میں اس بارے روایت منقول ہے، وہ ناقابل تسلیم ہے، غلط اور بے اصل ہے۔

اسی بات کو سامنے رکھ کر محترم قاری حبیب الرحمٰن صاحب صدیقی کاندھلوی اسی معتزلہ کے مسلک کی طرف مائل ہو گئے ہیں جس طرح حضرت امام ابوبکر رازی جصاص حنفی محدث ادھر مائل ہوئے۔

مگر اہل السنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ پر جادو کیا گیا۔ اور یہ روایتیں جو کتب احادیث میں منقول ہیں نہ غلط ہیں اور نہ بے اصل۔ اور نہ یہ بات ہے جیسے قاری صاحب نے فرمایا ہے کہ صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی اس حدیث کی راوی ہیں۔ بلکہ اس حدیث کے راوی حضرت زید بن ارقم، عبداللہ بن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی ہیں جو بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، احمد بن حنبل، عبدالرزاق، حمیدی، بیہقی، طبرانی، ابن سعد، ابن مردویہ، ابن ابی شیبہ، ابوعبداللہ الحاکم، عبد بن حمید، ابونعیم، بغوی وغیرہ محدثین نے کثیر التعداد سندوں سے نقل فرمایا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ تواتر کی حد تک نہیں پہنچتی مگر مشہور تو ضرور ہے۔

اور پھر اس واقعہ میں کوئی بات ایسی بھی نہیں ہے جو آپ کے منصب نبوت میں قادح ہو۔ اگر پتھروں تیر وغیرہ کے اثر سے آپ کا زخمی اور لہولہان ہونا، دندان مبارک کا شہید ہونا، بچھو کا آپ کو ڈنگ مارنا جس سے آپ کو تکلیف ہو، گھوڑے پر سے گر کر آپ کو چوٹ لگنا، بخار میں اور درد سر میں آپ کا مبتلا ہونا، زہر کا آپ میں اثر کرنا جس کی وجہ سے آپ نے اپنی مرض الموت کے ایام میں اس کا اظہار بھی کیا، آپ کا بھول جانا، آپ پر غشی طاری ہونا، آپ کو بھوک لگنا جس سے آواز پست پڑ گئی وغیرہ، امور منصب نبوت کے منافی نہیں تو آپ پر جادو کا چل جانا بھی منصب نبوت کے منافی نہیں۔

بے شک آپ کے مزاج مبارک میں جادو کی وجہ سے تغیر آ گیا تھا مگر یہ تمام اثرات آپ کی ذات تک ہی محدود رہے۔ حتیٰ کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ آپ پر کیا گزری ہے۔ اور وحی پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔ اس حد تک یہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔ جسمانی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچنے سے منصب نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اب حضرت قاری صاحب کا یہ فرمانا کہ یہ روایت وضع کردہ (یعنی موضوع اور من

گھڑت) ہے، غلط ہے۔

اول تو تمام علماء، فقہاء، محدثین و مفسرین کا اتفاق ہے کہ (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) مؤطا امام مالکؒ (۴) ترمذی (۵) ابو داؤد (۶) نسائی (صحاح ستہ) میں کوئی ایک بھی روایت موضوع نہیں ہے۔

دوسرے آج تک کسی محدث نے ان روایات پر جرح نہیں کی۔

تیسرے موضوع روایت وہ ہوتی ہے جس کا کوئی راوی کذاب یا وضاع ہو۔ نرے اختلاط یا سوء الحفظ یا غفلت یا وہم کی وجہ سے کسی محدث نے روایت کو موضوع نہیں کہا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں حضرت قاری صاحب کسی ایک راوی کو کذاب یا وضاع ثابت نہیں کر سکے۔ لہٰذا حضرت قاری صاحب کا اس روایت کو وضع کردہ کہنا ٹھیک نہ ہوا۔

چوتھے امام بخاریؒ اپنے قواعد اور اصول کے تحت جس مختلط کی روایت نقل فرماتے ہیں تو وہ اس راوی کے اختلاط سے پہلے زمانہ کی ہوتی ہے۔ اب اگر امام بخاریؒ کی نقل کردہ یہ روایت جو سفیان بن عیینہ سے روایت کی ہے ان کے زمانہ اختلاط کے بعد کی ہوتی تو امام بخاری کم از کم یہ روایت اپنی صحیح میں نہ بیان کرتے۔ بلکہ الادب المفرد یا التاریخ الکبیر یا التاریخ الصغیر وغیرہ کتب میں نقل فرماتے۔ اور اس روایت میں یہ سب راوی امام بخاریؒ کے مرکزی راوی ہیں۔ اب خواہ مخواہ ان میں کیڑے نکالنا اہل حق کی شان سے بعید تر ہے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ.

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادوگروں کے جادو سے اثر ہو جانا تو خود قرآن پاک میں بھی آیا ہے کہ جب فرعون کے بلانے پر جادوگر آئے تھے تو انھوں نے اپنی اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر ایسا اثر ہوا کہ وہ یہ سمجھے کہ سچ مچ سانپ دوڑ رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے مرسل نبی حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی یہی کچھ کر ڈر رہے تھے اور انہیں یہ

لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بنی ہوئی نظر آنے لگیں، تو اب یہ تماشائی جادو اور معجزہ کا فرق کیونکر سمجھیں گے۔ ان کی لاٹھیاں اور رسیاں بھی سانپ معلوم ہو رہی ہیں۔ اور میرا عصا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکم سے معجزۃً سانپ بن جاتا ہے۔ اب دیکھیں کیا بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ عصا کو تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگلنے والا بنا کر جادو اور معجزہ کا فرق کر دکھایا۔ اور فرمان الٰہی "وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ" من وعن صحیح ثابت ہو گیا۔ یعنی جادوگر خواہ کہیں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا۔

اسی طرح یہاں بھی لبید بن اعصم یہودی (جس کا تعلق بنی زریق سے تھا) کا مقصد پورا نہ ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے معوذتین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) نازل فرما کر اس کے عزائم باطلہ خاسرہ کو پامال کر دیا۔ اور پھر امت محمدیہ (علی صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیہ) کو بھی تعلیم دی گئی کہ اگر کوئی شخص تم پر جادو کرے تو یہی معوذتین پڑھ کر اپنے جسم پر دم کر دیا کرو۔ تو محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اسی کے فضل و کرم سے جادو کا اثر جاتا رہے گا انشاء اللہ العزیز۔

اشکال

اب رہا یہ سوال کہ حضور اکرم ﷺ پر جادو چل جانے کو تسلیم کر لیں تو کفار نابکار کے اس الزام کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ جو وہ کہا کرتے تھے "اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا" کہ تم لوگ ایک ایسے شخص کے پیچھے چل رہے ہو جو سحر زدہ اور مسلوب العقل ہے۔ تو اب تم نے بھی تسلیم کر لیا کہ واقعی نبی پاک ﷺ سحر زدہ تھے۔

جواب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ کفار نابکار جو آپ ؐ کو رجل مسحور کہتے تھے تو مسحور بمعنے سحر زدہ مراد نہ لیتے تھے۔ بلکہ آپ ؐ کو رجل مسحور اس معنے میں کہتے تھے کہ کسی نامعلوم جادوگر

نے آپ ؐ کو پاگل اور مجنون کر دیا ہے۔ اور آپؐ اسی پاگل پن اور جنون میں نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں۔ اور جنت و دوزخ کے افسانے ہم کو سناتے ہیں۔ اور اس قسم کے سحر سے کہ جس سے عقل و ہوش میں فرق نہ آئے وان کو کوئی فرق نہیں پہنچتا تھا۔

نوٹ

یہ بات یاد رہے کہ لبید بن اعصم یہودی کے آپؐ پر جادو کرنے کا واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے۔ اور کافروں کا قول "اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا" اس وقت کا ہے جب آپؐ ابھی مکہ میں تشریف فرما تھے۔ ہجرت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ اور اس وقت ظاہر ہے کہ ان پر جادو نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کفار مکہ کا یہ عقیدہ تھا کہ آپؐ پر فلاں بندے نے جادو کیا ہے تو اس صورت میں ان کفار کا آپ ؐ کو مسحور کہنا بمعنے مجنون ہی ہو سکتا ہے نہ بمعنے سحر زدہ۔

اشکال

اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے تو "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" فرما کر آپؐ کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ؐ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

جواب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے معنے یہ ہیں کہ آپ ؐ کو کوئی قتل نہ کر سکے۔ جیسا کہ کفار نابکار آپ ؐ کو قتل کرنے کے منصوبے تیار کر رہے تھے۔ جیسے آپؐ سے پہلے بعض انبیاء کرام علیہم السلام (مثلاً حضرت زکریا و یحییٰ علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) کو قتل کر بھی چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ "فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ" یعنی یہ نہیں کہ آپ ؐ کو کوئی بیماری یا جسمانی مضرت یا اور کوئی ایذا ابھی نہ پہنچے گی۔ کیونکہ احد کی لڑائی میں آپؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ خیبر میں ایک یہودی

عورت نے آپ ؐ کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر دی، جس کی مضرت ہر شروع گرمی پر نمایاں ہوتی تھی۔ پھر جب یہ امور اس حفاظت کے مخالف نہیں تو یہودیوں کے جادو کرنے سے بیماری پیدا ہو جاتا اور وہ بھی صرف چند روز کے لئے یہ کیونکر مخالف ہو سکتی ہے۔ اور سحر کے اثر کا نمایاں ہو جانا نبوت کی شان کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ اثر بحیثیت بشریت نمودار ہوا تھا اور کھانے پینے سونے وغیرہ خواص بشریت میں آپ ؐ بھی شریک ہیں دوسرے انسانوں کے۔

اور مصلحت اس میں یہ تھی کہ کفار نابکار جو آپ ؐ کو جادوگر کہتے تھے جیسا کہ (وَقَالَ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ) ان کا گمان غلط کرنا تھا کیونکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جادوگر پر کسی کا جادو نہیں چلتا۔

اشکال

اب رہا یہ سوال کہ حنفیوں کے مایہ ناز محدث محقق عالم امام ابوبکر رازی جصاصؒ جو امام ابوالحسن کرخیؒ کے تلمیذ خاص اور صاحب المختصر امام قدوریؒ کے استاذ ہیں، اپنی مایہ ناز کتاب احکام القرآن میں اس امر کی تردید کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ آپ ؐ پر جادو چلنے کا واقعہ صحیح نہیں ہے۔

جواب

سو اس کا جواب یہ ہے کہ امام جصاصؒ باوجود حنفی محدث محقق ہونے کے بعض بعض اعتقادی مسائل میں اہل اعتزال کے مسلک کی طرف جھک گئے ہیں جیسے علامہ زمخشریؒ باوجود اس کے کہ فروعات میں حنفی عالم تھے مگر اعتقادیات میں کٹر معتزلی تھے اور اپنے تئیں معتزلی کہلوانے پر فخر محسوس کرتے۔

اور جیسے امام ابوبکر رازی جصاصؒ اس مسئلہ میں معتزلی فرقہ کی رائے کی طرف مائل ہیں ایسے ہی وہ جنت میں مومنوں کے دیدار باری تعالیٰ کے بھی معتزلہ فرقہ کی طرح منکر

ہیں۔ حالانکہ جملہ اہل السنت والجماعت کا مسلک یہی ہے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بغیر کیفیت اور بغیر جہت کے اہل ایمان کو نصیب ہوگا۔

اب جب بات محقق ہوگئی کہ آپ پر جادو نہ چلنے کا عقیدہ معتزلہ کا ہے اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ نہیں۔ اور امام جصاص اس مسئلہ میں معتزلہ کی رائے رکھتے ہیں۔ تو اب حضرت قاری صاحب کو اپنے استدلال میں امام جصاص کا قول نقل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ یا پھر قاری صاحب اعلان فرمادیں کہ میں مسلک اہل السنت والجماعت کی نہیں بلکہ معتزلہ کی رائے رکھتا ہوں۔ تاکہ اخبار بین حضرات وغیرہ کو دھوکہ نہ رہے۔

حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ کا مسلک

اب میں اپنے جواب کی تائید میں حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی کی تقریر پیش کرتا ہوں۔

تنبیہ: کئی صحابہ (مثلاً عائشہ صدیقہ، ابن عباس، زید بن ارقم رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پر بعض یہود نے سحر کیا جس کے اثر سے ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک کو لاحق ہوگیا۔ اس دوران میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک دنیاوی کام کر چکے ہیں۔ مگر خیال گزرتا تھا کہ نہیں کیا۔ یا ایک کام نہیں کیا۔ اور خیال ہوتا تھا کہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاج کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں۔ اور ان کی تاثیر سے وہ اثر باذن اللہ زائل ہوگیا۔

واضح رہے کہ یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے۔ جس پر آج تک کسی محدث نے جرح نہیں کی۔ اور اس طرح کی کیفیت منصب رسالت کے قطعاً منافی نہیں۔ جیسے آپ صلعم کبھی کبھی بیمار ہوئے۔ بعض اوقات غشی طاری ہوئی۔ یا کئی مرتبہ نماز میں سہو ہو گیا۔ اور آپ نے فرمایا "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ" اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ" میں بھی ایک بشر ہی ہوں، جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں، میں

بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو۔ کیا اس غشی کی کیفیت اور سہو و نسیان کو پڑھ کر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب وحی پر اور آپ ﷺ کی دوسری باتوں پر کیسے یقین کریں؟ ممکن ہے کہ ان میں بھی سہو و نسیان اور بھول چوک ہو گئی ہو اگر وہاں سہو و نسیان کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی الٰہی اور فرائض تبلیغ میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگیں۔ تو اتنی بات سے کہ احیاناً آپ ﷺ ایک کام کر چکے ہوں اور خیال گزرا کہ نہیں کیا، کس طرح لازم آیا کہ آپ ﷺ کی تمام تعلیمات اور فرائض بعثت سے اعتبار اٹھ جائے۔

یاد رکھیے! سہو و نسیان، مرض اور غشی وغیرہ عوارض بشریت سے ہیں۔ اگر انبیاء بشر ہیں تو ان خواص کا پایا جانا ان کے رتبہ کو کم نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب ایک شخص کی نسبت دلائل قطعیہ اور براہین نیرہ سے ثابت ہو جائے کہ وہ یقیناً اللہ کا رسول ہے تو ماننا پڑے گا کہ اللہ نے اس کی عصمت کا تکفل کیا ہے۔ اور وہی اس کو اپنی وحی کے یاد کرانے سمجھانے اور پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ناممکن ہے کہ اس کے فرائض دعوت و تبلیغ کی انجام دہی میں کوئی طاقت خلل ڈال سکے۔ نفس ہو یا شیطان، مرض ہو یا جادو، کوئی چیز ان امور میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی جو مقصد بعثت سے متعلق ہیں۔

کفار جو انبیاء کو مسحور کہتے تھے چونکہ ان کا مطلب نبوۃ کا ابطال اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ جادو کے اثر سے ان کی عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ گویا مسحور کے معنے مجنون لیتے تھے اور وحی الٰہی کو جوش و جنون قرار دیتے تھے (العیاذ باللہ)۔ اس لئے قرآن میں ان کی تکذیب و تردید ضروری ہوئی۔ یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام لوازم بشریت سے مستثنیٰ ہیں اور کسی وقت ایک آن کے لئے کسی نبی پر سحر کا معمولی اثر جو فرائض بعثت میں اصلاً خلل انداز نہ ہو نہیں ہو سکتا۔ انتہیٰ کلام شیخ الاسلام۔

اصلاحُ النیّۃ

فی تحصیلِ

العُلوم الدّینیّۃ

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سیّد محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین الذی قال فی کتابہ المبین المتین: "لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ" وقال: "اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" وقال: "اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ" وقال تعالیٰ: "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ"۝ والصلوٰۃ و السلام علیٰ سیدنا محمد ن النبی الذی بعث الولاۃ الی المدن و عیّن لہم الرزق۝ و علیٰ الہٖ و اصحابہٖ سیما الخلفاء الراشدین المھدیین الذین عیّنوا الرزق للائمۃ و المؤذنین و المعلمین و الآمرین بالمعروف و الناھین عن المنکر والمجاھدین۝

اما بعد تعلیم قرآن کی اجرت کے جواز یا عدم جواز سے متعلق سلف صالحینؒ کے دور میں بھی اختلاف رہا ہے۔ چنانچہ حسین بن علیؓ، عبداللہ بن شقیقؒ، اسودؒ، ابراہیم نخعیؒ، ابوقلابہ جرمیؒ، شریح القاضیؒ، امام زہریؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ابن سیرینؒ، طاؤسؒ اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن شریف کی تعلیم پر گزارے کے مطابق بال بچوں کے لیے خرچہ لینا بھی حرام ہے۔

۝ اور ایک گروہ سلف صالحینؒ کا گزارے کے مطابق اپنے اور اپنے بال بچوں کی خاطر

فرچہ لینے کی اجازت دیتا ہے۔ جن میں سے حضرت عکرمہؒ، سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، امام احمد بن حنبلؒ، ابوثورؒ، حکمؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگردان عظام شامل ہیں۔ (دیکھیے طیبی شرح مشکوٰۃ جلد ۶ صفحہ ۱۵۹ اور دیگر شروح و حواشی)

- اور جمہور یعنی اکثر علماء جواز کے قائل ہیں۔ (دیکھیے بذل المجہود جلد ۵ صفحہ ۱۱)
- مانعین کی طرف سے جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان میں سے کچھ قرآن مجید کی آیات ہیں۔ اور چار احادیث ہیں۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تعلیم قرآن کی اجرت کے حرام کہنے پر ان دلائل میں سے ایک دلیل بھی پیش نہیں کی۔ جبکہ ان کا قاعدہ ہے کہ جو مسئلہ ان کے سامنے پیش ہو جائے تو پہلے قرآن مجید میں سے تلاش کرتے ہیں۔ اگر مل جائے تو فبہا۔ اور اگر قرآن مجید میں سے نہ ملے تو پھر صحیح حدیث تلاش کرتے ہیں۔ اگر صحیح حدیث مل جائے تو فبہا۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل دیکھتے ہیں۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل نہ ملے یا صحابہ کرام کا عمل مختلف ہو تو اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔
- اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نہ قرآن مجید میں سے استدلال کیا اور نہ صحیح حدیث سے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ کا متفق علیہ عمل ان کو ملا۔ اس لیے اجتہاد سے کام لیا۔ اور اتفاق سے ان کے ساتھ بعض دیگر تابعینؒ کا اجتہاد بھی مل گیا۔ نیز علماء کا متفق علیہ

قاعدہ ہے: کل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليه (ہدایہ صفحہ ۲۸۷)

یعنی جو طاعت مسلم کے ساتھ خاص ہو تو اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ مجھے روزانہ پچاس روپے دو تو میں پنجگانہ نماز ادا کرتا رہوں گا۔ تو یہ حرام ہے۔ اور اسی طرح تمام طاعات کا حال ہے۔

- اور جواز کے قائلین جیسے امام مالک اور شافعی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ بخاری شریف کی حدیث کو اپنا مستدل بناتے ہیں۔ ان احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب اللہ۔
- نیز مانعین جو قرآن مجید کی تعلیم پر حرمت کے متعلق قرآن مجید کی آیات پیش کرتے ہیں، وہ مجوزین کے پیش نظر بھی تھیں۔ جن میں سے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ تو اہل لسان

تھے انہی کی زبان میں قرآن پاک اترا تھا۔ امام مالکؒ مدنی ہیں اور امام شافعیؒ مطلبی مکی ہیں۔ اگر ان آیات کا مطلب وہی ہوتا جو مانعین کشید کرتے ہیں' تو امام مالکؒ جیسے اہلِ لسان اساطین علم قرآن و سنت کے ماہر کبھی جواز کا فتویٰ دے کر اپنی عاقبت خراب نہ کرتے۔ جبکہ آپؒ اس عہد کے عالم ہیں جس عہد کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے منقبت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ کہ بہترین دور میرا ہے۔ جن میں میں رہتا ہوں یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر صحابۂ کرامؓ کے بعد والے ان کے شاگرد ہیں جن کو تابعینؒ کہتے ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو تابعینؒ کے شاگرد یعنی تبع تابعینؒ ہیں۔

دلیل مانعین ۱

○ مخالفین تعلیم قرآن مجید پر اجرت کی حرمت کے متعلق قرآن مجید کی آیات بھی پیش کرتے ہیں جن میں سے ایک آیت تو یہ ہے: لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا یعنی میری آیات کو فروخت مت کر ڈالو۔ تھوڑی سی قیمت پر۔ سو اس کا:

جواب یہ ہے کہ سیاق و سباق کی روشنی میں اس آیتِ کریمہ کا اصل اور صحیح مفہوم یہ ہے: "دین کے بدلے دنیا حاصل کی جائے یہ منع عنہ ہے۔ جسے دین فروشی کہتے ہیں"۔

اور اس کی تین صورتیں ہیں:

① طمع نفسانی سے یا کسی کے ڈر یا لحاظ سے یا کسی اور دنیوی غرض کے حصول کے لیے آیاتِ قرآنیہ کو غیر محل پر لگا کر لوگوں کو اعتبار دلانا اور ان سے اپنے مطالب حاصل کرنا۔

② حکم الٰہی میں تصرف کر کے اپنی طرف سے کچھ ملا کر لوگوں سے اپنی اغراض حاصل کرنا جس کی تشریح ساتھ ہی آنے والی آیت میں آگئی ہے۔ یعنی لا تلبسوا الحق بالباطل یعنی حق کو ناحق کے ساتھ خلط ملط نہ کرو۔

③ حق کو چھپانا تاکہ اپنا مطلب فوت نہ ہو اور اسی صورت کی تشریح وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ میں بیان فرما کر اس سے منع فرمادیا۔ یعنی حق بات کو مت چھپاؤ۔

○ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے اکثر علماء احبار اور مشائخ طریقت (صوفی لوگوں) کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مومنین یعنی امت محمدیہ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (۹: ۳۴) یعنی مومنو! اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت سے احبار (علماء یہود و نصاریٰ) اور ان کے درویش اور مشائخ (صوفی، پیر) لوگوں کے مال اس جہیں میں باطل اور ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی سیدھی راہ (اسلام) سے روکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ میں "آیات" سے مراد "احکام الٰہیہ" ہیں۔ چنانچہ:

"آیات" سے مراد "احکام الٰہیہ" ہیں

❶ محدث و مفسر حضرت علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر جلد ۱ صفحہ ۸۴ میں اس آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ: "اس آیت سے مراد یہ ہے کہ طلبِ دنیا کے لیے احکامِ الٰہی میں تغیر و تبدل نہ کرو"۔ تو "اٰیاتی" یعنی میرے احکام کے مقابلہ میں اور حکم بتا کر حقیر معاوضہ بھی حاصل نہ کرو۔

❷ علامہ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تفسیر مدارک جلد ۱ صفحہ ۴۵ میں تحریر فرمایا ہے: لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ای بتغییرها و تحریفها ثَمَنًا قَلِیْلًا یعنی میری کتاب (تورات شریف میں مذکور آیات کو بدل کر اور تحریف کر کے دنیائے دنی کے عوض مت بیچو۔

❸ تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۴۵ میں ہے: لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ای ببیان صفة محمد التی فی التوراة ...... یعنی تورات شریف میں جو صفت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان ہے اس کو بدل کر دنیا دنی کی گھٹیا چیز مت لو۔

❹ تفسیر جلالین صفحہ ۷ میں ہے: بِاٰیٰتِیْ التی فی کتابکم من نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ...... ای لا تکتموها خوف فوات ماتأخذونه من سفلتکم۔ یعنی جو تمہاری کتاب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہے اسے چھپاتے ہیں۔ تاکہ عوام سے جو ملتا ہے وہ بند نہ ہو جائے۔

5. تفسیر بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۱۳۹ میں ہے: لا تستبدلوا بالایمان بھا و الاتباع لھا حظوظ الدنیا یعنی ایمان بالتوراۃ اور اتباع تورات کے عوض دنیا دنی کے حظوظ اور چسکے مت لو۔

6. اور علامہ مہائمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تفسیر تبصیر الرحمٰن قلمی صفحہ ۲۸ میں تحریر فرمایا ہے: لاتشتروا بأیتی الدالۃ علی وجوب اتباع محمد ﷺ یعنی تورات شریف میں جو آیات دلالت کرتی ہیں اس بات پر کہ آخر الزمان پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنی واجب ہوگی۔ اور یہ یہود و نصاریٰ ایمان بالتورات کے عوض دنیائے دنی کے چسکے لیتے ہیں۔ جس سے انھیں منع کیا گیا۔

7. تفسیر البحر المحیط جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ میں علامہ ابن حیان اندلسی نے حضرت حسن بصری تابعی سے اس آیت کی تفسیر نقل فرمائی ہے: ای لا تستبدلوا بأیتی ای بتغییر أیتی ثمناً قلیلاً یعنی میری آیات اور احکامات میں تغیر و تبدل کرکے دنیائے دنی مت لو۔

8. نیز مفسر سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تفسیر ان الفاظ میں نقل فرمائی لا تشتروا بأیتی ای بکتمان أیاتی ثمنا قلیلاً یعنی میری تورات شریف کی آیات اور احکامات حقہ کو چھپا کر دنیائے دنی مت لو۔

9. نیز ابن حیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بعض دیگر مفسرین کا قول نقل فرمایا: ایتی کنی عن الاوامر و النواھی کہ آیات سے مراد احکامات ہیں یعنی اوامر و نواہی (کرنے کے کام اور نہ کرنے کے کام)

10. مفسر قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن صفحہ ۳۳۴ میں تحریر فرمایا ہے: لا تأخذوا علی أیات اللہ ثمنا ای علی تغییر صفۃ محمد ﷺ رشی۔ و کان الاحبار یفعلون ذلک فنھوا عنہ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات پر ثمن نہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تورات میں لکھی ہوئی صفت کو بدل کر رشوت نہ لو۔ جیسے تورات کے عالم کرتے تھے اور اسی کرتوت سے ان کو روکا گیا۔

○ نیز آپ نے تحریر فرمایا: فمن اخذ رشوۃ علی تغییر أیۃ او ابطالہ او امتنع من

تعلیم ما وجب علیہ او اداء ما علمہ وقد تعین علیہ حتی یاخذ علیہ اجراً
یعنی اب جو شخص حق کو تبدیل کرنے یا باطل کرنے پر رشوۃ لے یا واجب تعلیم سے رکا رہے یا اپنا علم لوگوں تک پہنچانے سے باز رہے۔ حالانکہ وہ اس پر متعین ہے جب تک اس کا اجر نہ لے تو اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔

⓫ تفسیر رازی جلد ا صفحہ ۴۹۱ میں امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ: کعب بن اشرف اور حُیی بن اخطب (یہودی علماء) کا یہی کام تھا۔ یعنی یہ لوگ آیاتِ توراتِ شریفہ کے مطالب کو بدل دیا کرتے تھے۔

⓬ حضرت شاہ عبد القادر مفسر و محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "آیتوں پر تھوڑا مول یہ کہ دنیا کی محبت کے دین مت چھوڑو"۔

⓭ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیان القرآن جلد ا صفحہ ۳۶ میں تحریر فرمایا ہے: یعنی میرے احکام چھوڑ کر اور ان کو بدل کر اور چھپا کر عوام الناس سے دنیائے ذلیل و قلیل کو وصول مت کرو۔ جیسے ان کی عادت تھی۔ چنانچہ آگے تصریح فرماتے ہیں: ولا تلبسوا الحق بالباطل.......

⓮ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کشف الرحمٰن صفحہ ۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں: رشوت لے کر مسئلے غلط بتاتے تھے حق چھپاتے اپنی ریاست (سرداری) جماتے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرتے بلکہ ان کو قتل کرتے۔ اور ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تورات میں لکھی ہوئی صفت کو بدل ڈالا۔ خود غرض اور حرص و ہوا کے بندے احکام شرعیہ کو دو طرح بدلتے تھے۔ ایک تو حق بات کو چھپالیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بات تورات میں نہیں ہے۔ اور اگر کوئی بات آہی پڑتی تھی تو اس میں توجیہ اور تاویل کر دیا کرتے تھے۔ انھوں نے حکم کا انکار کیا اور چھپایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیاں چھپادیں۔ اور معنے میں عجب طرح کے ہیر پھیر کرتے تھے۔

شانِ نزول: یہود کے علماء و رؤساء کو جہلاء اور عوام سے آمدنی بہت ہوتی تھی ان سے

سالانہ وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ اور ہر قسم کے مال کھیت، مویشی اور نقد سب چیزوں سے جنہ لیتے تھے۔ اب اسلام پھیلا تو ڈرے کہ اگر ہم نے محمد ﷺ کی نعت ظاہر کی اور ان کا اتباع اختیار کیا تو یہ سب آمدنی ہمارے ہاتھ سے نکل جائیگی۔ اس لیے انھوں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی۔ اور دین چھوڑ بیٹھے۔ اور توراۃ میں آپ ﷺ کی نعت کو بدل دیا۔ اور آپ ﷺ کا نام مبارک مٹا دیا۔

⑮ اسی طرح معالم التنزیل صفحہ ۲۴ طبع ہند میں

⑯ اسی طرح جامع البیان صفحہ ۷ میں

⑰ اسی طرح ابو السعود صفحہ ۵۰۹ میں اور دیگر کتاب تفاسیر میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

⑱ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر معارف القرآن جلد ا صفحہ ۲۰۷ میں تحریر فرمایا کہ: "اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلہ میں قیمت لینے کی ممانعت کا مطلب وہی ہے جو آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی مرضی اور ان کی اغراض کی خاطر اللہ تعالیٰ کی آیات کا مطلب غلط بتلا کر یا چھپا کر لوگوں سے پیسے لیے جائیں۔ یہ فعل باجماع اُمت حرام ہے"۔

○ نیز فرمایا: رہا یہ معاملہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی آیات صحیح صحیح بتلا کر یا پڑھا کر اس کی اجرت لینا کیسا ہے؟ اس کا تعلق آیت مذکورہ سے نہیں۔ خود یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل غور و بحث ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت و معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

○ فقہاء امت کا اس میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ جائز قرار دیتے ہیں اور امام اعظمؒ اور بعض دوسرے ائمہ منع فرماتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کو ذریعہ کسب معاش کا بنانے سے منع فرمایا ہے۔

اجرت علیٰ تعلیم القرآن کی وجہ حرمت

○ اس دور میں امام اعظمؒ اور ان کے ہم خیال علماء کا تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو حرام کہنا ایک لحاظ سے صحیح تھا۔ کیونکہ حکومت اسلامیہ شرق و غرب میں پھیل گئی تھی۔ غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اور کچھ غلام مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دینا نہایت ضروری اور اہم تھا۔ اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا تھا: تعلموا القرآن و علموہ الناس۔ یعنی تمہارا فرض ہے کہ قرآن مجید خود بھی سیکھو اور آگے لوگوں کو بھی سکھاؤ۔ اب اگر ان نو مسلموں سے جن میں اکثریت موالی یعنی غلاموں کی تھی اجرت لے کر قرآن و حدیث کی تعلیم کا سلسلہ قائم کیا جاتا تو نو مسلم موالی کیونکر پڑھتے۔ بلکہ پڑھنے سے انکار ہی کر دیتے۔ اس طرح اشاعتِ دین کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہو جاتا۔ اس لیے انھوں نے فرمایا کہ ان نو مسلم موالی کو بڑے پیار اور محبت سے قرآن و سنت کی تعلیم دو۔ جس طرح جہاد عبادت ہے۔ اسی طرح جہاد کے ثمرہ میں جو نو مسلم موالی ہاتھ آئے ہیں ان کو دین پڑھانا بھی فرض اور عبادت ہے۔ اور اذان دے کر ان کو نمازوں کی طرف بلانا اور نماز پڑھانا بھی عبادت اور فرض ہے۔ اس لیے جس طرح کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر یا قرآن پڑھ کر یا جہاد میں شریک ہو کر اجرت مانگے ایسے ہی قرآن و حدیث پڑھا کر اور اذان دے کر امامت کرا کر اجرت لینا جائز نہیں۔ اگر کسی عالم مفسر و محدث کا اپنا ذریعۂ معاش ہے تو اس پر نماز روزہ اور جہاد کی طرح یہ تمام امور فرض ہیں۔ اور محض للہ پڑھائے اور اس کا اجر عند اللہ محفوظ ہے۔

اور اگر کسی عالم مفسر محدث کا اپنا ذریعۂ معاش نہیں ہے تو حسب فرمانِ نبی کریم: طلب کسب الحلال فریضۃ بعد فریضۃ۔ علم دین کا سیکھنا جو فرض ہے اور اس پڑھے ہوئے پر عمل کرنا بھی فرض ہے اس کے بعد حلال کمائی کا تلاش کرنا بھی فرض ہے۔ جبکہ بھیک مانگنا حرام ہے۔ قیامت کے دن بھیک مانگنے والے کی بری گت بنے گی۔ اور تعلیم دین فرض کفایہ ہے۔ نماز روزہ کی طرح فرض عین نہیں۔ اس لیے جب اہل ثروت علماء کرام علم دین کی تعلیم میں مصروف ہیں، نادار عالم مفسر و محدث اگر دین کی تعلیم نہ دے گا تو اس پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔ ہاں اپنے فرائض کی ادائگی میں کوتاہی نہ کرے۔

تعلیم دین کا ارتقاء

○ اُس دور میں سوائے قرآن مجید کے اور کوئی کتاب نہ تھی۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ حدیث جو قرآن مجید کی تفسیر تھی، زبانی بیان کی جاتی تھی۔ اور شاگرد سن کر اس کو یاد کر لیتے تھے۔ اور خداداد حافظہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت غیر مترقبہ تھی۔ اور نیکی کے غلبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی برکات کا نزول ہوتا رہتا تھا۔ اور علم دین کی تعلیم مختصر سی تھی۔ جو قرآن و حدیث میں بند تھی۔ اور اس دور میں تصنیف و تالیف کا رواج نہ تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی دور میں گذرے ہیں۔ اس لیے انھوں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ قرآن و حدیث زبانی پڑھا دیتے تھے۔ آپ کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ طالب العلم کو املاء کرا دیتے تھے۔ جیسا کہ امالی ابویوسفؒ کے نام سے کتاب مشہور ہے۔ پھر ان امالی میں قرآن و حدیث سے مستنبط قوانین بیان کیے گئے تھے۔ جن کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ پھر سلسلۂ تصانیف مسلسل شروع ہو گیا۔ امام ابویوسفؒ نے کئی کتابیں تحریر کیں۔ اور امام محمدؒ نے سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں۔ اور امام مالکؒ، زہریؒ اور شعبیؒ وغیرہ نے بھی موطا لکھے۔ اور امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ نے بھی۔ کیونکہ شروع کے دور میں جزئیات کم تھے۔ اس کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا فقہی جزئیات بڑھتے گئے۔ ان پر بحث و کلام بھی بڑھتی گئی روز بروز سلسلۂ تصنیف وسیع ہوتا گیا۔ جس میں ہر مجتہد اپنے اجتہاد پر اعتماد کر کے مسئلہ لکھتا جو قرآن و حدیث سے استنباط کیا جاتا۔ اجتہاد میں بسا اوقات اختلاف ہو جاتا مجتہدین کی بحث وسیع ہو جاتی۔

عجمی لوگوں کے لیے تعلیمی ضروریات

○ نیز عجمی لوگوں میں قرآن و حدیث کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ چلا۔ انھیں سمجھانے کے لیے مختصر سے قوانین بتائے جاتے تھے۔ جو لغت عرب اور صرف و نحو کے ذریعے بیان کیے جاتے۔ پھر کم حافظہ والوں کے لیے لغت عرب اور صرف و نحو کی

کتابیں تصنیف کی گئیں۔ اس دور میں ان اہلِ عجم کو پڑھانے کے لیے مختصر سا نصاب تھا۔ وقت زیادہ نہ لگتا تھا۔ پھر ان کتب کے افہام و تفہیم کے لیے کتبِ متقدمین پر نظر کرنے سے کچھ اشکالات پیدا ہوتے۔ جن کے جوابات اساتذۂ کرام دیتے۔ اور شاگرد اپنی کتابوں میں درج کر دیتے۔

بیت المال سے علماء و معلمین کی خدمت

○ پھر قرآن و سنت کی کچھ پیدا کرنے کے لیے فقہ، اصولِ فقہ، حدیث، اصولِ حدیث، تفسیر، اور اصولِ تفسیر لکھنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ پھر دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل میں یونان سے آنے والی فلسفہ کی کتابوں کو مفید سمجھ کر عباسی خلفاء نے عربی زبان میں ترجمہ کروایا۔ جنھیں پڑھ کر بہت سے لوگوں کو دینِ اسلام پر شکوک پیدا ہونے لگے اور مختلف مذاہب پیدا ہو گئے۔ جو دینِ اسلام پر اعتراض کرتے تھے۔ مذہبِ اسلام پر پختہ علماءِ حق نے ان سے بحث اور گفتگو کرنے کے لیے اصول و ضوابط لکھے۔ جن کو لکھنے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے کتب میں مزید وسعت ہوئی۔ پھر ایسے حالات میں تحصیلِ دین اتنا مشکل ہو گیا کہ دین کا خواہشمند مستقل وقت نکال کر بغیر یکسوئی کے دین حاصل نہ کر سکتا۔ اور یہ ناممکن تھا کہ دین کے متحصلین کاروبار، تجارت، مزدوری یا ملازمت کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کا علم حاصل کر سکتا۔ پھر استاذ بھی دینی کتب پڑھانے میں کتابوں کے مطالعہ میں ایسا مصروف ہوتا کہ اسے اتنی فرصت نہ ملتی کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنا کاروبار بھی جاری رکھ سکے۔ اس لیے حکومتِ اسلامیہ نے ایسے علماء کے لیے بیت المال میں سے وظیفے مقرر کیے، تاکہ یکسوئی سے استاذ پڑھائیں اور طالب العلم پڑھیں۔

بیت المال میں خلل کا نتیجہ

○ لیکن اس کے بعد ممالکِ اسلامیہ میں انقلابات کے باعث بیت المال میں خلل واقع ہو گیا۔ اس لیے متأخرین حنفیہؒ نے جب ان حالات کا مشاہدہ کیا کہ قرآن مجید کے معلمین کو اسلامی بیت المال سے گزارہ ملا کرتا تھا اب ہر جگہ اسلامی نظام میں

فتور کے سبب ان معلمین کو معمولی کچھ نہیں ملتا، یہ اگر اپنے معاش کے لیے کسی محنت مزدوری یا تجارت وغیرہ میں لگ جائیں تو مسلمان بچوں کے لیے تعلیم قرآن کا سلسلہ یکسر بند ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ (تعلیم قرآن) دن بھر کا مشغلہ چاہتا ہے۔
اس لیے تعلیم قرآن پر تنخواہ لینے کو بضرورت جائز قرار دیا۔ کیونکہ:

اضطراری حالت میں بقدرِ ضرورت حرام کا حلال ہوجانا

○ اضطراری صورت میں حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۲ : ۱۷۳)

ترجمہ میں نے وہ چیزیں حرام نہیں کیں جن کو یہ مشرک لوگ اپنے مشرک پیروں کے کہنے پر حرام سمجھے پھرتے ہیں۔ حقیقت واقعیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو تم پر مردار کو حرام کیا ہے۔ اور بہتا خون بھی اور خنزیر کا گوشت بھی اور شرکیہ کلمات والی وہ چیز بھی جو غیر اللہ کی تعظیم کی خاطر مشہور اور نامزد کر دی گئی ہو۔ یعنی غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے کسی غیر اللہ کے نام پر نامزد کی گئی ہو، خواہ وہ غیر اللہ بت ہو، یا کوئی نبی، ولی، پیر، فقیر، بزرگ، استاذ ہو یا دیوی، دیوتا ہو، وہ چیز بھی اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کی گئی ہو۔ البتہ جو شخص بھوک سے بے قرار ہو جائے اور ان حرام کردہ چیزوں میں سے کوئی چیز بھی اگر کھانی پڑے تو دلی رغبت کے بغیر یعنی کراہت اور ناپسندیدگی سے استعمال کرے۔ اور استعمال بھی بقدرِ ضرورت کرے۔ جو سدِ رمق سے تجاوز نہ کرے، تو اس پر ان حرام کردہ چیزوں میں سے کوئی ایک چیز استعمال کر لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پردہ پوش مہربان ہے۔

○ اس آیتِ کریمہ سے دو قاعدے ثابت ہوتے ہیں۔ ایک:

قاعدہ یہ ہے: "الضرورات تبیح المحظورات" کہ "ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں"۔ اور دوسرا:

قاعدہ ہے: "<u>الضرورة تتقدر بقدر الضرورة</u>" یعنی "<u>مجبوری اپنے انداز تک ہی رہتی ہے۔ اس سے تجاوز جائز نہیں</u>"۔

○ ان دو قاعدوں کی روشنی میں جس طرح اپنی جان بچانے کے لیے حرام کھانا مباح ہے اور وہ بھی اسی مقدار میں جتنی مقدار سے جان بچ سکے اور اس مقدار سے زیادہ بدستور حرام ہوگا۔ اسی طرح قرآن مجید کا ماہر فقیہ محدث مفسر قاری معلم اگر بیت المال میں سے اتنا قدر لے لے جتنے میں اس کا گزارہ چل سکے تو جائز ہے۔ اسی امر کو مدِ نظر رکھ کر سلف صالحین (خلفاءؓ، صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ) نے اشاعتِ دین کے لیے جو معلم قاضی والی ائمۂ مساجد اور مؤذنین منتخب کیے تھے جن کا رات دن مشغلہ ہی اشاعتِ دین کا تھا۔ اور اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع ترہونے کی وجہ سے متعدد علماء کو ان عہدوں پر فائز کیا اور وہ کوئی دوسرا کاروبار نہ کر سکتے تھے ان کا گزارہ بیت المال سے مقرر کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کی رو سے یہ لوگ امداد کے مستحق ہیں۔ کیونکہ انھوں نے جو اہلِ لسان تھے اور انہی کی زبان میں قرآن اترا تھا اور وہ قرآن مجید کے حافظ تھے اور وہ یہ آیات بھی تلاوت کرتے تھے۔

① فنبذوه وراء ظهورهم واشتروا به ثمنا قليلا (آل عمران-٣:١٨٧)

② اشتروا بآيٰت الله ثمنا قليلا (التوبة-٩:٩)

③ لا تشتروا بآيٰتي ثمنا قليلا (البقرة-٢:٤١ والمآئدة-٥:٤٤)

④ لا تشتروا بعهد الله ثمنا قليلا (المآئدة-٥:١٠٦)

⑤ ليشتروا به ثمنا قليلا (البقرة-٢:٧٩)

⑥ ويشترون به ثمنا قليلا (البقرة-٢:١٧٤)

⑦ ان الذين يشترون بعهد الله ثمنا قليلا (آل عمران-٣:٧٧)

⑧ واشتروا به ثمنا قليلا (آل عمران-٣:١٨٧)

○ وہ اہلِ لسان ہونے کی وجہ سے ان آیات کا مفہوم بخوبی سمجھتے تھے۔ وہ ان آیاتِ کریمہ کے مواقعِ نزول اور حالات سے خوب واقف تھے۔

اجرت تعلیم قرآن کے جواز پر قرآنی دلیل ۱

اسی طرح ان کے سامنے سورت بقرہ کی آیت ۲۷۳ اور سورت توبہ کی آیت ۶۰ بھی سامنے تھی کہ یہ آیتیں کب اور کن حالات میں اتریں اور ان کے مصداق کون ہیں۔ وہی حالات جب بھی پیدا ہوں بس انہی آیات پر ان حالات کے ہوتے ہوئے عمل کرتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ: العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی لفظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے خاص سبب اور شانِ نزول جن کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے یہ حکم ان کے ساتھ ہی خاص نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۷۳: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ، يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ، تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ، لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا، بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ان سے مراد مہاجرین اصحابِ صفہ ہیں۔ جو چار سو مہاجر قریش پر مشتمل صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت تھی۔ جن کا مدینہ میں کوئی خویش و قبیلہ نہ تھا۔ اور نہ ہی ان کے لیے مدینہ میں رہنے کی کوئی جگہ تھی۔ وہ رات کو قرآن سیکھتے، اور دن کو گٹھلیاں توڑتے تھے۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرف لشکر بھیجتے ان کے ساتھ جہاد کرنے چلے جاتے۔ (دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، کشاف، شوکانی)

اور وہ اپنے اجتہاد سے اس آیت مذکورہ میں مبدأ استحقاق کا جو فقر اور احصار فی سبیل اللہ ہے۔ حکم کی علت سمجھے۔ اس لیے اس ضمن میں فقہائے کرام نے بھی لکھا ہے کہ غریب متعلمین، قاضی، والی (گورنر) اور مفتی، اور جو لوگ ملک میں سے عشر، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج جمع کرنے پر مقرر ہیں وہ سب اس حکم میں داخل ہیں۔ کیونکہ انھوں نے تمام مصروفیات چھوڑ کر امر دین کے لیے وقت نکالا ہے۔ اور ہر وقت اسی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اور جو شخص بھی ایسا ہو جو اپنی تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر اپنا وقت دینی کاموں میں لگائے رکھے وہ گزارے کا قدر لینے کا حق دار ہے۔

اجرتِ تعلیمِ قرآن کے جواز پر قرآنی دلیل۔۲

○ سورت توبہ کی آیت ۶۰ میں دو لفظ آئے ہیں ایک عاملین اور دوسرا فی سبیل اللہ۔ عاملین کے تحت عشر زکوٰۃ جزیہ خراج اور دیگر واجبات وصول کرنے والے آجاتے ہیں۔ اگرچہ وہ مالدار ہوں۔ وہ فقراء و مساکین کے زمرے میں تو نہیں آتے لیکن اس کے باوجود وہ حق خدمت لے سکتے ہیں۔ اور فی سبیل اللہ میں غازی اور حاجی جن کا خرچ راستے میں ختم ہو جائے اور دین کے طالب العلم بھی داخل ہیں۔ بلکہ طالب العلم کئی وجوہ سے صدقات کے مستحق ہیں۔ کیونکہ :

① وہ فقیر اور مسکین بھی ہے۔

② مسافر بھی ہے۔

③ فی سبیل اللہ محصور بھی ہے۔ جبکہ معلم بھی محصور فی سبیل اللہ ہے۔

حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا عمل

○ نیز ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات کے علاوہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اپنا طرز عمل بھی تھا کہ آپ ﷺ نے والیٔ مکہ سیدنا عتاب بن اسید کے لیے سالانہ چالیس اوقیہ دینے مقرر کیے تھے جبکہ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ (دیکھیے : مستدرک حاکم)

○ اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کو یمن کا والی (گورنر) بنا کر بھیجا تھا۔ اور ان کے لیے بھی گزارہ مقرر کیا تھا۔ (دیکھیے مستدرک حاکم وہدایہ اخیرین و شرح وقایہ و فتح القدیر و بنایہ و نصب الرایہ)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل

○ نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مجتہد تھے۔ اجتہاد میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اور حق گو تھے۔ حق پسند تھے۔ اگر کسی کے اجتہاد میں غلطی ہو جاتی تو دوسرا ٹوک دیتا تھا۔ کیونکہ ان کے پیش نظر یہ حدیث بھی تھی : من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ و من لم یستطع فبلسانہ و من لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان۔ یعنی تم

میں سے جو بھی کوئی شریعت کے خلاف کام دیکھے تو اس کا تبدیل کرنا اس کا فرض بن جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے تبدیل کرے۔ اور اگر طاقت نہ ہو تو زبان سے کرے۔ اور اگر زبان سے کہنے کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اس کو برا سمجھے۔ مگر یہ ایمان کا بہت کمزور درجہ ہے۔

○ اور ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام ضعیف الایمان نہ تھے۔ بلکہ کامل الایمان تھے۔ وہ غلط کام دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ اگر معلمین، قضاۃ، ولاۃ کو رزق یعنی گزارہ دینا منع ہوتا تو خلفاء اسلامیہ کو بتلا دیتے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی جگہوں میں تعلیم قرآن پر اجرت لینے دینے کو حرام کہا ہے۔ تم کیوں حرام کھلا رہے ہو اور وہ معلمین کیوں حرام کھا رہے ہیں۔

غلط معنے کے نتائج بد

○ نیز اگر آیت کریمہ: لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا کا وہ معنی مراد لیں جو آج کل لوگوں کے ذہنوں میں بٹھایا جارہا ہے۔ تو صرف تعلیم قرآن پر اجرت لینی ہی حرام نہ ہوگی بلکہ تعلیم قرآن سے متعلق بہت سے دیگر شعبوں کو بھی ناجائز اور حرام قرار دینا ہوگا۔ مثلاً:

① قرآن مجید جو مجموعۂ آیات ہے اس کی کتابت کرنے والے کاتب کی اجرت کو بھی حرام قرار دینا ہوگا۔ جیسا کہ رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، محمد بن سیرینؒ اور حضرت ابوایوب سختیانیؒ نے فرمایا کہ اجرت لے کر قرآن مجید کی کتابت کرنا مکروہ ہے۔ (دیکھیے الاتقان فی علوم القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۷۲)

② اسی طرح قرآن مجید کی کتابت کے بعد اس کی تصحیح کے لیے مصححین علماء اور قراء کی اجرت کو بھی حرام قرار دینا ہوگا۔ کیونکہ یہ عمل بھی کتابت قرآن مجید کے زمرے میں داخل ہے۔

③ قرآن مجید کی اشاعت و طباعت میں مختلف شعبوں سے منسلک افراد مثلاً سنگ ساز یا پلیٹ میکر، طباعت کرنے والا مشین مین، جلد ساز اور ان تمام کاریگروں کے معاونین کی اجرت کو بھی حرام کہنا پڑے گا۔

(۴) اسی طرح تاجر کتب کے لیے قرآن مجید کی تجارت کو بھی حرام قرار دینا ہوگا۔ جیسا کہ خلیفۂ ثانی امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور رأس الفقہاء سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی خرید و فروخت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (دیکھیے الاتقان فی علوم القرآن)

○ اسی طرح رأس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید فروخت مت کرو۔ بلکہ تمام اصحاب رسول قرآن مجید کی خرید و فروخت کو سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ اور فرمایا کہ قرآن مجید مسلمان بھائی کو ہبہ کرکے اس کی اعانت کرو۔

○ نیز حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید فروخت نہ کیا جائے۔ اور نہ ہی ورثہ میں دیا جائے۔

○ بلکہ اس کے برعکس چودہ صدیوں میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں عرب و عجم میں کاتبین قرآن مجید اجرت لے کر قرآن مجید لکھتے رہے اور اب بھی لکھ رہے ہیں۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے لکھتے رہیں گے۔ اسی طرح جب سے مطابع کا دور چلا ہے قرآن مجید کے کاتب، مصححین، پلیٹ لگانے والے، چھاپنے والے سب ہی یہ کام کرتے رہے اور کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

○ اگر تعلیم قرآن مجید پر اجرت لینے کو حرام قرار دیا جائے اور معلمین قرآن کو حرام خور یا دکاندار قرار دیا جائے تو ان کے ساتھ ساتھ ان تمام حضرات کو بھی حرام خور قرار دینا ہوگا جو قرآن مجید کی اشاعت سے کسی نہ کسی طرح منسلک ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ لا تشتروا بآیتی ثمنا قلیلا سے مسئلۂ حرمت کا استنباط کرنے والے خود بھی اسی فتوے کی زد میں آجائیں گے۔ کیونکہ وہ بھی تو کتب فروشوں سے قرآن مجید خریدتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح بقول ان کے قرآن مجید کو بیچنا ممنوع ہے ایسے ہی قرآن مجید کا خریدنا بھی تو ممنوع اور حرام ہے۔

○ نیز ان کا یہ کہنا کہ لا تشتروا بآیتی ثمنا قلیلا کے حکم میں صرف قرآن مجید

پڑھانے والے شامل ہیں اور باقی تمام اس حکم حرمت اجرت سے خارج ہیں معقول دلیل کا محتاج ہے۔ ع:

ہر آں چیز گفتی دلیلش بیار

○ پھر قرآن مجید پڑھانے والے پر ہی انحصار نہیں بلکہ مانعین کے قول تمام دینی شعبوں میں کام کرنے والے حرام خور بنیں گے۔ مثلاً احادیث، فقہ و عقائد کی کتابوں کے لکھنے والے، تصحیح کرنے والے، شعبۂ طباعت کے منسلک کاریگر اور تاجران کتب۔ سب اسی حکم میں داخل ہوں گے۔

○ اسی طرح قرآن مجید کے مترجمین و مفسرین، احادیث نبویہ کے مترجمین و شارحین، کتب فقہ و اصول فقہ و کتب عقائد کے مترجمین و شارحین، دین سمجھانے کے لیے ترجمہ، شرح اور تفسیر کرنے کے لیے وقت نہ نکال سکیں گے۔ نہ متقدمین کی ان کتابوں کو خرید کر مطالعہ کر سکیں گے جن میں کسی قسم کا اسلامی مواد ہو، خصوصاً ان کتب کو خریدنا تو مانعین کے نزدیک حرام قطعی ہوگا جن میں قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کے حوالہ جات سے کوئی بھی مسئلہ بیان کیا گیا ہو۔ بلکہ ان کتب کا خریدنا بھی ممنوع اور حرام قرار دیا جانا چاہیے جن میں قرآن مجید سے پہلے کی کتب سماویہ مثلاً تورات، انجیل اور زبور وغیرہ کی آیات کے حوالے سے کسی مسئلہ کی توضیح کی گئی ہو۔ کیونکہ لا تشتروا بآیتی میں اصل حکم تو انہی سابقہ کتب سماویہ کی آیات کے بارے میں ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر قسم کے فلمی رسائل، اور غیر اخلاقی ناولوں اور مخرب اخلاق قصوں کی اشاعت اور خرید و فروخت کو جائز اور مذہبی و اخلاقی کتب کی اشاعت کو ناجائز قرار دے کر بے دینی اور بے راہ روی کا دروازہ کھول دیا جائے۔ تمام مدارس اسلامیہ کو بند کر دیا جائے۔ اور سکولوں اور کالجوں میں جو برائے نام اسلامی تعلیم دی جاتی ہے اسے بھی بند کر دیا جائے۔ تاکہ مستقبل میں کوئی اسلام کا نام لینے والا بھی باقی نہ رہے۔

اور اگر بتوفیقِ الٰہی کوئی شخص قرآن مجید کی تفسیر یا حدیث نبویؐ اور دیگر کتب اسلامیہ کی شرح لکھ بھی دے تو ان تمام دینی کتابوں کی کتابت و طباعت اور اشاعت کا کام نہ صرف مشکل بلکہ آج کل کے دور میں ناممکن ہو جائے گا۔ جبکہ مخالفین اپنے کافرانہ عقائد کی اشاعت کے ساتھ ساتھ خوب دل کھول کر اسلام کے خلاف بھی کتابیں لکھیں گے اور جاہل عوام میں ان کی خوب اشاعت کریں گے۔ اور انھیں اسلام سے متنفر کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اور جیسا کہ مشاہدہ ہے اگرچہ بعض جاہل عوام تقلیدِ جامد کی وجہ سے اسلام کے خلاف لکھی ہوئی کتابوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور ان کے مطالعہ سے بچنے کی کوشش بھی کریں گے، لیکن ان کی اولاد یا اولاد در اولاد بالآخر اس فتنہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے گی۔ اور ایک نہ ایک دن وہ اپنا اسلامی تشخص کھو بیٹھیں گے۔ اور شاید ایک دن وہ بھی آجائے جب مسلمان کہلانے والے جاہل عوام کو کلمہ بھی بھول جائے گا۔ نماز روزہ کو بھی ایک فضول سی بات سمجھا جانے لگے گا۔ جیسا کہ آثار نظر آرہے ہیں۔ اور جب ان کی رہنمائی کرنے والا بھی کوئی نہ رہے گا تو دنیا پر ہر طرف کفر کا اندھیرا چھا جائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

○ مانعین کے اس پروپیگنڈے سے پہلے ہی عام لوگ علماء سے متنفر ہیں۔ زمیندار، تاجر اور رئیس اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے کی بجائے سکولوں اور کالجوں میں تعلیم دلاتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ تمھارا بچہ ذہین ہے اسے دینی تعلیم دلاؤ، تو کہتے ہیں کہ اس سے بچے کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ وہ بھوکا مر جائے گا۔ کیونکہ مولوی تو موچی، نائی، لوہار، جولاہے، اور کمہار وغیرہ کمین لوگ ہوتے ہیں۔ دین پڑھ کر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ ملا مسجد میں نماز پڑھاتا ہے اور روٹی کے لیے لوگوں کے گھروں کا طواف کرتا ہے۔ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ بچے کو سکول اور کالج کی تعلیم دلائی جائے۔ تاکہ وہ ڈگری حاصل کر کے کسی بڑے سرکاری عہدے پر فائز ہو۔ ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے لائق ہو۔

- بلکہ اب تو مولوی صاحبان کا بھی یہ حال ہے کہ وہ خود تو گویا اپنے بزرگوں کی نادانی کی وجہ سے دینی علم حاصل کر کے ملا بن گیا۔ اگرچہ وہ خود تو دینی کام میں لگا ہوا ہے لیکن اپنی اولاد کو وہ بھی سکول و کالج کی تعلیم دلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے عالم کی اولاد ایسی بگڑتی ہے کہ جاہل کی اولاد بھی ایسی نہیں بگڑتی۔ اعاذنا اللّٰہ منہ۔ اور ایسے علماء بہت ہی کم ہیں جن کی اولاد بھی عالم ہو۔ بلکہ مشاہدہ ہے کہ بعض علماء کی اولاد بے دین پھر رہی ہے۔ اور بعض کی اولاد دہریہ اور لامذہب ہوگئی ہے۔ بے عمل تو بہت ہوگئے ہیں۔ اور بدلتے ہوئے حالات کو دیکھ کر مدارس اسلامیہ میں جہاں خالص دینی تعلیم دی جاتی تھی، جہاں سے علماء، مصنفین، مفسرین، شارحین، مناظرین، مدرسین اور مبلغین پیدا ہوتے تھے، اب وہاں دنیوی تعلیم بھی ضروری سمجھی جارہی ہے۔ اور اس مقصد کے لیے مدارس دینیہ کی نصابی کتابوں میں تخفیف کی جانے لگی ہے۔ اور آہستہ آہستہ انگریزی علوم کو بھی ضروری مضمون کی حیثیت سے اسلامی نصاب میں شامل کیا جارہا ہے۔ جبکہ یہ ایک انتہائی خطرناک اقدام بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ اور خدشہ ہے کہ رفتہ رفتہ دینی علوم کی جگہ انگریزی علوم نہ لے لیں۔ کیونکہ نتیجہ ارذل اور اخس کے تابع ہوتا ہے۔
- اب مانعین کا انبیاء کرام علیہم السّلام کے حوالے سے یہ کہنا کہ وہ توحید کی تبلیغ پر اجرت نہ لیتے تھے۔ یہ ایک سطحی قسم کا اعتراض ہے۔ کیونکہ سوچنے کی بات ہے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام اجرت کس سے لیتے؟۔
- دشمن اور مخالف سے اجرت وصول کرنے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اجرت کی امید تو وہاں ہوتی ہے جہاں مزدور نے مالک کی مرضی کے موافق کام کیا ہو۔ اور مشرکین کو تو توحید کی تبلیغ گوارا ہی نہ تھی۔ وہ تو مبلغ کی آواز سنتے ہی بھاگ جاتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی کہتے تھے کہ اٹھو چلو اس کی تقریر نہ سنو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ﴿۶﴾

ترجمہ اور رؤساء قریش مجلس نبوی سے یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ چلو جی چلو اپنے

معبودوں کی پوجا پر پکے ہو کر ڈٹے رہو۔ یقین جانیے کہ یہ بات جو یہ شخص کہہ رہا ہے اس میں ضرور اس کی کوئی ذاتی غرض ہے۔ (۳۸:۶)

○ نیز اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کفار کی گت سنانے کے بعد فرمایا:

قرآن فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾

ترجمہ مگر اب ان ضدی منکروں کو کیا بار پڑ گئی ہے کہ وہ اس سراسر مجسم نصیحت یعنی قرآن سے منہ پھیرتے ہیں۔ یہ منکر ضدی کس وجہ سے یہ حق دعویٰ نہیں مانتے الٹا اعراض کرتے ہیں اب ان کی حالت یہ ہے کہ گویا وہ جنگلی گدھے ہیں جو شیر کی صورت سے بدک کر بھاگ جاتے ہیں۔ (۷۴:۴۹-۵۱) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ قیامت میں کفار کا جو حال ہوگا وہ سن سن کر یہ کافر لوگ بجائے اس کے کہ ایسے شرکیہ امور سے باز آئیں اور توحید مان لیں یہ ضدی کافر آپس میں ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو اور جونہی یہ قرآن سنانے لگے تو اس کے بیچ بیچ میں پڑھتے وقت غل مچا دیا کرو۔ امید ہے کہ اس تدبیر سے تم مسلمانوں پر غالب آجاؤ گے۔ (۴۱:۲۶)

○ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت رسول اللہ ﷺ حکم ہوا کہ آپ ﷺ ان کافروں کو یوں کہیں کہ تم جو مجھے دیکھتے ہی بھاگتے ہو میں تم سے کچھ مانگتا تو نہیں ہوں۔ ہاں چونکہ بنی آدم سب ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں اس لیے میں اپنے گھر سے کھا کر محض اس رشتہ داری کا لحاظ کر کے اس تبلیغ کرنے میں میں تم پر احسان کرتا ہوں۔ اور میں تمھاری خیر خواہی اسی میں چاہتا ہوں' تاکہ تم ہلاکت سے بچ جاؤ۔

○ نیز یہ بات تو نہ تھی کہ انبیاء کرام علیہم السلام ان کفار کو صبح سے شام تک بٹھا کر سبق یاد کراتے رہتے۔ ان کا کام تو یہ تھا کہ بیٹھی ہوئی مجلس میں تشریف لے جا کر ان کے سامنے توحید کی تبلیغ کرتے۔ ایک دو آدمی مل جائیں تو ان کو بھی یہ مسئلہ

کماتے۔ باقی وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ یا کسی وقت حلال روزی کما لیتے۔

○ نیز آج کے دور کی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو غیر مسلموں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے ایسی یکسوئی کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی۔ اگر کفار کی طرف سے کوئی اعتراض ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً وحی آجاتی کہ آپ ﷺ ان کفار کے اس اعتراض کا جواب اس انداز میں دیں۔ اور بعض اعتراضوں کا جواب اپنی سمجھ اور خداداد فہم سے بھی دے دیتے۔ کفار کے جوابات کے لیے نہ ان کی کتابوں کی فراہمی کی ضرورت ہوتی نہ ان کے مطالعہ کی اور نہ ان کے جوابات سوچنے کے لیے محنت کرنی پڑتی۔ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی یہی حال تھا کہ ان کو صحبتِ نبویؐ کی برکت کے باعث ذہانت اور خداداد حافظہ جیسی نعمتیں حاصل تھیں۔ ان کو بھی کتبِ کفار کی فراہمی کی ضرورت نہ تھی۔ نہ ان کی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت، نہ ہی یکسوئی کی ضرورت، اور نہ ہی ان کفار کے زیادہ کچھ اعتراض تھے۔ چند محدود قسم کے سوال کرتے تھے جن کا جواب دینا ان کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ جیسا کہ آج کے دور میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مذہب ہیں۔ اور ہر مذہب کے اعتراض بھی مذہب اسلام پر بے شمار ہیں۔ اور وحی کا سلسلہ بند ہے۔ اور صحابہ کرامؓ جتنا نہ حافظہ نہ ذہانت۔ اس لیے ان حالات میں ان کے جوابات کے لیے وقت نہ نکالا جائے تو کفار سر چڑھ جائیں گے۔ اور کہیں گے کہ مسلمان لاجواب ہو گیا ہے۔

○ نیز انبیاء کرام علیہم السلام کی کفار کے ساتھ گفتگو صرف چند عقائد پر ہوتی تھی۔ یا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر اعتراض کرتے تھے۔ عبادات، معاملات، معاشرہ اور اخلاق پر بحثیں نہ ہوتی تھیں۔ اور آج کے دور میں بے شمار مسائل میں اعتراضات ہیں۔ فلاسفہ جو علم میں اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے ان کی کتابوں کے عربی میں تراجم کرنے کے بعد اعتراضات کی خلیج اور زیادہ وسیع ہو گئی۔ وہ قرآنی دلائل کو کیسے مانتے؟ جب سرے سے وہ قرآن و حدیث ہی کے منکر ہیں۔ اور مسلمان لوگ ان کی کتابوں کے تراجم کا مطالعہ کر کے گمراہ ہو گئے اور بیسیوں فرقے

بن گئے' وہ اگر قرآن مجید میں اس کا جواب پا بھی لیتے تو اس میں تحریف اور ہیرا پھیری کر کے اس کا مطلب کچھ کا کچھ بنا لیتے۔ جو مذہب اسلام کے خلاف ہوتا۔ اس لیے اس دور کے علمائے حق کو زیادہ سر دردی کرنی پڑتی ہے۔

پھر عقائد میں کئی اعتراض بڑھ گئے۔ اور قرآنی آیات میں تحریف کا دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ توحید باری تعالیٰ اور صفاتِ باری تعالیٰ اور ختم نبوت سے متعلق آیات میں تحریف کی گئی۔ اور ایمان بالملائکہ پر دلالت کرنے والی آیات میں تحریف کر کے جنات اور ملائکہ کے معنے ہی بدل دیے۔ اور جنات اور ملائکہ کے مخلوق ہونے کا انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ جبرائیل علیہ السلام کے وجود کا بھی انکار کر دیا گیا۔ جنت' دوزخ سے متعلق آیات میں ہیرا پھیری کر کے جنت دوزخ کے وجود کا ہی سرے سے انکار کر دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ ولادت کا انکار کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا قول کیا جانے لگا۔ احادیثِ نبویہ پر اعتراضات اور معجزات اور کرامات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کا بھی انکار کیا جانے لگا۔ اور یہ بھی کہا جانے لگا کہ آدم سے مراد خاص ہستی نہیں بلکہ نوعِ انسانی مراد ہے۔ اور تعلیم اسماء کے معنے میں ہیرا پھیری کی گئی۔ اور قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا مارنے سے قلزم سمندر کے پھٹنے اور اس میں خشک رستہ نکلنے کا انکار کیا جانے لگا۔ اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے نہ ہونے کی بحث چھیڑ دی گئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے منہ ہاتھ پاؤں ہونے نہ ہونے اور مستوی علی العرش ہونے کی بحث کی گئی۔ قیامت کے دن رویتِ باری تعالیٰ کا انکار کیا جانے لگا۔ شبِ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عنصری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا یا نہ۔ حسن قبح عقلی یا شرعی پر بحث چھیڑی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے جھوٹ اور ظلم پر قادر ہونے نہ ہونے اور بعثتِ انبیاء کے وجوب اور عدمِ وجوب' ایمان کے مرکب یا بسیط ہونے' ایمان میں کمی بیشی ہونے یا نہ ہونے' حشر و نشر کے روحانی یا جسمانی ہونے یا نہ ہونے' اور اعادہ معدوم کی بحثیں چھیڑی گئیں۔ اسی طرح منکر نکیر کے سوال' عذاب و تنعیم قبر' اور وزنِ اعمال کا انکار

کیا جانے لگا۔ پل صراط پر بحث۔ کل صحابہؓ کے عادل یا مسلمان ہونے پر بحث۔ صحت ایمان کے لیے دلیل کا معلوم کرنا ضروری ہے یا نہ۔ ایمان مخلوق ہے یا نہ۔ غافل بے ہوش اور سونے والا مومن ہے یا نہیں۔ نیک آدمیوں سے فرشتے افضل ہیں یا نہ۔ حدیث شرعی دلیل ہے یا نہ۔ اجماع امت حجت ہے یا نہ۔ نبیؐ کا میراث ہے یا نہ۔ خلیفۂ اول کون تھا۔ صحابہؓ کا باہم اختلاف اور نزاع۔

- نیز صحابۂ کرامؓ فصیح عرب تھے۔ ان کی قریشی زبان میں قرآن مجید اترا تھا۔ پھر ان کو یہ علم ہوتا تھا کہ یہ آیت کس موقع پر اتری ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا اشارہ کس امر کی طرف ہے۔ اگر ان بزرگوں کی تقریر نہ سنی ہو تو دوسرا آدمی صرف الفاظ سُن کر کچھ کا کچھ مطلب لے کر بھٹک جائے گا۔ اسی لیے صحابہؓ یا ان کے تلامذہ کے بعد آنے والے لوگوں کا فہم معتبر نہ ہوگا۔ اس لیے صحابہؓ اور ان کے تلامذہ کی بیان کی ہوئی تفسیر کا معلوم کرنا ضروری ہوگا۔ اور وہ کتب تفسیر کی فراہمی اور ان کے بغور مطالعہ کے بغیر نہیں ہوگا۔ ان کے لیے محنت اور یکسوئی کی اشد ضرورت ہے۔ تا کہ معلوم ہو کہ عام اپنے عموم پر ہے یا اس سے مراد خاص افراد ہیں۔ مطلق اپنے اطلاق پر قائم ہے یا کسی قوی قرینے کے ہوتے ہوئے مراد مقید ہے۔ بعض جگہ لفظ کا حقیقی معنی مراد ہوتا ہے اور بعض جگہ مجازی۔

- پھر یہ اس قدر وسیع کام ہے کہ تمام فتنوں کا جواب دینا ایک ہی جماعت کے بس کا کام نہیں۔ لہٰذا علماء نے کئی جماعتوں میں اس کام کو تقسیم کر دیا ہے۔ ہر فتنے کے لیے ایک جماعت کو ذمے دار ٹھہرایا۔ مثلاً:

- مرزائیوں کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے ایک جماعت ذمے دار ٹھہرائی گئی۔ جو ملک بھر میں بلکہ بیرونی ممالک میں دورے کر کے فتنہ بازوں کا سدّ باب کر رہی ہے۔ پھر ان میں بھی چار طریقوں پر کام تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ بعض علماء عوام کو آسان لفظوں میں تقریریں کر کے سمجھاتے ہیں۔ اور بعض ان کے ساتھ تقریری مناظرہ کرنے میں مصروف ہیں۔ اور بعض تصنیف و تالیف کے ذریعے فتنہ بازوں کے فریب

عقائد جرائد و رسائل کا جواب دیتے ہیں۔ اور بعض طالب العلموں کو تعلیم دیتے ہیں، جس میں ان کے اعتراضوں کے جوابات سکھاتے ہیں۔ تاکہ یہ سلسلہ ہمارے بعد بھی قائم رہے اور بند نہ ہو۔

- اسی طرح ناموسِ صحابہؓ کے تحفظ کے لیے روافض کے اعتراضات کے جواب دینے کے لیے ملک میں انہی چاروں طریقوں سے ایک جماعت سعیِ تام کر رہی ہے۔
- اور اسی طرح انہی چاروں طریقوں کے ذریعے ایک جماعت نیچریوں، منکرین حدیث، معتزلہ، اسماعیلیوں کی تردید کے لیے رات دن مصروف ہیں۔
- اسی طرح ایک جماعت یہود و نصاریٰ کے اعتراضات کے لیے انہی چار طریقوں سے جواب دینے میں مصروف ہیں۔
- اسی طرح ایک جماعت انہی چار طریقوں سے مشرکین کے اعتراضات کے جوابات کے لیے بڑی تندہی سے کام کر رہی ہے۔ اور رات دن اسی کام میں مگن ہے۔ اور جگہ جگہ قرآن مجید کے درس کا باقاعدہ اور منظم کام ہو رہا ہے۔
- اور ایک جماعت انہی چار طریقوں سے مبتدعین کے اعتراضوں کے جوابات کے لیے کام کر رہی ہے۔
- علیٰ ہذا القیاس احیائے دینِ اسلام کے لیے تمام جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ اور مانعین کے علی الرغم اسلام کا درد رکھنے والے مخیر حضرات محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی حلال کمائی سے ان جماعتوں کا بدستور تعاون کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے حلال مال میں برکات کثیرہ ڈالے۔ اللھم زد فزد۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے۔ جو جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ واللہ ذوالفضل العظیم
- پھر دین میں عقائد کی طرح عبادات، معاملات، معاشرہ اور اخلاق باطنہ کا سیکھنا اور ان پر عمل کرنا بھی ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور عبادات میں سرے کی عبادت نماز ہے۔ اور اس کی کئی شرطیں ہیں۔ نماز پڑھنے سے پہلے ان کا موجود ہونا ضروری ہے۔

① وضو، ② غسل،
③ تیمم، ④ مسح خفین،
⑤ کنوئیں کے مسائل، ⑥ استنجا کا طریقہ،
⑦ بیت الخلاء میں جانے کے مسائل، ⑧ کن کن پانیوں سے وضو جائز ہے۔
⑨ جھوٹا کس کس جانور کا پاک یا پلید یا مکروہ یا مشکوک ہے۔
⑩ حیض، استحاضہ اور نفاس کے مسائل۔

○ پھر ان مسائل کے دلائل قرآنیہ و حدیثیہ و فقہیہ اور مخالفین کے اعتراضوں کے تحریری و تقریری اعتراضوں کو دیکھ کر ان کے جوابات۔

نماز کے مسائل:

○ نماز کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، مفسدات، مکروہات تحریمی و تنزیہی، نماز کے اوقات، مکروہ و مستحبات، نماز کے فرائض، واجبات، سنتیں، نفل، جمعہ، عیدین، تہجد، استسقاء، کسوف، (سورج گہن) خسوف (چاند گہن) کی نماز کا طریقہ، نماز کے اوقات، نماز قضاء کا طریقہ، مریض کی نماز کا طریقہ، مسافر کی نماز، سجدہ سہو اور سجدہ تلاوت کے احکامات، تکبیرات تشریق کیا ہیں اور کب سے کب تک ہیں۔ جماعت ہو رہی ہو تو پیچھے سے آ کر ملنے والا مقتدی کیا کرے۔ اور تراویح کے احکامات۔ قراءت کون سے وقت فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب۔ امام کی اقتداء میں قراءت کرے یا نہ کرے۔ امام کون بنے میت کے احکام۔ کفن، دفن اور نماز جنازہ کے احکامات، نماز جنازہ میں کیا پڑھے۔ قبر میں میت رکھنے کا طریقہ۔ دفن کے بعد کیا کیا جائے۔ شہید کے احکامات۔ کعبہ میں نماز کا طریقہ وغیرہ اور ان مسائل میں علماء کے بے شمار اختلافات ہیں۔ جن کی تحقیق کے لیے چودہ صدیوں کے علماء کرام کے دلائل سامنے رکھ کر مطالعہ کر کے ان میں سے مفتی بہ مسلک معلوم کرنا۔

زکوٰۃ کے مسائل:

○ زکوٰۃ کس کس پر واجب ہے۔ اور کس پر نہیں۔ زکوٰۃ کا مال، زکوٰۃ کے مال کی مقدار

اور وقت، اور اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، بھیڑ، بکری، دمبی، گھوڑے، سونا، چاندی اور دیگر سامانِ تجارت، عشر، معدنیات، دفینے، کھیتی، پھل وغیرہ میں زکوٰۃ، مصارفِ زکوٰۃ، صدقۂ فطر، مقدارِ واجب اور وقت وغیرہ تمام امور کا سیکھنا اور سکھانا۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور ان میں سے راجح مسلک معلوم کرنا۔

روزہ کے مسائل :

○ روزہ کی اقسام، فرض، سنت، مستحب، روزہ کی قضاء، اور کفارہ، اعتکاف اور اس کی اقسام۔ اور ان کی جزئیات میں علماء کے اختلاف اور جواب معلوم کرنا۔

حج کے مسائل :

○ مواقیتِ حج، احرام، ارکانِ حج، واجباتِ حج، سننِ حج، مکروہات، وہ چیزیں جن سے حج ٹوٹ جاتا ہے۔ ٹوٹنے کے بعد حج کا پورا کرنا، اور دوسرے سال پھر حج کو آنا، تلبیہ کا وقت، قربانی کا وقت، ہدیہ کس کس پر واجب ہے۔ طواف کے اقسام اور اس کے احکام، وقوفِ عرفہ کے احکام، حج کے اقسام اور ان کے احکام، (افراد، قران، تمتع) حج میں جنایات کا بیان، حج میں وطی و دواعی وطی، احرام میں شکار کے مسائل، میقات سے بغیر احرام کے گزرنا، محصر (بیماری یا دشمن کے خوف سے جس محرم کو حج کے اعمال ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو) کے مسائل، حج فوت ہو جائے تو کیا کرے۔ کسی کی طرف سے حج کرنے کے احکامات۔ اور ان مسائل میں علماءِ مجتہدین کے اختلافات اور ان کے دلائل اور جوابات۔

نکاح کے مسائل :

○ نکاح کے ارکان اور شرائط، اور ان ان عورتوں کا بیان جن جن سے نکاح حرام یا جائز ہے۔ نکاح میں ولی کون کون ہو سکتا ہے۔ کفو و غیر کفو کا بیان، نکاح کا وکیل کون ہو۔ مہر کتنا ہو۔ کفار کے نکاح کے بارے احکامات۔ بیویوں کی باریاں۔ اور ان کے مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور جوابات۔

دودھ پلانے کے مسائل :

○ بچے کو کتنے عرصے تک دودھ پلانے کی اجازت ہے۔ کس صورت میں رضاعت ثابت ہوتی ہے اور کس صورت میں نہیں ہوتی۔ اور ان کے مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور جوابات۔

طلاق کے مسائل :

○ طلاق کی اقسام اور احکام، طلاق دینے کا طریقہ، طلاق دینے کا وقت، دخول سے پہلے اور دخول کے بعد طلاق دینا اور اس کا حکم، طلاق کا اختیار دینا بیوی کو یا وکیل بنانا، طلاق کے کلمات، کن کن کلمات کے کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ مریض کی طلاق۔ رجوع کے مسائل، خلع کے مسائل، ظہار کے مسائل، لعان کے مسائل، نامرد کے متعلق احکامات، عدت کے مسائل، سوگ کے مسائل، نسب ثابت ہونے یا نہ ہونے کے مسائل، بچے کی حضانت کون کون کرے، کب تک کرے، نفقہ کے مسائل، مطلقہ کا نفقہ، بیوہ کا نفقہ، چھوٹی اولاد کا نفقہ، جس پر نفقہ واجب ہے اور جس پر واجب نہیں۔ جس کا نفقہ واجب ہے اور جس کا نہیں۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور طرفین کے دلائل اور راجح مسلک۔

قسم کھانے کے مسائل :

○ قسم کھانے کے اقسام، الفاظ، اور کفارہ کا بیان۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور طرفین کے دلائل اور راجح مسلک۔

حدود شرعیہ کے مسائل :

○ حد کس کس پر لگتی ہے اور کس پر نہیں لگتی۔ کب لگتی ہے اور کب نہیں لگتی، زنا کی شہادت کا حکم اور گواہوں کی تعداد، شراب پینے کی حد، بہتان لگانے کی حد، چوری کی حد، ڈاکے کی حد، چور نے چوری کردہ چیز میں اگر تصرف کیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔ حد لگانے کا طریقہ۔ اور دور حاضر میں غیر مسلموں کی طرف سے اقامت حدود شرعیہ پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔

جہاد کے مسائل :

○ صلح کے احکام، امان کے احکام، جہاد سے پہلے تبلیغ کا طریقہ، جہاد کے بعد غنیمت کی تقسیم کا اسلامی طریقہ، غازیوں کو انعامات، اگر کفار کا غلبہ ہوجائے تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔ عشر، خراج اور جزیہ کے احکامات، ذمی کے متعلق احکامات۔ نصاریٰ بنی تغلب کا حکم، بیت المال کے مصارف، مرتدین کے احکامات، باغیوں کے احکامات، گری پڑی چیز کے احکامات، گم شدہ چیز کے احکامات۔ اور دورِ حاضر میں جہاد اور غلامی کے متعلق غیر مسلموں کی طرف سے کیے ہوئے اعتراضوں کے جوابات۔

شرکت کے مسائل :

○ شرکت کی اقسام اور اس کے احکامات، شرکتِ صحیحہ اور شرکتِ فاسدہ کی صورتیں اور یہ کہ شرکت کس صورت میں ختم ہوجاتی ہے۔

اوقاف کے مسائل :

○ مسجد کا وقف، سرائے کا وقف، جانوروں کا وقف، زمین کا وقف، اور ان کے احکامات۔ اور اس میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

خرید و فروخت کے مسائل :

○ خرید و فروخت کے ارکان، خیارِ شرط، خیارِ رؤیت، خیارِ عیب، خیارِ قبول، خیارِ نقد، خیارِ مجلس، خیارِ تعیین، خیارِ فسخ، خیارِ کشف، خیارِ رد، بیع باطل اور بیع فاسد اور بیع مکروہ کے احکامات، اقالہ، مرابحہ، تولیہ، مخاسرہ، ربوٰ کے احکامات، حقوقِ بیع، استحقاق، بیع فضولی، بیع صرف، بیع سلم وغیرہ۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

کفالہ اور حوالہ کے مسائل :

○ کفالہ بالنفس، کفالہ بالمال، ضمان، حوالہ وغیرہ۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

ادب القاضی کے مسائل :

○ حاکم، قاضی، اور حکم، کتاب القاضی الی القاضی اور اس کی شرائط، حبس کرنے کا حکم کس کو ہے اور کس کو نہیں۔

قضاء وافتاء کے مسائل :

○ مفتی اور قاضی کے بارے احکامات، اس کی ذمہ داریاں، فیصلے کرنے کے طریقے، معاملات کے بارے اور وراثت کے بارے میں اور دیگر امور ہیں۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

شہادت کے مسائل :

○ مقبول الشہادۃ کون اور مردود الشہادۃ کون ہے۔ شہادۃ علی الشہادۃ کے مسائل۔ رجوع عن الشہادۃ کے مسائل۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

وکالت کے مسائل :

○ وکیل کس کو کون بنا سکتا ہے۔ وکیل کو معزول کرنے کے بارے احکامات، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

مدعی کے مسائل :

○ مدعی کے دعوی کرنے کا طریقہ، مدعی کے ذمہ کون کون سے کام ہیں، مدعی علیہ کے اقرار کے بارے احکامات، مدعی علیہ کے ذمہ کیا چیز ہے۔ مدعی علیہ اپنی جگہ دوسرے کو قائم مقام بنانے کے بارے میں احکامات، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

مضاربت کے مسائل :

○ مضاربت کی اقسام، اور ان کے احکامات، مضارب کے لیے ہدایات، اور رب المال کے لیے ہدایات، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

ودیعت کے مسائل :

○ ودیعت اور امانت میں فرق، ودیعت کے احکامات، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

ہبہ کے مسائل :

○ ہبہ کس کس کو کیا جاسکتا ہے، اور ہبہ کے دیگر احکامات، ہبہ کر کے رجوع کرنے کا جواز و عدم جواز، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

اجارہ کے مسائل :

○ ٹھیکے اور مزدوری کے احکامات، مزدور کب مستحق ہے اپنی مزدوری کا، اجارہ صحیح اور اجارہ فاسدہ کے احکامات، اور مزدور کن کن صورتوں میں نقصان کا ضامن ہوتا ہے، اور کن میں نہیں۔ اور شرط پر اجارہ کرنا، اجارہ کا فسخ کرنا، اور مزدور رکھنے والا اور مزدور کے باہمی اختلاف کی صورت میں احکامات، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

حجر کے مسائل :

○ کن کن افراد پر کونسے حالات میں کونسی پابندیاں لگائی جاسکتی ہیں۔ اور بچے بالغ کی حد، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

غصب کے مسائل :

○ منقوم چیز کے غاصب اور غیر منقوم چیز کے غاصب کے احکامات، اور جو چیز غاصب کے فعل سے متغیر ہو جائے اس کا کیا حکم ہے۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

شفعہ کے مسائل :

○ شفعہ کے احکامات، شفع کون کون کرسکتا ہے، شفیع کتنے قسم ہیں، احق بالشفعہ کون ہے، اگر شفعاء کی تعداد زیادہ ہو تو ان کی تعداد کو دیکھا جائے گا یا ان کی املاک کو۔ شفعہ کے لیے تین طلبیں ضروری ہیں، اور ان کے شرائط، شفیع کو بیع کا علم ہونے کے بعد

کیا کرنا چاہیے، حق شفع کب باطل ہوتا ہے اور اس میں اختلاف، شفیع اور مشتری کے باہم داموں میں اختلاف کی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔ بائع کا قول کب معتبر ہے۔ شفعہ کن کن چیزوں میں جائز ہے اور کن کن چیزوں میں ناجائز ہے۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

قسمت کے مسائل:

○ کن کن چیزوں کی تقسیم اور کیسے کیسے کی جائے تقسیم کرنے والا کون ہو، اس کے لیے کیا کیا شرائط ہیں، تقسیم کرنے والے کی مزدوری کس کے ذمہ ہے۔ اجرت قسمت املاک کے اعتبار سے ہوگی یا تقسیم کروانے والوں کی تعداد کے لحاظ سے۔ وارث یا یتیم غائب ہونے کی صورت میں تقسیم کریں یا نہ۔ جو چیز تقسیم نہ ہو سکے اور ایک شریک حصہ کا مطالبہ کرے تو کیا حکم ہے؟ قاسم کو تقسیم کرنے کی ہدایت، راستہ اور پانی کی گزرگاہ کی تقسیم کا طریقہ، غیر ربوی اموال کی تقسیم میں کمی بیشی، نیچے کی منزل اور بالا خانہ کی تقسیم کا طریقہ، اگر کوئی کہہ دے کہ تقسیم غلط ہوئی ہے تو کیا کیا جائے۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

مزارعت کے مسائل:

○ مزارعت کے مسائل و احکام، مزارعت کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف، جواز کے شرائط، مزارعت کی مدت کا تقرر، مزارع کو پیداوار نہ ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے، مزارعت فاسدہ میں پیداوار کس کی ہوگی۔ پیداوار کی کٹائی اٹھائی، گہائی، اڑائی کے بارے احکام، مدت معاملہ کے دوران مزارع یا مالک مرجائے تو کیا کیا جائے۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

مساقاۃ کے مسائل:

○ درختوں کو پانی پلانے کی بابت احکام، کن کن درختوں میں مساقاۃ جائز ہے، مدت ختم ہو جائے اور پھل ابھی کچے ہیں تو کیا کیا جائے، "عقد مساقاۃ" کب فسخ ہو سکتی ہے، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

ذبح کے مسائل :

○ کس کی ذبیحہ حلال ہے اور کس کی حرام یا مکروہ، کون سا جانور حلال ہے اور کونسا حرام اور کونسا مکروہ، حلال جانور کے کونسے اجزاء مکروہ ہیں۔ ذبح کی شرائط، آداب اور طریقہ، ذبح کا آلہ کیسا ہو، شکار کرنے کا شرعی طریقہ اور اس کے شرائط، سمندری جانور کونسے حلال ہیں اور کونسے حرام، قربانی کے مسائل، قربانی کس پر واجب ہے؟ قربانی کے جانور کون کون سے ہیں ایک جانور میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں قربانی کا وقت، قربانی کا جانور کیسا ہو، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

اشیاء کے جائز یا ناجائز ہونے کے مسائل :

① کھانے کی چیزیں
② پینے کی چیزیں
③ کھانے پینے کے برتنوں کے احکام
④ حلال حرام میں کس کا قول معتبر ہوگا۔
⑤ لباس کے بارے میں کون سا لباس مردوں کے لیے جائز اور کونسا لباس عورتوں کے لیے۔ اور کونسا بچوں کے لیے۔

اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

نظر کے مسائل :

○ مرد کا اجنبی عورت کی طرف، اور عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا، کونسا حصہ مستور ہونا چاہیے، اور کس کس کے آگے۔ حاکم گواہ مدعی، اور مدعیٰ علیہ عورت کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بیماری کی جگہ طبیب دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ ختنہ کب کیا جائے۔ غیر محرموں سے پردہ، عورت کے کس کس عضو کا مس کرنا جائز ہے۔ عورت کس کے ساتھ سفر کر سکتی ہے؟ وغیرہ۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

بیع کے مسائل

○ کن کن چیزوں کا بیچنا حرام ہے' اور کن کن کا مکروہ' اور کن کن کا مباح' شراب' خنزیر وغیرہ کی خرید و فروخت مسلمان کے لیے اور غیر مسلموں کے لیے' ذخیرہ اندوزی کے مسائل' کس کس چیز کا ذخیرہ کرنا جائز ہے اور کس کس کا ذخیرہ ناجائز ہے؟ بادشاہ کو کنٹرول کرنے کا کب حکم ہے؟ کون کون سی کھیل جائز ہے اور کون کون سی حرام' خصی لوگوں سے خدمت لینا ناجائز ہے۔ اور جانوروں کا خصی کرنا اور گدھوں کو گھوڑیوں کے ساتھ جفتی کرانا جائز ہے یا ناجائز' کس کس کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے اور کس کس کا ناجائز' گم شدہ چیز کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ قاضی کو گزارے کا دینا جائز ہے۔

○ اسی طرح بیت المال میں سے جزیہ اور خراج میں سے دیا جائے پیشگی یا سال کے بعد' اور جب معزول ہو جائے تو اس کا دیا ہوا واپس لیا جائے یا نہ؟

احیاء الموات کے مسائل:

○ بنجر زمین کو آباد کرنے کے احکام' نہروں کی کھدائی کا احکامات' بنجر زمین میں کنواں کھودنا' کنواں اور نہر کے حریم کے احکامات' چشمے کے حریم کا حکم' دوسرے کے حریم میں کھدائی کرنا' کاریز کا حریم' درختوں کا حریم' کون کون سی بنجر زمین آباد کرنی جائز اور کون سی ناجائز؟ غیر کی زمین میں نہر کھودے تو اس کا حریم ہے یا نہیں۔

پانی کی باریوں کے مسائل:

○ سمندری پانی' ندیوں کا پانی' چھوٹی نہروں کا پانی' اور کھالوں کا پانی' اور جو پانی برتنوں میں رکھ دیا جائے۔ نہروں کی کھدائی کس پر ہے۔ وغیرہ۔

پینے کے مسائل:

○ کون سی پینے کی چیزیں حرام ہیں اور کون سی حلال اور جائز ہیں؟ اور نشہ آور چیز کو کسی طریقہ سے صاف کر دیا جائے جس سے اس کا نشہ ختم ہو جائے اس کا جواز یا عدم جواز؟ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

رھن کے مسائل :

○ رہن کے ارکان اور شرائط، کون کون سی چیزیں رہن رکھی جا سکتی ہیں؟ اور مرتہن کو مرہونہ چیز کے بارے احکامات، اور راہن کے لیے احکامات، اور مرہونہ چیز کا خرچ کس کس کے ذمہ ہے؟ مرہونہ چیز کسی عادل کے ہاتھ میں رکھی جائے اس کے احکامات، مرہونہ چیز میں تصرف کرنا اور اس میں کوئی زیادتی کرنا اور مرہونہ چیز کا کسی دوسری چیز پر زیادتی کرنا۔ اور اس کے احکامات، اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

جنایات کے مسائل :

○ قتل کی اقسام اور ان کے احکام، کن کن چیزوں میں قصاص واجب ہے اور کن کن چیزوں میں قصاص واجب نہیں ہے؟ قصاص لینے کا طریقہ، مسلمانوں پر تلوار سونتنے والے کے احکامات، مادون النفس چیزوں کا قصاص مثلاً ہاتھ پاؤں انگلیاں وغیرہ، جن اعضاء کے کاٹنے میں قصاص واقع نہیں ہوتا، قاتل اور مقتول کے وارثوں کے درمیان صلح ہو تو کیا کیا جائے؟ قتل کی شہادت،

دیت کے مسائل :

○ دیت کی اقسام و احکام، قتل خطاء کا کفارہ، دیت کب ثابت ہوتی ہے؟ مرد اور عورت کی دیت کے درمیان فرق۔ مسلمان اور ذمی کے درمیان فرق؟ کس کس عضو کی کتنی کتنی دیت ہے؟ مونچھیں کاٹنے کے احکام۔ سر کے دس مختلف قسم کے زخموں کا حکم۔ ضرب سے قوتیں بے حس ہو جانے کے احکام، دیت کتنے سالوں میں دی جائے، اور دیت کون دے گا۔ دیت ادا کرنے والے عاقلہ کون کون ہو سکتا ہے؟ اور دیت کے مختلف عاقلوں کے احکامات، اور تنخواہ دار ملازمین کے مال میں سے دیت کس طرح لی جائے گی۔ اور کتنے سالوں میں لی جائے گی؟ اگر عاقلہ کے افراد کم ہوں تو کیا کیا جائے؟ عاقلہ میں عورتیں اور بچے شامل نہیں اور ایک شہر سے دوسرے شہر کے لیے شرعی حکم۔ اور ان مسائل میں علماء کے اختلافات اور دلائل اور راجح مسلک۔

قسامہ کے مسائل

○ پردیس میں نامعلوم مقتول کے ہاتھوں قتل ہونے والے مقتول کے متعلق قسامہ اوراس کے احکامات،

وصیت کے مسائل :

○ وصیت کے جواز اور استحباب کا بیان اور وصیت کے رجوع کرنے کا حکم، اور وصیت کتنے مال میں سے کی جائے اور کب کی جائے؟ اور کس کو کی جائے؟ اور کتنی کی جائے؟

وراثت کے مسائل :

○ ترکہ کے متعلق حقوق تجہیز وتکفین و تدفین، دین اور وصیت کے متعلق احکامات، وراثت کے احکام، وراثت کے موانع، وراثت کے حق دار، ذوی الفروض، عصبات، ذوی الارحام، خنثیٰ، حمل، مفقود، مرتد، قیدی، اکٹھے مرنے والوں کے احکام، وہ حصے جو قرآن مجید میں مقرر ہیں۔ ان کا حساب لگانا، اقرب و ابعد کا لحاظ کرنا، عول کے مسائل، رد کے مسائل، محروم کے مسائل، محجوب کے مسائل، اور مناسخہ کے مسائل،

ناجائز تجاوزات کے احکام :

○ ناجائز تجاوزات اور راستے کی طرف بیت الخلاء بنانے کے متعلق احکام۔

غیر عاقل سے نقصان ہو جانے کے احکام

○ جانور کسی کا نقصان کر دے یا کوئی آدمی جانور کا نقصان کر دے اس کے احکامات۔ بچہ کسی کا نقصان کرے یا بچے کا کوئی نقصان کرے اس کے احکامات۔

○ پھر ان تمام مسائل میں بے شمار اختلافات ہیں ان میں سے حق کی تفتیش کے لیے وقت چاہیے۔ پھر ہمارے اسلام کے تمام شعبوں میں غیر مسلموں کا باہم اختلاف ہے۔ جن کے بارے غیر مسلم تحریراً تقریراً کتابوں، رسالوں، اور اخباروں میں بحث کرتے رہتے ہیں۔ جس سے عوام کو اسلامی امور سے بدظن کیا جاتا ہے۔ اور لوگ علماء سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ اور کہیں کہیں مذہب بھی بدل لیتے ہیں یا آزاد خیال ہو جاتے ہیں اور سرے سے مذہب کو چھوڑ ہی بیٹھتے ہیں۔ اگر پڑھنے

پڑھانے کا سلسلہ اور عوام میں تبلیغ کا شعبہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کیا جائے اور تصنیف و تالیف بند ہو، اور مناظرے بھی بند ہو جائیں تو غیر مسلم آسانی سے عوام کو اپنا بنالیں گے اور دین اسلام ختم ہو جائے گا۔ اور درس و تدریس، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، تصنیف و تالیف اور مناظرے بغیر علم کے نہیں ہو سکتے۔ اور جب علم سیکھنے والا کوشش کرے گا کہ میں سیکھوں تو کیسے سیکھے گا۔ عالم لوگ اپنی حلال روزی کی فکر میں کہیں سے کہیں مارے مارے پھریں گے۔ تو کوئی کسی کو کس طرح علم سکھائے گا۔ کیونکہ مانعین کے خیال میں دینی امور پر اجرت لینا مطلقاً حرام ہے۔ اس لیے اگر پڑھانے والے کو اجرت لینا حرام ہے۔ تو پڑھنے والے کے لیے دینی تعلیم پر بطورِ اجرت کسی نہ کسی طرح اپنے استاذ کی مالی خدمت کرنے کو بھی حرام کہنا چاہیے۔ کیونکہ جس طرح حرام کھانا حرام ہے اسی طرح حرام کھلانا بھی حرام ہے۔

دلیل مانعین ۲

○ مانعین اپنے موقف کی دلیل میں سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کے طوق سے تشبیہ دے کر تعلیم القرآن کی اجرت لینے سے منع فرمادیا تھا۔ سو اس کا:

جواب یہ ہے کہ سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ جو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں زندہ تھے۔ بہتر سال کی عمر پاکر ۳۴ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں جو حالات تھے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اور یہ بھی دیکھا کہ ان دونوں خلیفوں نے بِمَحْضَرٍ مِنَ الصحابۃ یعنی ہزاروں صحابۂ کی موجودگی میں ائمۂ صلوٰۃ و معلمین و مؤذنین و قضاۃ و ولاۃ کے وظیفے بیت المال میں سے مقرر کیے تھے۔ اور وہ خاموش رہے۔ اگر ان دونوں خلیفوں کا یہ رویہ غلط تھا تو حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ ایسی ہستی نہ تھی جو ایک حرام اور منکر کام دیکھ کر خاموش رہ جاتے۔

جوازِ اجرت پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع

○ عہدِ خلافت میں تعلیمِ قرآن پر باضابطہ طریقہ سے اجرت دینے کا یہ نظام دیکھ کر حضرت عبادہؓ کا خاموش رہنا' بلکہ تمام موجود صحابہؓ میں سے کسی ایک کا بھی اس پر آواز نہ اٹھانا' اس بات کی دلیل ہے کہ خلفاء کا یہ نظام صحیح ہے۔ اور اس پر صحابۂ کرامؓ کا اجماع سکوتی ہے۔ جو بمنزلہ حدیثِ مشہور کے ہے۔ اور اس خاموشی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو روایت بدری صحابی سیدنا عبادۃ بن الصامتؓ کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ غلط ہے۔ یا کم سے کم یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی راوی نے اسکا غلط مفہوم سمجھ لیا۔ جبکہ

فائدہ یہ ہے کہ : فہمِ راوی حجت نہیں ہوتا۔ لہٰذا مانعین کا اس حدیث کو دلیل میں پیش کرنا اصولی طور پر صحیح نہیں۔

○ صحابۂ کرام کے اجماعِ سکوتی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو حدیث حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی طائفی ابوعبداللہ متوفی ۵۱ھ کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ : "اذان پر اجرت لینا حرام ہے"۔ بلکہ یہ فرمایا کہ : "ایسا مؤذن رکھو جو اذان پر اجرت نہ لے"۔ اگر یہ حرمت کی دلیل ہوتی تو محدثین کے تین مسلک نہ بنتے۔ ① پہلا مسلک یہ ہے کہ اذان پر اجرت نہ لی جائے۔ ② دوسرا مسلک یہ ہے کہ اذان پر اجرت مکروہ ہے۔ ③ تیسرا مسلک جواز کا ہے۔

اجرتِ اذان کی دلیل

○ اجرتِ اذان کے جواز کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کے بعد ایک صرہ یعنی ہمیانی دی تھی جس میں چاندی تھی۔ (دیکھیے صحیح ابن حبان)

○ نیز جب عہدِ فاروقیؓ و عثمانیؓ و علویؓ و معاویہؓ میں مؤذنین کو وظیفے دیے جاتے تھے تو صحابیِ رسول حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے ان پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے۔ تو اجماعِ سکوتی ہو گیا۔

اجرت امامت کی دلیل

○ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد عرب لوگ اسلام قبول کرنے میں پہل کرنے لگے تھے۔ میرے والد نے بھی اسلام لانے میں میری قوم سے پہل کی۔ میرے والد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سے واپس گھر آئے تو کہنے لگے کہ واللہ! میں سچے نبی کے پاس سے ہو کر آیا ہوں۔ وہ نبی یہ فرماتے تھے کہ فلاں فلاں وقت میں فلاں فلاں نماز پڑھا کرو۔ سو جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہہ دیا کرے۔ پھر تم میں سے کوئی ایسا شخص امام بنے جسے قرآن مجید زیادہ آتا ہو۔ تو قبیلے والوں نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن مجید نہ آتا تھا۔ کیونکہ شتر سوار صحابہ کرام جو قرآن مجید پڑھتے ہوئے ہمارے پاس سے گزرتے تھے تو مجھے قرآن مجید کا کافی حصہ زبانی یاد ہو گیا تھا۔ گویا وہ میرے سینے میں جمع کر رہے تھے۔ اس لیے انھوں نے مجھے امام بنا دیا۔ اور میں اس وقت چھ سات سال کا تھا۔ اور مجھ پر ایک چھوٹی چادر تھی۔ اور جب میں سجدے میں جاتا تو پیچھے سے وہ چادر سکڑ جاتی۔ یہ دیکھ کر قبیلے کی ایک عورت کہنے لگی کہ اپنے قاری صاحب کا ستر تو ڈھکو۔ اس پر سب نمازیوں نے میری خاطر کپڑا خریدا اور اس کی قمیص بنادی۔ جس سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اس سے بڑھ کر کسی چیز سے مجھے خوشی نہیں ہوئی تھی۔ (بخاری صفحہ ٦١٦)

فائدہ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر نمازی امام کو ہدیہ دیں تو امام کو بلا تردد قبول کر لینا چاہیے۔

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا جواز

○ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بعض دیہاتیوں نے عرض کی کہ ہمارے ساتھ ستر قاری روانہ فرمائیں۔ ہم ان سے قرآن سیکھیں گے۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست پر ستر قاری صحابہؓ ان لوگوں کے ہمراہ روانہ فرما دیے۔

○ تاریخ اسلام کا یہ ایک دردناک واقعہ ہے۔ ان بدبخت لوگوں نے حضرت نبی کریم ﷺ کے فرستادہ ستر صحابہ قراء کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا تھا۔

فائدہ حضرت نبی کریم ﷺ نے پردیس جانے والے ان قاریوں کو ضرورت کے مطابق اپنے خورد و نوش، یا کسی قسم کا تجارتی سامان اپنے ہمراہ لے جانے کا مشورہ اسی وجہ سے نہیں دیا کہ ان کی ضروریات خورد و نوش وغیرہ کا انتظام حسب دستور لے جانے والوں ہی کے ذمے ہے۔

○ نیز اس حدیث سے واضح طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معلمین کو اپنے شاگردوں سے گزارے کے مطابق وظیفہ لینا جائز ہے۔

اجرتِ تعلیم سے ممانعت کی وجہ

○ جو حضرات تعلیم قرآن پر اجرت لینے سے منع کرتے ہیں ان کا مطلب یہ تھا کہ ممانعت اس شخص کے بارے میں ہے جو امیر گھرانے کا کھاتا پیتا ہو اس کے لیے منع یا مکروہ ہے۔ اور جو حضرات جوازِ اجرت کے قائل ہیں وہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو اپنی دلیل بناتے ہیں۔ اب اس اجماع سکوتی کو رد کرنا اور حرمت کا فتویٰ دینا مفتی کا کام نہیں ہے۔

ممانعتِ اجرت والی حدیثوں پر بحث

(۱) اجرت علی تعلیم القرآن کی حرمت پر جو حدیث مشہور بدری صحابی سیدنا عبادۃ بن صامت بن قیس انصاری خزرجی ابوالولید مدنی رضی اللہ عنہ کی طرف محض منسوب کی گئی ہے۔ اور مشکوٰۃ صفحہ ۲۵۸ بحوالہ سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۸۸ کتاب الطب و سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۵۷ پر درج ہے۔ اور یہی حدیث مانعین کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔

(۲) نیز ابن ماجہ صفحہ ۱۵۷ میں سیدنا ابی بن کعب سے بھی ایسی ہی حدیث مروی ہے۔

(۳) اور ایک حدیث حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کی گئی ہے۔ مگر یہ تینوں حدیثیں صحیح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان حدیثوں

میں سے ایک حدیث بھی اپنے استدلال میں پیش نہیں کی۔ جبکہ ان کا قانون ہے کہ قرآن و حدیث کو اجتہاد پر مقدم رکھتے ہیں۔ ان کے اس طرزِ استدلال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کو یہ حدیثیں بسندِ صحیح نہیں پہنچیں ورنہ حرمتِ اجرت علی تعلیم القرآن پر ان صریح حدیثوں کو ضرور پیش فرماتے۔

○ معلوم ہوا کہ سیدنا عبادۃ بن الصامت کے مروی حدیث مختلف فیہ ہے۔ گو اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ مگر اسود بن ثعلبہؓ ایسے راوی ہیں جن سے اس حدیث کے سوا کوئی حدیث محفوظ نہیں کی جاتی۔ اور یہ حدیث بھی طبقۂ ثانیہ کی کتب میں ہے۔

○ نیز امام فخر الدین سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۵۷ کے حاشیہ ۲ میں فرماتے ہیں کہ علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں تحریر فرمایا ہے کہ: "حرمتِ اجرت علی تعلیم القرآن والی حدیث کی مدار مغیرۃ بن زیاد پر ہے۔ جو عبادۃ بن نسی کے شاگرد ہیں۔ اور یہ حضرت عبادۃؓ حضرت اسود بن ثعلبہؓ کے شاگرد ہیں۔ جبکہ اسود غیر معروف ہیں۔ جیسا کہ علی بن مدینیؒ وغیرہ نے کہا ہے"۔ (دیکھیے تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۱۹۶)

○ نیز اسی کتاب میں انھوں نے تحریر فرمایا کہ: "مغیرہ بن زیاد مختلف فیہ ہے۔

○ امام احمدؒ نے اس کی حدیث کو منکر کہا ہے۔

○ اور ابو زرعہ نے کہا ہے کہ: "لایحتج بحدیثہ" اس کی حدیث کو دلیل میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

○ نیز محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اس میں کلام کیا ہے۔ البتہ:

○ ابو عبداللہ حاکم نے ایک جگہ اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ مگر دوسری جگہ عبادہ بن نسی سے موضوع حدیث بیان کی ہے۔ (دیکھیے تنقیح الرواۃ صفحہ ۱۹۶ جلد ۲)

○ نیز سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی یہی حدیث ایک اور طریق سے بھی مروی ہے۔ جس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہیں۔ اور وہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ اور اس کی روایت بھی منقطع ہے۔

- اور ابن ماجہ صفحہ ۱۵۷ میں حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی ایسی ہی حدیث مروی ہے۔ جس کے راوی ابوادریس خولانیؒ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ جس کے بارے میں تحریر فرمایا: "لا یعرف لابی ادریس الخولانی سماع من ابی"۔ یعنی ابوادریس خولانیؒ کا حضرت ابی ابن کعبؓ سے سماع معروف نہیں۔
- اور امام بیہقیؒ اور ابن حزمؒ اور رویانیؒ نے اس روایت کو منقطع کہا ہے
- اور حضرت اُبَیّ رضی اللہ عنہ کی دوسری سند میں عطیہ کلائی ہیں۔ اور یہ سند بھی منقطع ہے۔
- اور ایک روایت میں علی بن رباح ہیں۔ وہ بھی منقطع ہے۔ کیونکہ علی بن رباح نے حضرت اُبَیّ ابن کعبؓ کو پایا ہی نہیں۔
- نیز وہ روایت عبدالرحمن بن مسلم کی وجہ سے معلول ہے۔
- اور ان کے علاوہ یہ حدیث اور بھی طرق سے بھی مروی ہے۔ جن کے متعلق نقاد ماہر رجال یحییٰ بن القطانؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: "لا یثبت منہا شیٔ"۔ ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں۔
- اور بیہقیؒ اور ابونعیمؒ نے ابوالدرداءؓ سے بھی روایت بیان فرمائی ہے۔ اس کے اسناد میں بھی مقال ہے۔
- تنقیح الرواۃ میں ہے: "قال دحیم حدیث ابی الدرداء ھذا لیس لہ اصل"۔ حضرت دحیمؒ نے فرمایا کہ حضرت ابوالدرداءؓ کی اس حدیث کا کوئی اصل موجود نہیں۔
- ابن حزمؒ نے المحلیٰ میں ایک روایت بیان فرمائی ہے جس میں یحییٰ الولید ضعیف ہے۔
- اور ترمذی میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت موجود ہے۔ اس کے متعلق خود ترمذیؒ نے کہا ہے کہ: "لیس اسنادہ بذالک" اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

اجرتِ قراءت کا جواز

- نیز اس حدیث کے معارض ایک اور حدیث بھی موجود ہے۔ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بحوالہ صحیح بخاری، مشکوٰۃ شریف کے اسی صفحہ یعنی صفحہ ۱۵۸ پر مروی ہے کہ: "بچھو کے ڈنے ہوئے پر ایک صحابیؓ نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔ اور

اس کے عوض میں تیس بکریاں وصول کیں"۔ (ابوداؤد صفحہ ۱۸۸ و حاشیہ ۱۲)

- صحابۂ کرام نے اپنے فہم کے مطابق اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ تُو نے کتاب اللہ کے عوض مزدوری لی ہے۔ پھر مدینہ منورہ میں آ کر ان صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی کہ اس نے کتاب اللہ کے عوض مزدوری لی ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: "ان احق ما اخذتم علیہ اجراً کتاب اللہ"۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اس پر اجرت لو۔
- نیز فرمایا: "اصبتم"۔ یعنی تم نے اچھا کیا۔
- نیز فرمایا: "اقسموا و اضربوا لی معکم سھماً"۔ یعنی تم بکریاں آپس میں تقسیم کر لو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھنا۔
- اس کی شرح میں امام کبیر شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ جلد ۶ صفحہ ۱۵۸ پر تحریر فرماتے ہیں: "فانہ یدل علی جواز الاستیجار لقراءۃ القرآن و الرقیۃ بہ و جواز اخذ الاجرۃ علیہ"۔ یعنی یہ حدیث پاک دلیل ہے اس بات کی کہ قرآن پاک پڑھنے کے لیے کسی کو مزدور رکھنا اور قرآن مجید میں سے پڑھ پڑھ کر دم کرنا جائز ہے اور اس پر اجرت لینا بھی جائز ہے۔
- پھر تحریر فرمایا کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے: "ان احق ما اخذتم علیہ اجراً کتاب اللہ"۔ اس بات کی دلیل ہے کہ تعلیم قرآن پر بھی اجرت لینا جائز ہے۔ پھر اس حدیث کو حل کیا جو سوال میں درج ہے۔
- صفحہ ۱۵۹ میں ہے: "انہ کان متبرعاً بالتعلیم ناویا للاحتساب فیہ فکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یضیع اجرہ و یبطل حسنتہ بما یاخذہ ھدیۃ فحذرہ منہ و ذٰلک لا یمنع ان یقصد بہ الاجرۃ ابتداءً و یشترط علیہ کما ان من رد ضالۃ انسان احتساباً لم یکن لہ ان یاخذ اجراً و لو شرط علیہ اول الامر اجرا جاز"۔ کہ وہ قرآن پڑھانے والا محض ثواب کی نیت سے قرآن پڑھا رہا تھا۔

پھر جب طالب العلم نے خوشی سے کمان پیش کی تو ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کمان کوئی اتنی قیمتی چیز تو نہیں مگر میں اس سے جہاد میں کام لوں گا۔ تب حضور ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ اس کا اجر ضائع ہو جائے اور ہدیہ لینے کی وجہ سے اس کی نیکی برباد ہو جائے۔ اس لیے اس سے روک دیا۔ اور یہ حدیث اس چیز کو مانع نہیں ہے کہ ابتداء ہی سے کوئی شخص شرط لگا کر اجرت پر قرآن مجید پڑھانے کا قصد کرے۔ اور اس کی ایسی مثال ہے جیسا کہ کسی انسان کی گم شدہ چیز موجب ثواب سمجھ کر واپس کر دے اب اس کو اجرت لینا جائز نہیں۔ لیکن اگر شروع ہی سے اس نے یہ شرط لگا دی ہو کہ میں گم شدہ چیز کو واپس کر دینے کی اجرت لوں گا تب اس کو اجرت لینا جائز ہے۔

کیا جواز اجرت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے؟

○ شروع میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ اجرت علی تعلیم القرآن کے جواز و عدم جواز کے متعلق سلف صالحین میں اختلاف رہا ہے۔ مگر ان کے بعد ایک دور آیا جس میں قائلین حرمت اپنا موقف چھوڑ کر قائلین حلت کے ہم خیال ہو گئے۔ اور جواز کا فتویٰ دینے لگے۔ اس مقام پر دو قاعدے یاد رکھیں:

قاعدہ "خلاف المتأخرين لا يعتبر بعد اجماع السلف"۔ یعنی "سلف صالحین میں جس مسئلہ پر اجماع ہو جائے ان کے بعد والے لوگوں کا اختلاف غیر معتبر ہے"۔

(دیکھیے: ہدایہ شریف حاشیہ صفحہ ۲۰ بحوالہ فتح القدیر) نیز:

قاعدہ ہے کہ: "متأخرین کا اجماع متقدمین کے اختلاف کو ختم کر دیتا ہے"۔

(ہدایہ صفحہ ۹۵ حاشیہ ۲۸)

○ فتاویٰ غرائب قلمی ورق ۲۱۰ صفحہ ۲ پر بھی اسی طرح لکھا ہے۔

○ اس قاعدہ کے تحت اس مسئلہ میں سلف صالحین میں اختلاف تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ مگر متأخرین میں سے تمام فقہاء امت جواز کے قائل ہیں۔ کیونکہ ان کے پیش نظر خلفاء راشدین کا عمل اور حالات زمانہ کی تبدیلی ہے۔ چنانچہ:

خلفاء راشدینؓ کا عمل

① سیرۃ العمرین للامام ابی الفرج عبد الرحمن بن جوزی حنبلی صفحہ ۱۹۵ میں ہے: "ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کانا یرزقان المؤذنین و الائمۃ و المعلمین"۔ یعنی حضرت عمرؓ بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما مؤذنوں، اماموں اور معلموں کو بیت المال میں سے گزارے کے مطابق رقم دیا کرتے تھے۔

○ نیز اس کتاب میں فہرست ملاحظہ فرمائیں کہ کس کس فقیہ کو کس کس شہر میں تعلیم فقہ (دین کی سمجھ) پر مامور کیا گیا ہے۔ (دیکھیے صفحہ ۱۶۸)

② کتاب الاموال للامام ابی عبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ صفحہ ۲۶۱ و ۲۶۲ میں تحریر فرمایا: "ان عمر بن الخطاب کتب الی بعض عمالہ ان اعط الناس علی تعلیم القرآن"۔ یعنی حضرت عمر الخطاب رضی اللہ عنہ نے بعض گورنروں کو خطوط لکھے کہ تعلیم القرآن پر معلمین کو ان کے گزارے کا خرچ دیا کرو۔

③ اور یہی بات امام زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ جلد ۴ صفحہ ۱۳۷ میں تحریر فرمائی ہے۔

④ نظام العالم و الامم جلد ۲ صفحہ ۱۸۳ میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کے لیے تنخواہیں مقرر کی تھیں۔

⑤ حاشیہ شرح وقایہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۲ میں ہے: "روی ان ابابکرؓ کان یاخذ من بیت المال فی زمان الخلافۃ کل یوم درھمین ...... روی ان علیاؓ کان یاخذ کفایۃ اھلہ، و یجب الیوم علی الناس ان یعطوا کفایۃ القضاۃ و المحتسبین و طلبۃ العلم و کل من یتفرغ لھم فی الدین لانھم انقطع عنھم حقوقھم من بیت المال فلو اشتغلوا بالکسب لم یتفرغوا لتعلیم الناس و یفسد علیھم باب تحصیل العلوم الدینیۃ و ینفتح باب الحرمان علی العامۃ عن نقضھم و یظھر الجھل بین الناس"۔ یعنی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زمانۂ خلافت میں بیت المال میں سے روزانہ دو درہم لیتے

تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مروی ہے کہ حضرت علیؓ بھی اپنے گھر کے گزارہ کی مقدار بیت المال میں سے لیتے تھے۔ اور آج تو لوگوں پر فرض ہے کہ قاضیوں، نہی عن المنکر کرنے والوں، طالب العلموں اور ہر اس شخص کو جو دین کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں ان کے گزارے کی مقدار ان کو دیا کریں۔ کیونکہ ان کے حقوق آج کے دور میں بیت المال میں سے منقطع ہو چکے ہیں۔ اب اگر وہ کمانے میں لگ جائیں تو لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے وقت نہیں نکال سکتے اور علوم دینیہ کی تحصیل کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور عوام پر علم دین سے محرومی کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور لوگوں میں جہالت غالب ہو جائے گی۔

○ انہی باتوں کو مدنظر رکھ کر متاخرین حنفیہ نے بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔ جیسا کہ :

اجرتِ تعلیم پر جواز کے فتوے

۱ ہدایہ اخیرین صفحہ ۲۸۷ میں ہے : "و بعض مشایخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لظهور التوانی فی الامور الدینیة ففی الامتناع یضیع حفظ القرآن و علیه الفتویٰ"۔ یعنی ہمارے بعض مشائخ نے آج کے دور میں تعلیم قرآن مجید پر اجرت لینے کو مستحسن قرار دیا ہے۔ کیونکہ دینی امور میں سستی عام ہو گئی ہے۔ اس لیے تعلیم قرآن مجید پر اجرت نہ لینے کی صورت میں قرآن مجید کی حفاظت ضائع ہو جائے گی۔ اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

۲ الدرالمختار علی ہامش ردالمختار جلد ۵ صفحہ ۳۸ میں ہے : "و یفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن و الفقه و الامامة و الاذان"۔ یعنی آج کے دور میں قرآن مجید کی تعلیم کے لیے اور فقہ کی تعلیم کے لیے اور امامت اور اذان کے لیے اجرت کی صحت کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

۳ البحر الرائق جلد ۸ صفحہ ۱۹ میں بھی یہی عبارت موجود ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ زمانہ کے حالات کو دیکھ کر حکم بدل جاتا ہے۔

۴ نیز علامہ محمود عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بنایہ جلد ۳ صفحہ ۲۵۴ میں بالکل اسی طرح تحریر فرمایا۔

○ نیز آپؒ نے تحریر فرمایا: "ذکر السرخسی مشائخ بلخ اختاروا قول اهل المدینة فی جواز استیجار المعلم علی تعلیم القرآن فنحن ایضاً نفتی بالجواز". (بنایہ صفحہ ۶۵۵) یعنی امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ بلخ کے مشائخ نے مدینہ والوں کا قول پسند فرمایا ہے کہ تعلیم قرآن مجید پر معلم کو گزارے کا دینا جائز ہے۔ اس لیے ہم بھی جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔

۵ ہدایہ کے حاشیہ کفایہ میں حاشیہ ۱۲ میں تحریر فرمایا ہے: "فان المتقدمین من اصحابنا بنوا جوابهم علی ما شاهدوا فی عصرهم من رغبة الناس فی التعلیم بطریق الحسبة و مروة المتعلمین فی مجازاة الاحسان بالاحسان من غیر شرط و اما فی زماننا فقد انعدم المعنیان جمیعاً"۔ یعنی ہمارے متقدمین اساتذہ نے اپنے زمانہ میں جو مشاہدہ فرمایا تھا" اسی پر اپنے جواب کی بنیاد رکھی۔ کیونکہ انھوں نے مشاہدہ فرمایا تھا کہ پہلے دور میں تعلیم قرآن مجید میں ثواب کے طریقہ پر لوگوں کی رغبت اور محبت تھی۔ اور سیکھنے والے بھی مروۃ سمجھتے تھے کہ بغیر کسی شرط لگانے کے احسان کا بدلہ احسان کرتے ہوئے اپنے اساتذہ کے ساتھ مالی تعاون کرتے تھے۔ لیکن ہمارے اس زمانہ میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔

۶ فتح القدیر کے ہامش پر عنایہ جلد ۷ صفحہ ۱۸۰ میں ہے: "قال الامام الخیزاخزی فی زماننا یجوز للامام والمؤذن والمعلم اخذ الاجرة کذا فی الروضة و ذکره فی الذخیرة"۔ یعنی امام خیزاخزی نے فرمایا ہے کہ امام" مؤذن اور معلم کو گزارہ لینا ہمارے زمانہ میں جائز ہے۔

۷ نیز فرمایا کہ اسی طرح روضہ میں مذکور ہے۔

۸ نیز فرمایا کہ ذخیرہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

۹ شرح وقایہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۲ کے حاشیہ میں لکھا ہے: "واما المعلم فی زماننا یاخذ اجر یومه و امتثال الامر و لذا لا ینقسم الاجر علی الاسباق بل علی الایام"۔ یعنی ہمارے زمانہ میں معلم اپنا یومیہ اجرت لے سکتا ہے۔ حکم ماننے ہوئے۔

اور اسی واسطے اجرتوں کے لحاظ سے تقسیم ہوتا ہے اسباق کی مقدار پر نہیں۔

۱۰ عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۴۷۲ طبع ہند باب ۱۶ میں تحریر فرمایا: "فی الاصل لا یجوز الاستیجار علی الطاعات کتعلیم القرآن و الفقه و الاذان و التذکیر و التدریس والحج والعمرۃ والغزو ولا یجب الاجر کذا فی الخلاصۃ جلد ۳ صفحہ ۱۱۳ ..... و مشایخ بلخ جوّزوا الاستیجار علی تعلیم القرآن اذا ضرب لذلک مدۃ و افتوا بوجوب المسمّٰی"۔ یعنی امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مبسوط (الاصل) میں تحریر فرمایا ہے کہ عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں۔ جیسے قرآن مجید اور فقہ کی تعلیم اور اذان اور وعظ و نصیحت اور درس و تدریس اور حج اور عمرہ و کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور ایسے امور پر اجرت دینا بھی واجب نہیں۔ جیسا کہ خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۳ صفحہ ۱۱۳ میں مذکور ہے۔ ..... اور بلخ کے مشایخ نے تعلیم قرآن مجید پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے۔ بشرطیکہ اس کی مدت مقرر کی جائے۔ اور ان مشایخ نے مقرر کردہ اجرت کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

۱۱ فتاویٰ بزازیہ جلد ۵ صفحہ ۳۸ میں ہے: "قال محمد بن الفضل کرہ المتقدمون الاستیجار لتعلیم القرآن و کرھوا اخذ الاجرۃ علیه لوجود العطیۃ من بیت المال مع الرغبۃ فی امور الدین و فی زماننا انقطعت فلو اشتغلوا بالتعلیم بلا اجر مع الحاجۃ الی معاش لضاعوا و تعطلت المصالح فقلنا بما قالوا"۔ یعنی محمد بن فضل نے فرمایا ہے کہ متقدمین نے قرآن مجید پڑھانے پر نوکر رکھنے کو مکروہ کہا ہے اور اجرت لینے کو مکروہ سمجھا ہے۔ کیونکہ ایک تو بیت المال میں سے ان کو وظیفہ مل جاتا تھا دوسری یہ کہ دینی امور کے پڑھنے پڑھانے میں لوگوں کو رغبت اور شوق ہوتا تھا۔ اور ہمارے زمانہ میں یہ سب باتیں ختم ہو چکی ہیں۔ اب اگر پڑھانے والے بغیر اجرت کے پڑھانے میں لگے رہیں باوجودیکہ ان کو معاش کی بھی ضرورت ہے تو وہ یہ کام نہ کر سکیں گے۔ اور مصالح بے کار ہو جائیں گے۔ اس لیے ہم نے ان کے جواز کا فتویٰ دیا۔

۱۲ خلاصۃ الفتاوٰی جلد ۳ صفحہ ۱۱۳ میں ہے : "و عند اهل المدينة يجوز و به اخذ الشافعي و نصير و عصام و ابو نصر و الفقيه ابو الليث .... قال في المحيط و عليه فتوى مشائخ بلخ. قال الامام الفضلي اصحابنا المتاخرون يجيزون ذلك و يقولون يجبر على دفع الاجرة و يحبس بها و به يفتي مشائخ بلخ افتوا بوجوب المسمى عند ذكر المدة و بوجوب اجر المثل عند عدم ذكر المدة". یعنی مدینہ طیبہ کے رہنے والے علمائے کرام کے نزدیک قرآن مجید پڑھانے پر اجرت لینا جائز ہے۔ اور اسی چیز کو امام شافعی اور نصیر اور عصام اور ابو نصر اور فقیہ ابو اللیث نے لیا ہے۔ محیط میں لکھا ہے کہ مشائخ بلخ کا بھی اسی پر فتویٰ ہے۔ اور امام فضلیؒ نے کہا ہے کہ ہمارے متاخرین اصحاب (حنفیہ) بھی جائز کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قرآن مجید پڑھوانے والے کو مجبور کیا جائے کہ معلم کو اجرت دے۔ اور مشائخ بلخ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ اگر مدت ذکر کی جائے تو مقرر اجرت دینا واجب ہے۔ اور اگر مدت ذکر نہیں کی گئی تو اجر مثل دینا واجب ہے۔

۱۳ شرح الیاس صفحہ ۲۶ میں ہے : "و يفتي اليوم بصحتها لان المنع في ذلك الزمان لرغبة الناس في التعليم حسبة لله و مروة المتعلمين في مجازات الاحسان بالاحسان بلا شرط و في زماننا قد زال المعنيان ففي الامتناع عنه تضييع لهذه الامور". یعنی آج کے دور میں قرآن مجید پڑھانے پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ منع اس دور میں تھا جب لوگوں میں قرآن مجید محض ثواب حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو پڑھانے کی شوق موجود تھی۔ اور تعلیم حاصل کرنے والے بغیر شرط کے احسان کے بدلے احسان کرنے کو مروۃ (اچھا) سمجھتے تھے۔ اور ہمارے زمانے میں یہ دونوں باتیں اٹھ گئی ہیں۔ اس لیے تعلیم قرآن مجید پر اجرت کو منع کرنے کی صورت میں ان چیزوں کا ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ اور دین اٹھ جانے کا شدید خطرہ ہے۔

۱۴ شرح العقیدۃ الطحاویۃ صفحہ ۳۸۶

۱۵ فتاوی قاضی خان صفحہ ۱۹۱ (کتاب الاجارات) میں ہے: "قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل انما کرہ المتقدمون الاستیجار لتعلیم القرآن وکرھوا اخذ الاجر علی ذلك لانہ کان للمعلمین عطیات فی بیت المال فی ذلك الزمان وکان لھم زیادۃ رغبۃ فی امر الدین واقامۃ الحسبۃ۔ وفی زماننا انقطعت عطایاھم وانتقصت رغائب الناس فی امر الأخرۃ فلو اشتغلوا بالتعلیم ...." یعنی شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متقدمین علماء (حنفیہ) نے قرآن مجید کی تعلیم کے لیے کسی حافظ یا قاری کو اجرت پر رکھنا مکروہ قرار دیا ہے۔ اور تعلیم قرآن مجید پر مزدوری لینے کو بھی مکروہ کہا ہے۔ یعنی رکھنا بھی مکروہ اور اس کو یہ نوکری کرنا بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید پڑھانے والوں کو بیت المال میں سے اس دور میں عطیات دیے جاتے تھے۔ اور ساتھ ہی ان کو دینی امور میں مشغول رہنے کی زیادہ رغبت تھی۔ اور ان میں ثواب حاصل کرنے کا شوق موجود تھا۔ اور ہمارے زمانہ میں بیت المال کے عطیات ختم ہو چکے ہیں۔ اور آخرت کے کاموں میں لوگوں کی رغبت کم ہو گئی ہے۔ اس لیے اگر حافظ و قاری صاحبان تعلیم قرآن مجید میں لگے رہیں تو.......

۱۶ کنز الدقائق تقطیع کلاں صفحہ ۳۶۴ میں ہے: "والفتوی الیوم علی جواز الاستیجار لتعلیم القرآن"۔ یعنی اس دور میں فتویٰ اسی بات پر ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم دلانے کے لیے کسی صاحب قرآن کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔

۱۷ فتاوی النوازل صفحہ ۴۲۹ میں ہے: "عند ابی حنیفۃ الاستیجار علی الطاعۃ لا یجوز خلافا للشافعی کالاستیجار علی الاذان وتعلیم القرآن والفقہ والاصل فیہ ان کل طاعۃ یختص بھا المسلم لا یجوز الاستیجار علیہ وبعضھم استحسنوا ھذا فی ھذا الزمان لظھور التھاون فی الامور الدینیۃ وعلیہ الفتویٰ"۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طاعت پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ اور امام شافعی کا اس بات میں اختلاف ہے۔ جیسے اذان اور تعلیم قرآن مجید اور

فقہ کی تعلیم پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایسی طاعت جو مسلمان کے ساتھ مخصوص ہے اس پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ مگر بعض علماء نے اس زمانہ میں تعلیم قرآن و فقہ اور اذان پر اجرت لینے کو مستحسن فرمایا ہے۔ کیونکہ دینی امور میں سستی عام ہو گئی ہے۔ اور فتویٰ اسی جواز پر ہے۔

۱۸ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر فتح العزیز پارہ ۱ صفحہ ۱۸۳ میں تحریر فرمایا ہے: "تحقیق آن ست کہ در زمان سابق ائمہ و خطباء و مؤذنین حسبۃً للہ باین اعمال مشغول می گشتند چنانچہ قاضیان و مفتیان و محتسبان و تحصیل کنندگان خراج و عشر و زکوٰۃ نیز بہ ہمیں نیت خالصہ باین اعمال مشغول می گشتند و چوں خلفاء راشدینؓ و سلاطینؒ عادلین دیدند کہ این جماعت خود را مشغول بہ اقامت این عبادات ساختہ اند برائے معاش آنہا از مال مسلمین امدادے مقرر کردند نہ بنا بر اجرت بلکہ بنا بر اعانت۔ رفتہ رفتہ این صیغہ با صیغۂ معاش شدہ اجورہ قرار گرفت ـــــــ" یعنی پہلے وقتوں میں امام خطیب مؤذن ثواب سمجھ کر ان کاموں میں لگے رہتے تھے۔ خلفاء راشدینؓ عادل سلاطینؒ نے ان کو ان عبادات میں مصروف سمجھ کر ان کی معاش کے لیے مسلمین کے مال میں سے بطور امداد کے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ نہ کہ بطور اجرت کے بلکہ یہ بطور اعانت کے تھا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ کام ذریعۂ معاش بن کر رہ گئے۔

○ اس کے بعد فرماتے ہیں: "و عبادات کہ بسبب تعین مدت یا تخصیص مکان مباح می شوند۔ نیز بر آنہا اجرت گرفتن جائز است مثل تعلیم قرآن بطفل کے در خانۂ او از صبح تا شام کہ باین خصوصیت و قیود ہرگز عبادت نیست"۔ یعنی مدت مقررہ اور خاص جگہ ہونے کی وجہ سے عبادات مباح ہو جاتی ہیں۔ پھر ان پر اجرت لینا بھی جائز ہوتا ہے۔ مثلاً کسی کے بچے کو اس کے گھر میں جا کر صبح سے شام تک قرآن مجید کی تعلیم دینا (اس پر اجرت لینا جائز ہے) کیونکہ یہ خصوصیت اور یہ قیدیں ہرگز عبادت نہیں ہیں۔

۱۹ حضرت مولانا محمد عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی نے مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۳ صفحہ ۱۳۶ میں:

سوال " تعلیم قرآن اور اذان اور امامت کی نوکری کرنا جو طاعات میں داخل ہیں جائز ہے یا نہیں"؟ کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

جواب "متقدمین نے طاعات پر اجرت لینے کو ناجائز لکھا ہے۔ اور متاخرین نے اقامت امر دین میں کسل اور سستی کے رواج پا جانے کی وجہ سے اس اجرت کے لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور بعض متاخرین نے یوں تطبیق کی ہے کہ نفس تعلیم قرآن اور اذان واقامت اور امامت پر بے تعیین مکان وزمان نوکری کرنا جائز نہیں ہے۔ اور کسی کے گھر پر جانا اور صبح سے شام تک وہاں بیٹھنا اور اس کے بچوں کو پڑھانا ایسا امر ہے جس پر اجارہ منعقد ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح مسجد کی تعیین اور پنجوقتہ امامت یا اذان کے لیے وہاں حاضر رہنے کی قید بھی ایسا امر ہے جس پر اجارہ منعقد ہو سکتا ہے"۔

۲۰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات جلد ۲ صفحہ ۲۰۸ مطبع مصطفائی میں تحریر فرمایا ہے: "ومتاخرین تعلیم وکتابت آنرا بران نیز قیاس کردہ اند وقوم بران رفتہ اند کہ اخذ اجرت بر تعلیم قرآن حرام است۔ ومتاخرین آنرا تجویز کردہ اند" یعنی متاخرین علماء (حنفیہ) قرآن مجید کی تعلیم اور اس کی کتابت کو رقیہ پر قیاس کرتے ہوئے اجرت لینی جائز سمجھتے ہیں۔ اور ایک قوم تعلیم قرآن مجید پر اجرت لینے کو حرام کہتی ہے۔ اور متاخرین اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

۲۱ مواہب الرحمن جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ میں سید امیر علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اجرت لے کر علم دین پڑھانے کے متعلق شیخ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ:
"یہاں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس شخص پر یہ تعلیم متعین ہو جائے مثلاً شہر میں دوسرا شخص موجود نہیں۔ تو ایسی صورت میں اجرت لینا جائز نہیں۔ ہاں اگر بیت المال سے اس قدر لے لے جو اس کے اہل وعیال کے واسطے کفایت کرے تو جائز ہے"۔
"اور جاننا چاہیے کہ جو شخص تعلیم کرنے میں اپنی کمائی سے منقطع ہو جاتا ہے تو اس پر

پڑھانا متعین نہ ہوگا۔ اور ایسی صورت میں اس کو اجرت لینا بھی جائز ہے۔ یہ امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور جمہور علماء کا قول ہے۔ بدلیل حدیث: "ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ کما فی البخاری۔۔۔" "امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دینی تعلیم اور دینی فعل اذان وغیرہ پر اجرت لینا جائز نہیں ہے بدلیل حدیث اُبَیّ بن کعبؓ و عبادۃ بن الصامتؓ کہ انھوں نے اہلِ صفہ میں سے ایک شخص کو کچھ قرآن پڑھایا تھا۔ اس پر اُس نے ان کو ایک کمان بھیجی پس انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تجھے پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو آگ کی کمان کا طوق پہنائے تو اس کو قبول کر لے پس انھوں نے واپس کر دی"۔ (رواہ ابوداؤد)

فائدہ حضرت مولانا سید امیر علی ملیح آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ بات محلِ نظر ہے۔ کیونکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول پر حدیث سے استدلال نہیں فرمایا۔

○ نیز مولانا سید امیر علی ملیح آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مواہب الرحمٰن جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ میں تحریر فرمایا: "شیخ ابو عمرو بن عبدالبر وغیرہ علماء کثیرؒ نے اس حدیث کو محمول کیا کہ جب پہلے اللہ تعالیٰ کے واسطے پڑھایا تو بعد اس کے جائز نہ ہوا کہ ثواب کے بدلے یہ قوس (کمان) لے لی جائے۔ ہاں اگر ابتداء سے اجرت ٹھہرالی ہو تو صحیح ہے۔ کیونکہ اس میں بقدر اجرت کے ثواب میں کمی ہوگی"۔

۲۲ جامع ترمذی کی تقریر الکوکب الدری جلد ۱ صفحہ ۱۱۳ میں فقیہ الوقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا: "و منعہ المتقدمون من علمائنا ذھابا الی امثال ھذہ الروایات و جوزہ المتأخرون منھم ضرورۃ فیجوز اخذ الاجرۃ علی تعلیم القراٰن والوعظ والتاذین ولا یجوز فی قراءۃ القراٰن فی التراویح و علی القبور لعدم الضرورۃ فیھما لاجزاء امامۃ غیر الحافظ فیصلی بھم من لا بأخذ الاجر بسور قصار بحفظھا"۔ یعنی طاعات پر اجرت لینے سے ہمارے حنفیہ علمائے متقدمین نے ان روایات کو دیکھ کر منع فرمایا ہے۔ لیکن متأخرین فقہائے حنفیہ نے ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا ہے۔ اس لیے تعلیم

قرآن مجید پر اور وعظ و نصیحت اور اذان کہنے پر اجرت لینا جائز قرار دیا ہے۔ اور اجرت لے کر تراویح میں قرآن مجید پڑھنا اور قبور پر پڑھنا ناجائز ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ غیر حافظ بھی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر تراویح پڑھا سکتا ہے۔ جس پر وہ اجرت نہ لے۔ اور قبور پر پڑھنا شرعاً ممنوع ہے۔

۲۳ حضرت مولانا نواب قطب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے استاذ حضرت شاہ اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر بیان فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ: "حضرت ابوسعید خدریؓ نے ایک بچھو کے کاٹے ہوئے یا سانپ کے ڈسے ہوئے پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا اور اس کے عوض میں تیس بکریاں لیں اور صحابہ کرامؓ نے اس پر اعتراض کیا کہ تو نے قرآن مجید پڑھ کر اجرت لی ہے۔ اور یہ حرام ہے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ اعتراض پیش کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان احق ما اخذتم علیہ اجراً کتاب اللہ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حصہ بھی لگانے کو فرمایا۔ تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔ اور جانے کہ بے شک و شبہ یہ حلال ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ "ختم" کرنا ساتھ قرآن اور ذکر اللہ کے اور اس پر مزدوری لینی درست ہے۔ اور قرآن مجید کو پڑھ کر مزدوری لینی درست نہیں۔ فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ پڑھنا قرآن مجید کا عبادت ہے اور عبادت پر مزدوری نہیں درست ہے۔ اور کسی دکھی پر دم کرنا اور اس سے اچھا ہو جانا اس کا عبادت نہیں۔ پس اس پر لینا درست ہے۔ اور یہ بھی اس سے معلوم ہوا کہ بیچنا مصحف کا اور خریدنا اس کا اور لکھوائی لینا مصحف اور کتابوں دین کا جائز ہے۔ اور متاخرین نے تعلیم کتاب اللہ کو بھی اس پر قیاس کر کے کہا ہے کہ جائز ہے اجرت لینی اس پر۔ اور متقدمین نے مانند ابوحنیفہؒ وغیرہ کے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو حرام کہا ہے"۔ (مظاہر حق جلد ۳ صفحہ ۷۲)

۲۴ مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لامع الدراری علی جامع البخاری جلد ۲ صفحہ ۳۳۵ میں فرمایا: "ویفتی الیوم بصحتہا لتعلیم القرآن والفقہ والامامۃ والاذان"۔ یعنی آج کل تعلیم قرآن، فقہ اور امامت و اذان پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ ہے۔

۲۵ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر ترمذی شریف صفحہ ۳۳۶ میں تحریر فرمایا: "اس طرح (بعض) آیات اور احادیث سے اجرت علی العبادات کی ممانعت معلوم ہوتی ہے"۔

○ "لیکن مشائخ بلخ اور شوافع اجرت علی الاذان و اجرت علی الامامت کی اجازت دیتے ہیں۔ اور آج کل مفتی بہ قول بھی یہی ہے۔ کیونکہ مؤذن، امام، مدرس، معلم، مبلغ یہ سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خمس اور مالِ فئی ملتا تھا۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ۔۔۔ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى (الآیۃ) آپ کو خمس وغیرہ اس لیے دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قوم کی خدمت کرتے تھے۔ اور ذوی القربیٰ کو اس لیے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور امداد کرتے تھے۔ لہٰذا جو آپ کا قائم مقام ہوگا اس کو بھی بیت المال سے اجرت لینے کا حق حاصل ہے۔ زمانۂ سابقہ میں خلافتیں نظم شرع میں تھیں۔ تو ان حضرات کو مقرر شدہ اسہام دیئے جاتے تھے۔ بیت المال پبلک کا تھا۔ اموال وغیرہ ان میں اس لیے جمع کیے جاتے تھے کہ بادشاہ ان کی حفاظت کا ذمہ دار تھا۔ بدمعاشوں اور ڈاکوؤں سے حفاظت کا خیال کرتا تھا۔ اور فصل خصومات بھی کرتا تھا۔ اسی طرح دیگر وہ امور جو رعایا سے وابستہ تھے۔ ان کا خاطر خواہ انتظام کرتا تھا۔ پبلک خوشی سے بیت المال میں ان امور کی انجام دہی کے لیے اموال جمع کرتی تھی سلطان وقت کا فریضۂ اول تھا کہ پولیس لشکر اور قاضی رکھے اور اگر وہ تغلب کی وجہ سے ان امور کی بجائے اپنے مصارف اسرافیہ میں استعمال کرے تو یہ مال بالکل بدل جائے گا۔ بنا بریں خلفائے راشدین صرف اپنی خوراک کی مقدار بیت المال سے لیتے تھے۔ اہل و عیال کا خرچہ دوسرے کام مثلاً تجارت وغیرہ انجام دے کر پورے کرتے تھے۔ حضرت عمر دو درہم روزانہ لیتے تھے۔ کپڑے پھٹے پرانے رہتے تھے۔ جن پر پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے"۔

○ "اب بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے موذن وغیرہم کے لیے آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے جس کی بنا پر مشائخ بلخ نے فتویٰ دیا کہ اگر ان لوگوں کی خدمت نہ کی گئی۔ تو اسلامی نظام کا ڈھانچہ بگڑ جائے گا۔ نہ مفت میں کوئی اذان دے گا۔ نہ تعلیم وتدریس پر آمادہ ہوگا جس سے تبلیغ و تعلیم کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ جو اضاعت دین کے مرادف ہے اجازت دی گئی کہ کچھ نہ کچھ ان کو ضرور دیا جائے"۔

○ "بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ ہم حبس اوقات کی اجرت لیتے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ کیا تم لوگ درس گاہ میں بیٹھ کر بغیر درس و تدریس کے چلے جاؤ۔ تو کیا تمھیں تنخواہ ملے گی یقیناً جواب نفی میں ہوگا۔ تو یہ تاویل بالکل ردی اور غلط ہے۔ بات وہی ہے کہ نظام اسلام کے درہم برہم ہونے کی وجہ سے تنگ آ کر اجازت کا فتویٰ دیا۔ کیونکہ ایسا آدمی جو اجرت نہ لے وہ ملتا نہیں دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی بنا پر مولفۃ القلوب کو ایک ضرورت کی بنا پر حصہ دیا جاتا تھا جب وہ ضرورت نہ رہی تو یہ شعبہ بند کر دیا گیا"۔

○ "اگر قرآن مجید کو دنیاوی کام کی خاطر پڑھا جائے۔ مثلاً بچھو کے کاٹنے کے لیے یا کوئی اور صورت پیش آ گئی اس صورت میں بالاتفاق اجرت لینا جائز ہے کیونکہ یہ رقیہ (دم) کے طور پر پڑھا گیا ہے۔ ہماری گفتگو عبادت کے بارے میں ہے"۔

○ آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں: "اب چہلم، دو ختم سوئم، رمضان شریف میں حفاظ کا اجرت لینا حرام ہوگا۔ کیونکہ پہلے تینوں کام عبادت اور ثواب کی غرض سے کیے جاتے ہیں۔ اور رمضان شریف میں قرآن مجید کا پڑھنا عبادت ہے"۔

○ "شامی نے اس موقع پر مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: متاخرین نے موذن وغیرہ کے لیے اجازت دی ہے ورنہ لوگ اپنے اپنے کاروبار تجارت وغیرہ میں لگے رہیں گے۔ جب اذان نہ کہی گئی تو ان لوگوں کی نمازیں ضائع ہوں گی، مفت تاذین اور امامت کون کرے گا۔ پابندی بڑی مشکل ہے۔ اس طرح علم کا حصول مشکل ہو جائے گا۔ اس سے دین میں خلل پڑے گا۔ اگر مُردوں کی قبروں

پر نہ پڑھا جائے تو اس سے دین میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ جیلم وغیرہ اسی میں داخل ہیں۔ اگر رمضان المبارک میں حفاظ نے قرآن مجید نہ سنایا تراویح مع ختم القرآن سنتِ ہے۔ اگر ختم نہ کیا جائے الم تر سے سورتیں پڑھ کر تراویح ادا کی جائے۔ تراویح ادا ہو جائے گی۔ دین میں کوئی خلل نہیں آتا۔ لہٰذا اجرت علی القرآن سے احتراز لازم ہوگا۔ ہاں ایک صورت جواز کی ہے کہ حفاظ کوئی شرط نہ لگائیں اور اختتام قرآن پر لوگ بلاتعیین اس کی خدمت کر دیں۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس سے حفاظ کی حوصلہ افزائی ہوگی اور حفظ قرآن کا شوق پیدا ہوگا۔ صاحب الشروط کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ واعظ اور مبلغ اجرت لے سکتا ہے۔ ورنہ سلسلۂ وعظ و تبلیغ بند ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے دین میں خلل آئے گا۔ اس لیے اس کی اجازت دی گئی۔ زکوٰۃ کا مال اگر مدرس کو بلا حیلہ وسیلہ کے دیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اگر چہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ تدریس کا عوض بن جائے گا۔ اور زکوٰۃ کے لیے "تملیک بلا عوض" شرط ہے۔ ہاں انجمن کے فنڈ میں جمع ہو کر مدرس کو دے سکتے ہیں۔ کیونکہ انجمن والوں سے کوئی چیز عوض میں نہیں لی گئی۔ تو اس طرح زکوٰۃ ادا ہو سکے گی"۔

○ اسی طرح مبسوط سرخسی	○ فتاویٰ غرائب ورق ۲۱۰
○ عین الہدایہ	○ طحطاوی
○ رد المحتار	○ طیبی

اور اسی طرح بے شمار کتب فقہ و حدیث میں علمائے متاخرین کے فتاویٰ جات دربارہ جواز اجرت تعلیم قرآن و فقہ موجود ہیں۔ اور ان پر عمل بھی ہو رہا ہے۔

فائدہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا تقریر اَحق بالقبول ہے، بہ نسبت دوسرے محققین کے۔ انصاف چاہیے۔

○ پچیس علماء متاخرین کے حوالے ہم نے نقل کیے ہیں۔ جس سے آپ لوگوں کی کافی دماغ خراشی ہوئی ہے۔ اسی پر اکتفار کیا جاتا ہے۔ ورنہ تو حوالے بے شمار ہیں۔

جن کے نقل کرنے سے مخیم کتاب بن سکتی ہے۔ بہر حال اتنا ثابت ہو گیا کہ زمانۂ حال میں ماہرین عربی مفسرین، محدثین، فقہاء کو اس کام کے لیے مقرر کرنا ناگزیر ہوا اور اس غرض کے لیے ان کے پاس دور دراز سے طالب العلم ہزاروں کی تعداد میں علم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ اور اب بھی آتے ہیں۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا آتے رہیں گے۔ اس بنا پر علماء کو خاص وقت دینا پڑتا ہے تاکہ تشنگان علوم دینیہ لیے متبحر علماء کرام کے پاس رہ کر اپنی علمی تشنگی دور کریں۔ اور اگر یہ وقت نہ دیں تو طالب العلم کدھر جائیں گے۔ نیز قرآن و حدیث کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے امدادی علوم معرض وجود میں نہ آئیں گے اور قرآن و حدیث کی سمجھ مفقود ہو جائے گی۔ اور اگر علماء کسب معاش کے لیے دوڑ دھوپ کریں تو قرآن کی سمجھ اور ان سے مسائل کا استنباط متعذر ہو جائے گا۔ اس لیے بعد کے دور میں علماء کرام نے یہی مناسب سمجھا کہ ان کو گزارہ دے کر اس عظیم کام کے لیے مقرر کیا جائے۔ تاکہ یہ علماء کسب معاش سے بے فکر ہو کر پڑھائیں اور طالب العلم پڑھیں۔ اس طرح دین کا چشمہ جاری رہے گا۔ اور طالب علم فی سبیل اللہ کے مصداق ہیں۔

طلباء فی سبیل اللہ کے مصداق ہیں

- بدائع صنائع میں فی سبیل اللہ کے تحت لکھا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد جیسے مجاہد فی سبیل اللہ کو سازوسامان کی ضرورت پڑ جانے سے قرآن کی رو سے گزارہ دینا جائز ہے اور جس حاجی کا سفر خرچ راستے میں ختم ہو جائے اس کو ضرورت کے مطابق دینا جائز ہے اسی طرح طالب العلموں کو اور معلمین کو دینا بھی جائز ہے بلکہ تمام دینی کاموں کے لیے دینا جائز ہے۔ (دیکھیے: کنز الدقائق ج۲، صفحہ ۶۶)
- اسی طرح فتاوٰی عالمگیریہ میں بھی طالب العلموں کو اسی زمرے میں شمار کیا گیا ہے۔
- اسی طرح در مختار صفحہ ۶۵ میں ہے: شریعت کا علم سیکھنے والا طالب العلم زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ کیونکہ علم حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنا وقت فارغ کیا اور کسب معاش نہیں کر سکتا۔

- اسی طرح علمِ شریعت پڑھانے والے بھی زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ کسبِ معاش سے عاجز ہیں۔ اور ان کو ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جن کے بغیر چارۂ کار نہیں۔
- ردالمختار صفحہ ۶۵ میں جامع الفتاویٰ کے حوالے سے مبسوط امام محمد کی عبارت نقل کی ہے: طالب العلم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اسی طرح جہاد کرنے والے مجاہد کو اور جو حاجی راستے میں زادِ راہ سے محروم ہو جائے۔
- اسی طرح ظہیریہ، مرغیناتی، شرنبلالی اور ابن عابدینؒ نے لکھا ہے کہ علمِ دین کا طالب العلم جو احکامِ شرعیہ کے حاصل کرنے میں رات دن مشغول رہتا ہے اسکو دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ صفہ کو صدقات دینے کا حکم فرمایا ہے۔ جنھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دین حاصل کرنے کے لیے خود کو پابند کر رکھا تھا۔

فلسفۂ یونان کی آمد اور اس کا رد

- پھر جب فلسفۂ یونان کی کتابیں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں تو خلیفہ ہارون الرشید نے علمی کتابیں جمع کر عربی زبان میں ان کے تراجم کرائے۔ لوگوں نے ان کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور بہت سے لوگ گمراہ ہو گئے۔ اور عقائدِ حقہ کو چھوڑ گئے۔ علمائے حق نے ضرورت محسوس کی تو کسی نہ کسی طرح یہ کتابیں حاصل کر کے ان کا مطالعہ کیا۔ اور جہاں جہاں اسلام کے خلاف باتیں پائیں ان کی تردید میں کتابیں تصنیف کیں۔ طالب العلموں کو اسلام کے خلاف باتوں کی نشاندہی کر کے ان کے جوابات سمجھاتے۔ اور غیر مذہب والوں کے ساتھ مناظرے کیے۔ پھر فلسفہ زدہ لوگوں نے ان جوابات کی تردید کرنا شروع کر دی۔ اس طرح عوام میں تذبذب پیدا ہونا شروع ہوا۔ پھر علمائے حق نے ان کی تردید کرنے کے لیے اور کتابیں تصنیف کیں۔ اس طرح تعلیم و تعلّم کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اور علمائے حق کی ذمہ داری اور بڑھ گئی۔ اور ان کی علمی مصروفیات میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اگر ان علمائے حق کو کسبِ معاش سے فارغ نہ کیا جاتا تو اسلام پر اعتراض کرنے والے غالب آجاتے۔ اور اسلام کا نام لیتے والا شاید ہی کوئی ملتا۔ اور دینی لحاظ سے دنیا پر اندھیرا چھا گیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان شاہانِ اسلام پر اپنی

رحمتوں کا نزول فرمائے جنھوں نے مدارس دینیہ عربیہ کی بنیاد رکھی۔ اور علماء کو تعینات کیا۔ ان کے لیے وظیفے کا انتظام کیا جو سرکاری طور پر بیت المال سے ادا کیا جاتا تھا۔ پھر جب سیاسی انقلابات کے نتیجے میں بیت المال میں خلل واقع ہونے لگا اور سلاطین اسلام نے اس طرف توجہ کم کردی تو علماء حق نے عوام کے ذمے لگادیا کہ تم اپنی حلال کی روزی میں سے عطیات دیا کرو، تاکہ تعلیم و تعلّم کا یہ سلسلہ جاری رہے۔ اور علماء کرام نے صراحۃً فرمایا کہ عوام پر فرض ہے کہ دینی علوم میں مشغول رہنے والوں پر خرچ کریں۔ بلکہ دینی امور میں مشغول آدمی کو ضرورت پڑنے پر عوام سے لینا ضروری ہے۔ (دیکھیے کتب فقہ)

برِّ صغیر میں علماء کی خدمات

○ اسلام میں پیدا ہونے والے فرقوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی اسلام پر اعتراض کرنے کا حوصلہ ہوگیا۔ جنھوں نے دل کھول کر اسلام پر اعتراض کیے۔ خصوصاً جبکہ شاہانِ اسلام کی غفلت سے اسلامی حکومتیں کمزور پڑگئیں غیر مسلم اور زیادہ جری ہوگئے۔ اگر علماء دین علم دین حاصل کر کے ان کا جواب نہ دیتے تو دنیا پر کفر ہی کفر چھیل گیا ہوتا۔ اور اس کے نظائر تاریخ دانوں پر مخفی نہیں۔ ماضی قریب پر ہی نظر ڈالیے جب اٹھارویں انیسویں صدی میں ہندوؤں، آریوں، پارسیوں اور پادریوں نے برِّ صغیر میں اسلام پر یلغار بول دی۔ جگہ جگہ اسلام کے خلاف تقریریں کرتے اور مناظروں کا چیلنج کرتے۔ بانیٔ دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، ابو منصور مولانا عبدالحق دہلویؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور مولانا خدابخش جیسے دینی مدرس مدرسہ امینیہ دہلی جیسے علماء حق اہل کفر کی اس یلغار کو روکنے کے لیے قدم نہ اٹھاتے تو ہندوستان میں ہندو بچتے یا عیسائی۔ اور ظاہر ہے کہ ان علماء نے سردھڑ کی بازی تو لگائی لیکن جائیدادیں نہیں بنائیں، فرنیچے نہیں خریدے۔ قوت لایموت پر گزارہ کرتے ہوئے اللہ سے جاملے۔ الحمدللہ مسلمانوں میں بھی جذبۂ ایمانی تھا کہ علماء حق کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

○ امر واقع اور حقیقت حال یہ ہے کہ علماء حق کو دنیا کا لالچ نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا اصل مقصد خدمت دین ہوتا ہے۔ اور ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ بغیر کسی معاوضے کے دین کی خدمت کریں۔ مگر جب دینی مصروفیات ان کا احاطہ کر لیتی ہیں اور کسی دوسرے کام کے لیے وقت نکالنا مشکل ہوجاتا ہے تو پریشان ہوجاتے ہیں۔ ان علماء حق میں سے بطور مثال کے چند ایک کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

○ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے شروع میں حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہٗ اپنے والد ماجد مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوانح میں تحریر فرماتے ہیں: زمانۂ طالب علمی ہی سے آپ کا ارادہ تھا کہ علوم دینیہ کو کبھی ذریعۂ معاش نہ بنائیں گے۔ خدمت دین بغیر کسی معاوضے کے لوجہ اللہ کریں گے اور معاش کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ اختیار فرمائیں گے۔ چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر آپ نے اپنے تعلیم کے زمانے میں کئی دوسرے فنون کی تعلیم اور مشق بھی بہم پہنچائی۔ (منجملہ ان کے خطاطی جلد سازی اور طب یونانی کا ذکر کیا) لیکن حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرا یہ شوق باوجود پوری کوشش کے پورا نہ ہوسکا کہ علم دین کی خدمت بغیر کسی معاوضے کے انجام دوں۔ اس لیے کہ جب تدریس و افتاء اور تصنیف و تبلیغ کا کام شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ان مشاغل کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا کام نہیں کیا جاسکتا۔ یہ علمی مصروفیات اس قدر ہمہ گیر تھیں کہ کسی اور کام کے لیے وقت نکالنا ممکن نہ رہا۔ یہی بات امام دارالہجرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی وسیع تجربے کی بنا پر کہی تھی کہ: "العلم لا یعطیك بعضه حتی تعطیه کلك" یعنی علم تمہیں اپنا ذرا سا حصہ بھی اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک تم اپنا سب کچھ علم کو نہ دے دو۔

○ آخر مجبور ہوکر ان تمام فنون کو جو ذریعۂ معاش کے طور پر حاصل کیے تھے ترک کرنا پڑا۔ اور یکسوئی کے ساتھ تدریس، افتاء، تصنیف و تالیف اور تبلیغی خدمات میں

ہمہ تن منہمک ہو گئے۔ ...... ابتداءً دارالعلوم میں آپ کو صرف پانچ روپے ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ آپ نے اسی پر قناعت فرمائی۔ پھر رفتہ رفتہ تنخواہ میں نہایت تدریج سے اضافہ ہوتا رہا۔ ...... چھتیس سال کی خدمات کے بعد آپ کا مشاہرہ پینسٹھ روپے ماہوار تھا۔ ...... اس درمیان میں دوسرے مدارس سے خصوصاً مدرسہ عالیہ کلکتہ سے سات سو روپے تنخواہ کی پیشکش بار بار کی گئی۔ مگر چونکہ پیش نظر تنخواہ کبھی نہ تھی' اس لیے دیوبند کے قلیل وظیفہ پر قناعت کر کے کسی دوسری جگہ جانا پسند نہیں کیا۔

- اسی طرح میرے استاذ محترم فقیہ الامت مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ شاہجہان پوری ثم الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تنخواہ ۱۹۴۳ عیسوی تک پچیس روپے تھی۔ جبکہ آپ کے ذمے اپنے مدرسے کا اہتمام' مدرسہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ فتحپوری اور مدرسہ عبدالرب کی نظامت اور درس حدیث اور افتاء و تصنیف کے کام سپرد تھے۔ اور تبلیغ کے لیے دوسرے ملکوں کے دورے بھی کرتے تھے۔ اور اس وقت میری تنخواہ انھوں نے اٹھارہ روپے مقرر فرمائی تھی۔

- ان کاموں میں سے صرف مدرسے کا اہتمام بھی کوئی معمولی کام نہیں۔ بلکہ اس کے لیے پوری فرصت' توجہ اور لیاقت شرط ہے۔ ضروری ہے کہ مہتمم مدبر تجربہ کار امور انتظامی سے واقف ہو۔ اور اس کے ذمے کوئی اور کام بطور فرض منصبی کے نہ ہو۔ ایک شخص پوری توجہ سے دو کام نہیں کر سکتا۔

- اور کمال یہ ہے کہ اپنے ماتحت دو گے مدرسین کا وظیفہ سو' اسی' ستر' اور ساٹھ تھا۔

- اور میرے جن اکابر نے زمینداره کیا اور اپنے گھر سے کھلا کر طالب علموں کو پڑھایا' ان سے افتاء' تصنیف' اور تالیف کا کام نہیں ہوسکا۔ سوائے میرے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے' کہ وہ اپنی زمیندارانہ مصروفیات کے باوجود درس و تدریس اور کے ساتھ ساتھ چند کتابیں لکھنے میں بھی کامیاب ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

جوازِ اجرت پر علماءِ احناف کے فتوے

○ امرِ واقعہ اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ علماءِ حق نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ امورِ شرعیہ میں پابند علماء کو وظیفہ دینا جائز ہے۔ جیسا کہ :

○ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تلمیذِ رشید حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جامع صغیر صفحہ ۱۵۲ میں تحریر فرمایا ہے : لا بأس برزق القاضی من بیت المال یعنی قرآن و سنت کے مطابق شرعی فیصلہ کرنے والے کو گزارہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

○ نیز کنزالدقائق صفحہ ۲۲۸ میں ہے : و حل رزق القاضی۔ دیگر تمام کتبِ فقہ میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

○ صاحب ہدایہ نے جلد ۴ صفحہ ۳۴۰ میں اس کی وجہ بیان کی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے والیٔ مکہ عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو سالانہ چالیس اوقیہ دینے مقرر کیے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی یمن کی طرف والی بنا کر بھیجتے ہوئے ان کے لیے روزینہ مقرر فرمایا۔ اگر یہ چیز حرام ہوتی تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انھوں نے ان حضرات کے روزینے مقرر کرکے نعوذ باللہ حرام کا ارتکاب کیا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

بعض شبہات کا ازالہ

قضاء سے متعلق ایک شبہ کا ازالہ

○ تعلیم قرآن کی طرح قضاء بھی عبادت ہے۔ جیسا کہ ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۳۶۱ میں ہے کہ : شرعی فیصلے کرنا افضل ترین طاعت اور عبادت ہے۔ اور قضاء کے لیے اس کو شہر کی جامع مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرنے کا حکم ہے۔ جبکہ مسجد میں دنیاوی کام حرام ہے۔ (دیکھیے ہدایہ جلد صفحہ ۱۱۹)

○ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءِ راشدین فیصلہ کرنے کے لیے مسجد میں ہی بیٹھا کرتے تھے۔ جیسا کہ نماز مسجد میں ادا کی جاتی ہے۔

ائمۂ مساجد کے فرائض اور ایک شبہ کا ازالہ

- خلفاء راشدین نے ائمۂ مساجد کا راشن بیت المال میں سے مقرر کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ پنج وقت نمازوں کی صرف جماعت کراؤ اور پھر چھٹی۔ بلکہ ائمۂ مساجد کا اصل کام تھا تعلیم دین۔ کہ نمازیوں کو عقائد عبادات معاملات معاشرہ اور اخلاق کی تعلیم دیں۔ اور ان کے بچوں کو پڑھائیں۔ اہل عجم کو عربی کی تعلیم دیں۔ تاکہ وہ قرآن مجید سمجھ سکیں۔ اور اس پر عمل کریں۔ اور لوگوں تک پہنچائیں۔ جیسا کہ:
- حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "فلیبلغ الشاهد الغائب" یعنی جو نمازی مجلس میں حاضر موجود ہیں وہ امام مسجد سے مسائل سن کر ان لوگوں کو بتائیں جو یہاں حاضر موجود نہیں۔ چنانچہ:
- انہی اماموں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اہل عرب کے موالیوں میں دین پھیلا۔ اور انہی عجمیوں میں سے بڑے بڑے موالی (آزاد شدہ غلام) ائمۂ عربیت پیدا ہوگئے۔ اور محدث مفسر اور فقہاء پیدا ہوئے۔ جیسا کہ:
- امیر المؤمنین سیدنا امام عمرؓ اور امیر المؤمنین سیدنا امام علیؓ کے شاگرد حضرت عمر بن شبہ ابو الاسود دیلی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۶۹ھ صرف نحو کے بانی ہوئے۔
- اور ان کے شاگردوں کے شاگرد حضرت ابو عمرو بن العلاء بن عمار بن عبداللہ المازنی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۵۴ھ مشہور مقری یعنی مدرس قرآن ہو گزرے ہیں۔
- حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بغیۃ الوعاۃ جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ میں ان کے متعلق تحریر فرمایا: اعلم الناس بالقراءات والعربیۃ۔ یعنی اس دور کے لوگوں سے قرآن کی قراءتوں اور عربی لغت کے بہت بڑے عالم تھے۔ اور اپنے اس فن میں کمال پیدا کیا۔ اور اس فن میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔
- پھر ان کے شاگرد صحابی رسولؐ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عیسیٰ بن عمر ثقفی ابو عمر رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۵۰ھ جو امام النحو والعربیۃ والقراءۃ تھے۔ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ اور عبداللہ بن ابی اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ اور عجاج بن رؤبہ

رحمہ اللہ تعالیٰ سے قرآن وحدیث اور عربیت کا علم حاصل کیا۔ اور علمِ نحو میں الکمال اور الجامع کتابیں لکھیں۔

○ پھر ان کے شاگرد خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم فرہودی بصری رحمہ اللہ تعالیٰ مصنف کتاب العین ہیں' جو لغتِ عرب کے ماہر اور پہلے مصنف ہیں۔ انہی اماموں کی سعی سے بے شمار عجمی موالی لغتِ عرب اور قرآن مجید کے ماہر تیار ہوئے۔ مثلاً:

① ابو بشر عمرو بن عثمان بن قنبر مولیٰ بنی الحارث ملقب بہ سیبویہ رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۸۰ھ

② ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۰۷ھ

③ ابو العباس محمد بن یزید مبرد رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۸۵ھ

④ نضر بن شمیل رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۰۳ھ

⑤ یعقوب بن اسحاق بن سکیت رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۴۴ھ

○ اور ان کے علاوہ بے شمار عجمی موالی تھے جنھوں نے قرآن مجید اور عربیت میں انہی ائمۂ مساجد کی سعی سے یہ رتبہ پایا۔ جو عربیت میں امام ہوئے۔ اور سبقاً پڑھائی جانے والی بڑی بڑی کتابوں کے مصنف جن کی تصانیف پڑھ کر عربی زبان سمجھ آتی تھی۔ اور انہی کے ذریعے قرآن دانی حاصل ہوتی تھی۔

○ پھر ان کے شاگردوں نے اپنے اساتذوں کی انہی کتابوں کی شروح لکھیں۔ تاکہ ان کتابوں میں بیان کردہ قوانین وضاحت سے معلوم ہوسکیں۔ اور بعض نے ان کتابوں کا اختصار کیا۔ تاکہ عربی زبان بآسانی یاد ہوسکے۔

○ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے ائمۂ مساجد کو دیکھ کر جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ائمۂ مساجد کا کام صرف پنج وقتہ نماز پڑھانا ہے یہ ان کی تنگئ نظر ہے۔

دلیل مانعین ۳

○ مانعین کی طرف سے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بیان کی جاتی ہے: عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ انہ مر علی قاصٍ یقرأ ثم یسأل فاسترجع ثم قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من قرأ القرآن فلیسأل اللہ بہ فانہ سیجیٔ اقوام یقرأون القرآن یسئلون بہ الناس (ترمذی کتاب فضائل القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۲۱) یعنی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک قصہ گو کے پاس سے گزرے جو کہ قرآن مجید پڑھ کر لوگوں سے سوال کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے "انا للہ و انا الیہ راجعون" پڑھ کر کہا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جو شخص قرآن مجید پڑھے تو اس کو چاہیے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔ کیونکہ عنقریب ایسے ہی لوگ آئیں گے جو قرآن مجید پڑھ کر لوگوں سے اس کا عوض مانگیں گے۔

جواب یہ روایت معلمین قرآن پر صادق نہیں آتی۔ جیسا کہ خود اس حدیث کا مضمون بتا رہا ہے۔ اس کے مصداق مندرجہ ذیل آدمی ہیں:

تراویح میں اجرت لے کر قرآن پڑھنے والے

○ امداد المفتین دارالعلوم دیوبند صفحہ ۴۶۳ میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تراویح میں ختم قرآن پر اجرت مقرر کر لینا خواہ صراحۃً ہو جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔ یا بطور عرف و عادت ہو۔ جیسا کہ عموماً آج کل رائج ہے' دونوں صورتوں میں جائز نہیں۔ اور تحقیق اس معاملہ کی یہ ہے کہ اصل مذہب میں مطلقاً عبادۃ پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ خواہ کوئی عبادت ہو۔ لیکن حضرات متأخرین نے ضرورت کی وجہ سے اس قاعدہ کلیہ سے چند چیزیں مستثنیٰ کی ہیں۔ اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ استثنا انہی چیزوں میں ہے۔ باقی عبادات و طاعات اپنے اصلی حکم پر ہیں کہ ان میں اجرت لینا جائز نہ ہوگا۔ اور ان مستثنیات میں ختم قرآن در تراویح کو کسی نے شامل نہیں فرمایا۔ اس لیے اس پر اجرت لینا

اسی طرح ناجائز رہے گا۔ اور اپنے اس فتوے کو فقہاء کی عبارات سے مبرہن کیا۔ پھر فرمایا کہ ان عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فقہاء متأخرین نے جو امامت اور تعلیم القرآن وغیرہ کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے تو اس وجہ سے کہ ضرورت شرعیہ ہے کہ اس کے بغیر فرائض کا تعطل لازم آ جاتا ہے۔ تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا فرض وواجب نہیں ہے کہ اس کو تعلیم اور امامت پر قیاس کیا جائے، بلکہ سنت ہے۔ اور اس میں بھی فتویٰ اس پر ہے کہ اگر پورا ختم قرآن کرنے کی وجہ سے تقلیل جماعت کی نوبت آتی ہو اور لوگ بوجہ سستی کے شرکت تراویح ہی سے باز رہتے ہوں تو پورا ختم قرآن کرنا مناسب ہی نہیں۔

○ فقہاء کی عبارات نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا کہ عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ تراویح میں ختم قرآن کرنا واجب نہیں۔ بلکہ سنت ہے۔ اور سستی قوم کے عذر سے چھوڑ دینا بھی جائز ہے۔ اس لیے ختم کی ضرورت کو ضرورت امامت یا ضرورت تعلیم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بلا اجرت پڑھنے والا نہ ملے تو جس قدر سورتیں محلہ والوں کو یاد ہوں ان سے تراویح پڑھنا اس سے بہتر ہوگا کہ اجرت دے کر کسی سے پڑھوائیں۔ یہ سب اس وقت ہے کہ جب لینا دینا باضابطہ طے ہو جائے، یا عادۃً طے ہو جائے۔ سمجھا جاتا ہو، اور جہاں دونوں باتیں نہ ہوں کہ لینے کی غرض سے نہ پڑھتا ہو، اور دینے والے بھی بطور ہدیہ غیر ضروری سمجھ کر دیتے ہوں، اس طرح کہ اگر نہ دیا جائے تو کسی کو شکایت نہ ہو، تو ایسا دینا بلاشبہ جائز، بلکہ باعث اجر ہے۔ اور اس کا لینا بھی جائز ہے۔ اور صورت اس کی یہ ہے کہ امام اور قاری کی خدمت کی جائے، مگر کوئی معمول مقرر نہ کیا جائے کہ ختم کے وقت دیں گے یا پہلے۔ اور نقد دیں گے یا کوئی اور چیز۔ تاکہ اس کو انتظار کی صورت قائم نہ ہو۔

○ ایک اور سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار کتاب الاجارہ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ: عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ

اجرت لے کر قرآن پڑھنا اور پڑھوانا گناہ ہے۔ اس لیے تراویح میں چند مختصر سورتوں سے بیس رکعت پڑھ لینا بلاشبہ اس سے بہتر ہے کہ اجرت دے کر پورا قرآن پڑھوائیں۔ کیونکہ پورا قرآن تراویح میں پڑھنا مستحب ہے، اور اجرت دے کر قرآن پڑھوانا اور پڑھنا گناہ ہے۔ اور گناہ سے بچنا بنسبت مستحب پر عمل کرنے کے زیادہ ضروری ہے۔ البتہ اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ نماز ہو گئی، اگرچہ مکروہ ہوئی۔ (کیونکہ تراویح فرض یا واجب نہیں ہے۔)

اجرت لے کر قبر پر قرآن مجید پڑھنے والے

○ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عزیز الفتاویٰ صفحہ ۳۴۶ اس سوال کے جواب میں کہ اجرت لے کر دفن کے بعد قبر پر قرآن پڑھنا جائز ہے یا ناجائز اور اس سے میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں۔ کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:
اجرت مشروطہ یا معروفہ پر جو قرآن شریف میت کے لیے پڑھواتے ہیں اس میں محققین نے لکھا ہے کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا۔ کیونکہ جب پڑھنے والے کو ثواب نہ ہوا بوجہ نیت اخذ عوض کے تو میت کو کہاں سے ثواب پہنچے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص رضائے الٰہی کے لیے قرآن شریف کا ثواب میت کو پہنچائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ثواب میت کو ملے گا۔ خواہ مکان پر پڑھ کر ثواب پہنچائے یا قبر پر۔

○ البتہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبر پر قرآن شریف پڑھنا منع ہے۔ خواہ محض میت کو ایصالِ ثواب کی نیت سے للہ پڑھے یا اجرت لے کر۔ بلکہ اجرت لے کر پڑھنا تو سرے سے جائز ہی نہیں۔ جیسا کہ:

قراءتِ قرآن کی اجرت لینا حرام ہے

○ امداد الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۱۵۲ میں ہے کہ: صحیح یہ ہے کہ قراءتِ قرآن پر اجرت لینا حرام ہے۔

○ اسی طرح مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۲۳۶ میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ: تسبیح و تہلیل اور تلاوتِ قرآن شریف اور زیارتِ قبور کی اجرت

لینا اور دینا درست نہیں ہے۔

○ شیخ فتاویٰ حامدیہ میں ہے کہ: مذہب کی عام کتابیں یعنی متون و شروح و فتاویٰ سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت پر اجرت لینا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ البتہ متاخرین مشائخ بلخ نے تعلیم قرآن کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے۔ اور اس پر اجرت لینے کو جائز لکھا ہے۔

○ اور اسی کتاب میں ہے کہ: محض تلاوت۔ جس میں تعلیم نہ ہو ان طاعتوں میں سب سے بڑی طاعت ہے۔ جن سے ثواب طلب کیا جاتا ہے۔ پس اس پر اجرت لینا درست نہیں ہے۔

○ اور اسی کتاب میں ہے کہ: ثواب ملنے کی شرط یہ ہے کہ کام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کیا گیا ہو۔ اور اجرت پر پڑھنے والا دنیا کے لیے پڑھتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیونکہ اجرت پر پڑھنے والے کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مجھے اجرت نہ ملے گی تو وہ ایک حرف بھی نہ پڑھے گا۔ خاص کر وہ شخص تو ضرور ہی ایسا کرے گا جس نے اسے پیشہ بنا لیا ہے۔

○ تاج الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ہدایہ کی شرح میں لکھا ہے کہ: اجرت پر قرآن شریف کا پڑھنے والا نہ خود ہی ثواب پائے گا اور نہ میت کو اس کا ثواب پہنچے گا۔

○ اور فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے کہ: اگر کسی دوست یا عزیز کی قبر کی زیارت کی اور وہاں کچھ قرآن پڑھا تو یہ اچھا ہے۔ لیکن اس کی وصیت کرنے کے کچھ معنے نہیں۔

○ اور اسی طرح پڑھنے والے کو کچھ دینے کے بھی کچھ معنے نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ قرآن پڑھنے کی اجرت کے مشابہ ہے۔ جو باطل ہے۔

○ اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ: اگر قاری کے لیے کسی چیز کی وصیت کی کہ اسے دی جائے، تاکہ وہ اس کی قبر پر قرآن شریف پڑھا کرے۔ تو وصیت باطل ہے۔

○ اور تاتارخانیہ میں ہے کہ: خدا کی اطاعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

○ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ایسی زیارتِ قبور اور تسبیح و تہلیل جو دنیا حاصل کرنے

کے لیے ہوتی ہے اس میں کچھ ثواب نہیں ہے۔ نہ میت کو نہ کاسب کو۔ اور ایسی عبادتوں کی اجرت لینا اور دینا ممنوع ہے۔

ریڈیو اور ٹی وی پر قرآن پڑھنے والے

○ اس حدیث کے مصداق وہ قاری یا حافظ یا مولوی بھی ہیں جو ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ پر حکومت کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں جو ترنم کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ اور اس کا ترجمہ سناتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے انھیں تنخواہ ملتی ہے۔ ایسے قاری حافظ مولوی کو کوئی ثواب نہیں ملتا۔ البتہ اگر ان کی نیت صاف ہو کہ میں حکومت کی طرف سے گو منتخب ہوں مگر میرا مقصد یہ ہے کہ اس بہانے سے متاثر ہو کر کئی لوگ اس پر عمل پیرا ہوں گے تو قول نبی انما الاعمال بالنیات کے مطابق امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل کو قبول کر کے اس کا ثواب دے۔

حکومت کے ملازم خطیب

○ حکومت کو درخواست دے کر بعض مولوی اس مقصد سے داخل ہوتے ہیں کہ عوام سے خطیب کو کم تنخواہ ملتی ہے۔ اور پنشن بھی نہیں ملتی جبکہ حکومت معقول تنخواہ دیتی ہے اور پنشن بھی ملتی ہے۔ اور پھر وہاں فرقہ داریت کے طعن سے ڈر کر حق مسئلہ بتانے کی جرأت بھی نہیں کرتے۔

جلسوں میں قاریوں کا قرآن پڑھنا

○ بعض قاریوں کو جلسوں میں بلایا جاتا ہے۔ جو علماء کی تقریروں سے پہلے نہایت خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور عوام سے داد تحسین وصول کرتے ہیں۔ اور عوام ان کے لیے سینکڑوں روپے ڈالتے ہیں۔

بازاروں اور بسوں میں قرآن پڑھنے والے

○ بعض مقامات پر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک قاری بازار میں کھڑے ہو کر یا گاڑی اور بس میں سوار ہو کر قرآن مجید کا رکوع اس غرض سے پڑھتا ہے کہ لوگ مجھے روپے پیسے دیں۔ ایسے حافظ واقعی وہ ہیں جنھوں نے قرآن مجید کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے۔

اور اسی کی ممانعت صراحۃً حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان کی گئی ہے۔

الاصل جو لوگ قرآن مجید اس نیت سے پڑھتے ہیں کہ میں قرآن مجید حفظ کر کے کسی سرکاری محکمے میں ملازم ہو جاؤں گا اور وہاں مجھے بچوں کو قرآن مجید پڑھانے کی معقول تنخواہ ملے گی یا ریڈیو ٹی وی وغیرہ محکموں میں مجھے قرآن مجید پڑھنے کے لیے مقرر کیا جائے گا۔ اور اس مقصد کے لیے آواز سنوارنے کی فکر میں رہتے ہیں تاکہ لوگوں میں شہرت پائیں اور تنخواہ بھی حسب منشاء ملے گی۔ یا علم دین اس لیے پڑھتے ہیں کہ وفاق المدارس کا امتحان دے کر کسی سرکاری محکمے میں خطیب اعظم لگ جائیں گے۔ یا کسی مشہور شہر کی جامع مسجد میں خطیب یا مفتی لگ جائیں گے۔ تو ایسے لوگوں کی نیت ہی غلط ہے۔ جبکہ ثواب اور عدم ثواب کا مدار نیت ہی پر ہے۔ جیسا کہ:

- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انما الاعمال بالنیات" یعنی اعمال کے ثواب کی مدار صرف نیتوں پر ہے۔
- اس لیے اگر دین پڑھ پڑھا کر واقعی دین کو ذریعۂ معاش بنانے کی نیت ہو تو دین پڑھنے پڑھانے کا کچھ ثواب نہیں۔ بلکہ دوگنا گناہ ہوگا۔ ایک تو دین پر دنیا کمانا۔ دوسرا دین کو دنیائے دنی کے ساتھ ملوث کرنا۔
- اور اگر دین پڑھنے پڑھانے سے نیت یہ ہو کہ دین پڑھ کر میں خود بھی اس پر عمل کروں گا اور آگے محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے پڑھاؤں گا تاکہ دین حق کی اشاعت ہو، دنیا میں توحید اور نیک اعمال کا چرچا ہو، شرک اور بدعملی مغلوب ہو، اور آخرت سنور جائے، اگرچہ قوت لایموت (گزارے کے لیے اتنی مقدار جس سے موت کا خدشہ ٹل جائے) پر گزر ہو۔ تو اس کا ثواب بھی ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے پڑھنے پڑھانے کا عمل ان شاء اللہ تعالیٰ مقبول بھی ہوگا۔ اور اس کو دنیا میں بھی فائدہ ہوگا اور آخرت میں بھی اس کو اجر عظیم ملے گا، جو کہ دوسرے لوگوں سے اعلیٰ ہوگا۔

○

دلیل مانعین ؟

○ مانعین کی طرف سے حضرت عبدالرحمٰن بن شبل کی حدیث بھی پیش کی جاتی ہے۔ جو حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند جلد ۳ صفحہ ۴۴۴ میں نقل فرمائی ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرأوا القراٰن ولا تغلوا فیہ ولا تجفوا عنہ ولا تأکلوا بہ ولا تستکثروا بہ یعنی قرآن مجید پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو اور اس سے اعراض کر کے بدسلوکی نہ کرو اور اس کے بدلے کھاؤ مت اور نہ بہت دنیوی فوائد کا مطالبہ کرو۔

جواب یہ حدیث بھی قراءت قرآن کے بارے میں ہے۔ تعلیم قرآن کے بارے میں نہیں ہے۔ اور قراءت قرآن کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ جواز کے قائل نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ اور تعلیم قرآن پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اجرت لینے کو حرام نہیں کہتے۔ بلکہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو جائز سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ابتداء میں بیان کیا ہے۔

○ اب جاننا چاہیے کہ امورِ دین کے کئی شعبے ہیں۔ جن میں مشغول رہنے سے انسان کسبِ معاش نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی کسبِ معاش کے لیے کچھ وقت نکال سکتا ہے۔ اور اگر امورِ دین کے ساتھ ساتھ کسبِ معاش بھی کرے تو امورِ دین کے ادا کرنے میں خامی رہ جاتی ہے۔ وہ امور کما حقہ ادا نہیں ہو سکتے۔ اس لیے علمائے کرام میں سے متاخرین نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

مدارس اسلامیہ

○ اس شعبے میں کچھ تو علمِ دین حاصل کرنے والے ہوتے ہیں، اور کچھ علمِ دین سکھانے والے۔ پھر علمِ دین سکھانے والے بھی شعبوں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔

① قرآن مجید کے متن کی تعلیم دینے والے مقرئ۔ جن کا فریضہ ہے کہ قرآن مجید کو جیسے پڑھنے کا حق ہے اسی طرح پڑھائے۔ مخارج صفات اور اوقاف کا لحاظ کرتے ہوئے معلم کا فرض ہے کہ پہلے قاعدہ پڑھائے۔ حرفوں کی پہچان کرائے۔ مخارج اور صفات کی طرف

توجہ ہو۔ پھر حفظ یا ناظرہ پڑھنے والے کو صحیح قراءت کے ساتھ اوقاف کا خیال کر کے پڑھائے۔ اور کل کا سبق سنے۔ اور مشق کرائے۔ سبقی سپارہ سنے۔ پیچھے کی منزل سنے۔ اگر غلطی ہو جائے تو اسے دوبارہ یاد کرنے کو کہے۔ پھر دوبارہ سنے۔

○ زیادہ سے زیادہ مقری تعلیم قرآن مجید کے پاس بیس لوکے پڑھ سکتے ہیں۔ اگر بیس لڑکوں سے زیادہ ہو جائیں تو ان کی طرف پوری توجہ نہیں دی جا سکتی۔ ہر ہر لڑکے کے ساتھ الگ الگ تعلیمی محنت کرے۔ پھر ہر لڑکے کو کلمے اور اس کے معنے بھی یاد کرائے۔ پھر ترجمہ کے ساتھ نماز بھی یاد کرائے۔ اور اس کو پاکی اور ناپاکی کے مسائل بتائے۔ وضو کرنے کا طریقہ، نہانے کا طریقہ، تیمم کا طریقہ، استنجا کرنے کا طریقہ سکھائے۔ نماز میں فرائض واجبات سُنَنِ مؤکدہ، سُنَنِ زوائد، مستحبات، آداب، مکروہات اور جن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور جن چیزوں سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے وہ سب بتائے۔ اور ان سے سنے۔ جنازہ کے مسائل اور جمعہ و عیدین کے مسائل بھی بتائے۔ یہ مقری کا فرض بنتا ہے۔

(۲) فہم قرآن، چونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور سیکھنے والے مختلف بولیاں بولنے والے ہوتے ہیں۔ فہم قرآن کی مدار مختلف فنون پر ہے۔ سب سے پہلے صرف نحو اشتقاق اور ذخیرۂ الفاظ پڑھانے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں سے صیغوں کا اجراء بھی کرائیں۔ نحوی ترکیب پر زور دیں۔ اشتقاق صغیر و کبیر کا اجراء کرائیں۔ اور ایک لفظ کا مختلف بابوں پر منتقل ہونے سے جو مختلف معنے پیدا ہوتے ہیں وہ سمجھائیں۔ اور علم معانی بیان اور بدیع بھی پڑھائیں۔ جن سے محاوراتِ عرب فصاحت و بلاغت قرآنی و دیگر امورِ لطیفہ کا علم ہوتا ہے۔ ان تینوں علوم کا قرآن مجید میں اجراء کرائے۔ اور حدیث و اصولِ حدیث فقہ و اصولِ فقہ اور علم العقائد پڑھائیں۔ اور ان میں مہارت پیدا کریں۔ پھر علم العقائد پڑھاتے وقت غیر مذاہب کو مدِ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ جن میں سے بعض غیر مسلم ہیں اور بعض اسلام کا دعویٰ کرنے والے۔ اسلام کا دعویٰ کرنے والے بہت ہیں۔ جن میں سے ایک معتزلہ ہیں۔

جو خود کو اہل العدل والاحسان کہلاتے ہیں۔ ان کی بارہ مختلف شاخیں ہیں۔

- اور ایک فرقہ مرجئہ ہے۔ اس کی بھی بارہ شاخیں ہیں۔
- اسی طرح ایک فرقہ امامیہ ہے۔ اس کی بھی کئی شاخیں ہیں۔
- اسی طرح ایک فرقہ باطنیہ ہے۔ اور اس کی بھی کئی شاخیں ہیں۔
- اسی طرح ایک فرقہ کیسانیہ ہے۔ جس کی کئی شاخیں ہیں۔
- اور ان میں سے کئی غلاۃ ہیں۔ جن کی کئی شاخیں ہیں۔
- ان فرقِ باطلہ میں سے کئی ایسے ہیں جن میں حسن مثنیٰؒ، زین العابدینؒ، محمد باقرؒ، محمد بن حنفیہؒ اور سیدنا حسینؓ کے متعلق امامت کا اختلاف ہے۔
- اور ان فرقوں میں سے بعض اپنے اماموں مثلاً: عبداللہ بن معاویہ، زکریا بن محمد باقر، جعفر صادق، ابو مسلم سراج میں سے کسی ایک کو زندہ غیر زندہ یا منتظر امام مانتے ہیں۔
- اور غیر مسلموں کے بھی بے شمار فرقے ہیں۔ مثلاً: یونانی فلسفی، مجوسی، ستارہ پرست، سورج پرست، بت پرست، ہندو، آریہ، پارسی، سکھ، یہودی، اور عیسائی وغیرہ۔ ان سب کے اسلام پر بے شمار اعتراضات ہیں۔ جن کا جواب دینا عالمِ دین پر فرض ہے۔

تصنیف و تالیف کا شعبہ

- قرآن مجید کی تفسیریں کتب احادیث و اصول اور ان کی شروح۔ کتب فقہ و اصول اور ان کی شروح۔ کتب صرف، کتب نحو بلکہ تمام فنون کی کتب اور ان کی شروح و تلخیصات و کتب مذاہب باطلہ کا رد۔ اور فتاویٰ جات۔

اسلامی سرحدات کی حفاظت

- خلیفۃ المسلمین کا فرض ہے کہ پوری اسلامی سرحد کی حفاظت کے لیے ایک جماعت مقرر کرے جو رات دن باری باری چوکنی کھڑی رہے۔ اور دشمن پر کڑی نظر رکھے۔ اور اس پوری جماعت کا خرچہ بیت المال المسلمین پر ہے۔

قضاء و فصل خصومات

- جیسے غیر اسلامی حکومتیں لوگوں کے باہمی جھگڑے چکانے کے لیے کچہریاں بناتے

ہیں۔ اور ان کے لیے اونچی اونچی ڈگریاں حاصل کر کے حاکم مقرر کرتے ہیں، اور ان کو معقول تنخواہیں دیتے ہیں۔ ہمارے اسلام میں جھگڑا چکانے والے قاضی ہوتے ہیں۔ اور قضاء عبادت ہے۔ اسی لیے قاضی صاحب کا جامع مسجد میں بیٹھنا اور فیصلہ کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا اور ان کے لیے ۸۰ اوقیہ سالانہ مقرر فرمایا تھا۔

○ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر کیا اور ان کے لیے بھی سالیانہ مقرر فرمایا۔

○ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شروع شروع میں دو درہم روزینہ لیا کرتے تھے۔ پھر ایک درہم اور ۲/۳ درہم لیتے تھے۔

○ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لما استخلف ابوبکر الصدیق قال لقد علم قومی ان حرفتی لم تکن تعجز عن معونۃ اھلی و شغلت بامر المسلمین فسیأکل آل ابی بکر منھذا المال۔ و یحترف للمسلمین فیہ۔ (بخاری صفحہ ۲۷۸، باب کسب الرجل و عملہ بیدہ) یعنی جب امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے گھر والوں کے ضروری مصارف سے ناکافی نہ تھا۔ لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں۔ لہذا اب ابوبکر کے گھر والے اسی مال یعنی بیت المال میں سے کھائیں گے۔ اور میں مسلمانوں کے کاموں پر نظر رکھوں گا۔ ان کے مصالح اور ان کے حالات پر نظر رکھوں گا۔

○ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی گزارے پر قاضی مقرر فرمایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ بھی اپنا گزارا بیت المال میں سے لیتے تھے۔

○ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو اپنے اپنے علاقہ کا قاضی مقرر فرمایا اور ان کے لیے کچھ چاندی مقرر فرمائی۔

○ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو قاضی بنایا اور ان کا سالیانہ مقرر فرمایا۔

○ اور قضاء یعنی شرعی فیصلے کرنا ایک عبادت ہے۔ اور فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اسی لیے حاکم کو جامع مسجد میں بیٹھنے کا حکم ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھ کر فیصلے فرماتے تھے۔ اور اسی طرح خلفاء راشدینؓ اور ان کے بعد کے آنے والے قاضی مسجد میں بیٹھ کر فیصلے فرمایا کرتے تھے۔

○ جب شرعی فیصلے عبادت ہوئے، فرض کفایہ ہوئے، اور امر بالمعروف ہوئے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قاضیوں کے لیے روزینے یا سالانے کیوں مقرر کیے۔ کیا نعوذ باللہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضیوں کو حرام کھانے کی اجازت دی تھی۔ یا پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات کا مفہوم سمجھ نہیں آیا، یا خلفاءِ راشدین اور دیگر صحابہؓ سب ہی بے خبر رہے۔ حالانکہ جس طرح حرام کھانا حرام ہے اسی طرح حرام کھلانا بھی حرام ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ مرا ہوا چوہا بلی کے آگے نہیں ڈال سکتے۔ اپنے آپ کھالے تو وہ اور بات ہے۔

شعبۂ اوقاف

○ جو زمینیں وقف ہیں ان کی دیکھ بھال اور ہر تین سال کے بعد مزارعین کا تبادلہ اور امورِ ضروریہ پر جو جماعت حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے تعینات کی جاتی تھی اس جماعت کا گزارہ بھی بیت مال المسلمین سے ادا کیا جاتا تھا۔

بیت المال کا قیام اور اس کی حفاظت

○ عہدِ رسالت میں بیت المال کا نظام نہ تھا۔ امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بیت المال قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔

○ بیت المال میں اونٹ، بیل، بھینس، بھیڑ بکریاں بھی ہوتی تھیں۔ ان کی حفاظت اور چارے کا انتظام کرنے والی ایک جماعت کا ہونا ضروری سمجھا گیا۔ جو رات دن وہیں رہیں۔ ڈیوٹیاں بدلتے رہیں۔ پھر عشر و خراج اور جزیہ وغیرہ جو حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے جمع کی جاتی تھیں ان کی حفاظت کرنے والے اور عاملین کو بھی بیت المال سے گزارہ دینا ضروری قرار دیا گیا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

○ حکومت اسلامیہ کی طرف سے علماء دین کی جماعت جیساکہ درس و تدریس کے لیے مقرر کی جاتی ہے اسی طرح گاؤں گاؤں میں پھر کے نیکی کا حکم دینے والی اور برائیوں سے روکنے والی جماعت کا بھیجنا بھی ضروری ہے۔ اور ان کا گزارہ بھی بیت المال المسلمین سے دیا جاتا ہے۔ اور ان علماء کی تقرری بھی ضروری ہے جو غیر مسلموں کے زبانی اعتراضوں کے جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اگر کوئی تقریر میں اعتراض کرے یا مباحثہ کرے تو اس کا جواب موقع پر دیا جاسکے۔

تنبیہ اس دور میں دین پڑھنے پڑھانے والے لوگ کم ہیں۔ جہالت عام ہے۔ اشاعت دین کی اشد ضرورت ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا تھا: طلب العلم فریضة علی کل مسلم کہ ہر مسلمان پر علم دین کی تلاش کرنا فرض ہے۔ اگر اپنے گاؤں میں بندوبست ہے تو اپنے گاؤں میں سیکھے، اگر اپنے گاؤں میں بندوبست نہیں ہے تو جہاں سے میسر ہوسکے وہاں جا کر علم حاصل کرے۔ مگر نیت خالص کرنا ضروری ہے۔ علم حاصل کرتے وقت دل میں یہ بات ہو کہ میں دین کا علم اس لیے پڑھ رہا ہوں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے کہ: یا اللہ! مجھے دین کی سمجھ عطا فرما۔ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور حافظہ قویہ عطا فرما۔ اور دین حاصل کرنے کے بعد جو دعوت و اشاعت کا فرض مجھ پر عائد ہوگا اس فرض کو باحسن الوجوہ ادا کرسکوں۔ نیز دعاء کرے کہ: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے نہ بنانا جن کے متعلق حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من طلب العلم لیجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفهاء او یصرف بہ وجوہ الناس الیہ ادخلہ اللہ النار۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۴) یعنی جو شخص اس مقصد کے لیے علم دین حاصل کرتا ہے کہ علماء کا مقابلہ کروں گا یا جاہلوں کے ساتھ جھگڑا کروں گا یا اس علم کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف مائل کروں گا جس سے میرا مقام بلند ہو اور مالی فائدہ بھی ہو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا۔

○ اور یہ دعاء بھی کرے کہ : اے اللہ ! مجھے ان لوگوں میں سے نہ بنا جن کے متعلق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیبہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیمۃ۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۴) کہ جو علم محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے سکھایا جاتا ہے وہ علم اگر کوئی آدمی اس لیے حاصل کرتا ہے تاکہ دنیا کا سامان حاصل ہو تو قیامت کے دن وہ شخص جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔

○ نیز دعا کرے کہ : اے اللہ ! مجھے ان ناخلف بےعمل لوگوں میں سے نہ بنا جو خود تو دین کا کام نہ کریں اور لوگوں کو کہتے پھریں۔ اور نہ ہی ان لوگوں میں سے بنا جو ! ایسے کام کریں جن کے کرنے کا حکم شریعت مطہرہ نے نہ دیا ہو۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۹)

○ اور یہ دعاء بھی کرے کہ : اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے نہ بنا جن کے متعلق حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ : میرے بعد ایسے لوگ بھی آئیں گے جو قرآن مجید پڑھ کر لوگوں سے بھیک مانگیں گے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۳)

○ دین پڑھنے والا جتنا کچھ پڑھے اس پر عمل بھی کرے۔ اور اپنا لباس اپنا حلیہ حضرت نبی کریم کے لباس اور حلیے جیسا بنائے۔ اور پھر اپنا وقت فضول کاموں اور فضول باتوں میں ضائع نہ کرے۔ بلکہ اپنا پڑھا ہوا سبق دہراتا رہے۔ تاکہ یاد رہے۔ اور آئندہ کل کے سبق کا مطالعہ کرے۔ اور نماز باجماعت پڑھنا اپنے ذمے لازم کرلے۔ اور ہر نماز کے بعد چونکہ قبولیت دعا کا وقت ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے ' اور قرآن مجید کی منزل صبح کی نماز سے پہلے یا پیچھے پڑھ لیا کرے۔

○ اور طالب العلم کو چاہیے کہ وہ سلف صالحین کے طریقۂ حسنیٰ کا پابند رہے۔ دنیا سے محبت نہ رکھے۔ دین پر قائم رہے۔ اور جب علوم دینیہ پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو اپنا طرز عمل اس طرح بنائے کہ اس کو دیکھ کر لوگوں میں دین کی رغبت بڑھے اور بغیر لالچ کے دین کی خدمت کرے۔ تقریر سے تحریر سے تدریس سے تبلیغ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرکے سب پہلے اپنی اولاد کو پڑھائے۔ اپنے شہر والوں کو پڑھائے۔

نمازیوں کو پاکی پلیدی نماز روزہ حج زکوٰۃ نکاح طلاق معاملات (لین دین) معاشرہ اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دے۔ اور قرآن و حدیث کا درس مسلسل دیتا ہے۔ جیسا کہ حضور رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو عالم فرض نماز پڑھ کر لوگوں کو علم دین سکھاتا ہے اور عبادت و زہد و تقویٰ و ریاضت اور صبر و قناعت وغیرہ امور دین کی تدریسًا یا تالیفًا یا تبلیغًا تعلیم دیتا رہتا ہے تو اس کا مقام اس عبادت گزار عالم سے بہت اونچا ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات بھر نفل پڑھتا رہتا ہے۔ اگرچہ علم میں وہ عابد عالم اس معلم سے علم میں زیادہ ہی ہو۔ اور وہ معلم اس عابد سے ایسے ہی افضل ہے جیسے تم میں سے کسی ادنیٰ پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳٦)

- اگر پڑھائی کے ساتھ ساتھ تجارت کھیتی باڑی صنعت و حرفت میں سے معاش کی کوئی صورت اختیار کرسکتا ہو تو تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ مشغلہ بھی جاری رکھے۔ اور اگر ایسی صورت نہیں ہو سکتی تو خود قرآن و حدیث اور فقہ کا مطالعہ کرتا رہے۔ اور اس پر عمل کرے۔ اور اگر کسی نے مسئلہ پوچھ لیا تو بتانے میں دریغ نہ کرے اور خواہ مخواہ لوگوں پر بوجھ نہ بنے۔ اور اگر طالب العلموں کو اپنے کسبِ معاش میں سے دے سکتا ہے تو جتنے طالب العلموں کا بوجھ اٹھا سکتا ہے اتنے طالب العلم رکھ کر خواہ ایک ہی ہو پڑھاتا رہے۔ اور اپنے گھر سے کھلاتا رہے۔ جیسا کہ:
- ہمارے پیر و مرشد سلطان العارفین امام الموحدین رئیس المفسرین سند المحدثین قدوۃ الفقہاء حضرت مولانا **حسین علی الوانی** رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ اپنے گھر سے کھلا کر طالب علموں کو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم دیتے رہے۔
- اسی طرح امام المناطقہ عالم اجل ماہر کتاب دان حضرت مولانا **غلام رسول** المعروف بابا انہی شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی زمین میں ہل چلاتے۔ کسی سے اپنے کھیت میں پانی پھیرتے۔ طالب العلم بھی ساتھ ساتھ چلتے چلتے کتابوں کا سبق پڑھتے رہتے۔
- اور پھر ان کے شاگرد رشید میرے استاذ مکرم معظم محترم اصولی مہندس نحوی حضرت مولانا **ولی اللہ** رحمۃ اللہ علیہ محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے مرتے دم تک

پڑھاتے رہے۔ اور ان کی اپنی گنو کہ زمین تھی۔ اس میں سے حلال کمائی کھاتے۔ اور رات دن طالب علموں کی تعلیم میں مصروف رہتے۔ رات کو عشا کے وقت مسجد میں آکر ستاروں کے بارے میں معلومات فراہم کرتے۔

○ مگر ایسے علماء بہت کم ہیں۔ جو صرف انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ ان کی بہت بڑی ہمت ہے کہ بغیر کسی لالچ کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے مرتے دم تک علم دین پڑھاتے رہے۔

○ اور اکثریت ان علماء کی ہے جو دونوں کام نہیں سنوار سکتے۔ اگر وہ کاروبار میں لگتے ہیں تو باقاعدگی کے ساتھ طالب علموں کو دین کی مکمل تعلیم نہیں دے سکتے۔ اس لیے دور دور سے فیض حاصل کرنے کے لیے آنے والے طالبان علم دین کا بہت سا حرج ہوتا ہے۔ جنھوں نے ایک عالم بے بدل کا شہرہ سن کر کے علم دین حاصل کرنے کے لیے اپنا گھربار چھوڑا۔ اپنا کاروبار چھوڑا۔ تو اس محدث فقیہ مفسر عالم کے تجارتی و صنعتی مشاغل کی وجہ سے کچھ حاصل نہ کرسکے تو وہ جگہ چھوڑ کر دوسرے عالم فاضل کے پاس جاتے ہیں پھر اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ اس طرح علم دین پڑھنے والے مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوسکتے۔

○ پھر علم دین حاصل کرنے والے بھی اصحاب صفہ نہیں ہیں۔ جو گٹھلیاں توڑ کر گزارہ کرلیں۔ اور بھوکے ننگے رہ کر علم دین حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کردیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ کی آیت ۲۷۳ نازل فرمائی تھی۔ اور نہ ہی وہ دور رسالت ﷺ جس میں ایک پیالہ دودھ کا اتنی طالب علموں کو معجزۃً کفایت کرگیا تھا۔ اس دور میں "طالب العلم فقر و فاقہ کے ساتھ علم دین حاصل کرنے والے کہاں سے آئیں گے۔ خاص کر جب انھیں یہ علم ہو کہ فقر و فاقہ کے ساتھ اگر ہم نے علم دین حاصل کر بھی لیا تو عالم ہوکر علم دین پڑھنے پڑھانے والوں کی غربت اور فقر و فاقہ برابر رہے گا۔

○ یہ باتیں دیکھ کر عوام کے ذہن اس طرف پھر گئے کہ وہ اپنے بچوں کو اگر دین

پڑھائیں گے تو بھوکے مریں گے۔ اس لیے اپنی اولاد کو دنیوی علوم پڑھاتے ہیں اور ان پر دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ فیسیں ادا کرتے ہیں۔ اور ٹیوشنیں بڑھ چڑھ کر دیتے ہیں۔ اور اگر کسی دینی ذوق رکھنے والے غریب آدمی کا خیال آجائے کہ میرا بچہ قرآن مجید بھی پڑھ جائے تو اس کے لیے کسی قاری کو ٹیوشن دے کر قرآن مجید پڑھوائے گا۔ مگر قرآن مجید پڑھانے والے کو ٹیوشن دو سو اور انگریزی پڑھانے والے کی پانچ ہزار۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ اور امریکہ سے ڈگریاں حاصل کرنے کے لیے بچے کو بھیجتے ہیں اور اس پر کروڑوں روپیہ لگا دیتے ہیں۔ جہاں سے وہ ڈاکٹر اور انجینئر وغیرہ بن کر نکلتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر بعض بے چارے مولوی جنھوں نے اپنی زندگی تو فقر و فاقہ میں گزاری اور ان مالداروں کو دیکھ کر وہ بھی بجائے اس کے اپنی اولاد کو علم دین سکھائیں دنیوی فنون سکھانے کے لیے وہاں داخل کرتے ہیں جہاں سے فارغ ہوکر دنیوی زندگی خوشحالی سے گزاریں اور علم دین کی طرف توجہ کم ہوگئی رفتہ رفتہ وہی دور آجائے گا جس کی پیش گوئی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے۔

○ اس گئے گزرے دور میں ایسے حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ کچھ اللہ کے بندے ایسی تحریک اٹھاتے جس سے لوگ دین کی تعلیم کی طرف راغب ہوتے۔ اور عوام کو شوق دلائی جاتی کہ تم اپنے بچوں کو دنیوی تعلیم دلا کر دنیا ہی کی خوشحالی چاہتے ہو جبکہ دنیا فانی ہے۔ یہاں کی زندگی جاودانی نہیں ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ اس کی خوشحالی چاہیے۔ اور آخرت کی زندگی کی خوشحالی کے لیے دینی تعلیم اہم ہے۔ اپنے بچوں کو دین سکھاؤ۔ اور ان پر اپنی دولت لگاؤ۔ آپ کو ثواب ملے گا۔ اور جو شخص نادار ہے اور ذہین فہیم ہے۔ اس کو پیسہ دے کر مدارس اسلامیہ میں داخل کرو۔ اور مدرسین کی بھی حوصلہ افزائی کرو۔ تاکہ وہ کسب معاش سے بے فکر ہوکر علم دین پڑھیں اور پڑھائیں۔ اور تصنیف و تالیف کا خرچہ برداشت کریں۔ اور غیر مسلموں کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا جاسکے۔ پھر علم دین حاصل کرنے کے لیے کتابیں خریدنی پڑتی ہیں۔

جس طرح علوم دنیویہ کی تحصیل کے لیے کتابیں قلم سیاہی خریدنے سے چارۂ کار نہیں پہلی جماعت سے سولھویں جماعت تک کتابوں کا خرچہ برداشت کیا جاتا ہے' مختلف قسم کی فیسیں دی جاتی ہیں' پرائیویٹ ٹیوشنیں بھی دی جاتی ہیں اور خدا معلوم کس قدر خرچ کرتے ہیں۔ اسی طرح علوم دینیہ کے لیے بھی کتابیں خریدی جاتی ہیں۔ مختلف علوم کی کتب صرف' نحو' منطق' فلسفہ' ریاضی' ہندسہ' حساب' جغرافیہ' تاریخ' لغت' ادب' معانی' بیان' بدیع' فقہ' اصول فقہ' حدیث' اصول حدیث' تفسیر' اصول تفسیر' میراث' تجوید' اسماء الرجال' عقائد' مناظرہ' رد مذاہب باطلہ کے لیے کتب' غیر مذاہب کی کتب کا حصول۔

○ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دینی نصاب کی کتابیں بہت کم بدلتی ہیں۔ خریدی ہوئی کتابیں ہمیشہ استفادے کے قابل رہتی ہیں۔ جبکہ سکول اور کالج کی کتابوں میں عموماً سال دو سال کے بعد تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

○ اہل ثروت لوگوں کو چاہیے کہ اپنی دولت فضول کاموں میں خرچ کرنے کی بجائے اپنے بچوں کی دینی تعلیم پر خرچ کریں۔ اگر تمھاری اولاد پڑھ جائے گی تو وہ جو عمل کرے گی اور دین کی اشاعت کرے گی' لوگوں تک دین پہنچائے گی' کتابیں تصنیف کرے گی تو اس کا ثواب تمھیں بھی ملے گا۔ جیسا کہ:

○ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ان مما یلحق المؤمن من عمله و حسناته بعد موته علماً علمه و نشره و ولداً صالحاً ترکه (الحدیث مشکوٰۃ صفحہ ۳۶) یعنی مومن کے مرنے کے بعد جو نیکیاں اس کو پہنچتی رہتی ہیں ان میں سے ایک وہ علم ہے جو پڑھ کر آگے اس کی اشاعت کرتا اور پھیلاتا ہے۔ اور دوسرا نیک بچہ جو چھوڑ کر مرتا ہے اور وہ اپنے والدین کے حق میں دعائیں کرتا ہے۔

○ اور اگر دنیوی علوم سکھاؤ گے تو مرنے کے بعد اس کا تمھیں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ بلکہ وہاں بازپرس ہوگی کہ میں نے تجھے اولاد جیسی نعمت عظمیٰ دی تھی' اس کو دینی

تعلیم دینا تیرا فرض تھا۔ تو نے دنیار دنی کے پیچھے لگ کر نہ خود علم سیکھا اور نہ ہی اپنی اولاد کو سکھایا بلکہ دنیا حاصل کر کے فضول کاموں میں اڑاتا رہا۔ جبکہ میں نے کہا تھا : وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ (بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل ـ ۱۷:۲۶ و ۲۷) یعنی رشتہ دار غریب اور مسافر ہر ایک کو اس کا حق پہنچاتے رہو۔ اور دولت کو بے جا مت اڑاؤ کیونکہ دولت کو بے جا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

- نیز میں نے قرآن مجید میں فرمایا تھا : ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (اَلتَّکَاثُرُ ـ ۱۰۲:۸) یعنی میں نے جو جو نعمتیں تم کو دنیا میں دی تھیں قیامت کے دن ان کے بارے میں تم سے پوچھ ہوگی کہ تم نے کہاں کہاں خرچ کی۔

- دنیادار بڑی محنت سے دنیا کماتے ہیں۔ دنیا میں تو خوشحالی محسوس ہوتی ہے۔ مگر آخرت میں اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا اور نہ مرنے کے بعد اولاد کو علم دنیا پڑھانے کا فائدہ ہوگا۔ بخلاف علم دین کے کہ جو شخص اپنی اولاد کو قرآن مجید اور علم دین پڑھائے گا اس کے مرنے بعد عالم برزخ میں قیامت سے پہلے پہلے بھی ملتا رہے گا۔ اور قیامت میں جنت کے اندر بھی اس کو تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کو بھی مات کرتی ہوگی۔

- اور جو شخص دین حاصل کرنے کے لیے بچے کو شفیق استاذ کے پاس پڑھنے بھیجے گا تو وہ استاذ اس کو بغیر کسی عوض کے بےلوث دین پڑھانے میں اپنا وقت صرف کرے گا تو تمہارا بھی حق بنتا ہے کہ ایسے بےلوث استاذ کو کوئی صلہ دیں۔ استاذ کا دل خوش ہوگا تو تمہارے بچے کو پڑھانے میں زیادہ وقت لگا کر خوب محنت کرے گا اور اس کی دیکھ بھال اور نگرانی خوب کرے گا اور اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہوگا۔ اور تمہارے درجے بڑھائے گا۔ اور پھر اس رئیس کو دیکھ کر دوسرے رئیسوں کو بھی شوق ہوگا کہ ہم بھی اپنے بچوں کو علم دین ہی پڑھائیں۔

- اور اگر اس دور میں ان مربعوں اور ملوں والوں کو یہ شوق نہ دلایا جائے کہ اپنی اولاد کو دین پڑھاؤ اور یہی کہتے رہیں کہ علم دین پڑھنے پڑھانے والے کو لینا دینا حرام ہے تو خواہ کتنا ہی بڑا عالم فاضل حافظ قاری محدث مفسر ہو تو اگر اس حدیث پر عمل کرے جو حضرت نبی کریم نے فرمایا ہے: تعلموا العلم وعلموه الناس تو وہ مجبور ہو کر اس حدیث پر عمل کرنے کی بجائے اپنے بچوں کو خرچ کرنے میں جو اس کا فرض بنتا ہے حلال روزی کمانے میں لگ جائے گا۔ جیسا کہ:

- حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: کسب الحلال فریضة بعد فریضة (شعب الایمان للبیہقی) ایمانیات، عبادات، کے بعد حلال کمانا بھی فرض ہے۔

- پھر جب قرآن مجید پڑھانے والے کے پاس کوئی پڑھنے والا آئے، تو قرآن مجید پڑھانے والا عالم، حافظ، قاری عذر پیش کرے کہ آج میں سبق نہیں پڑھاتا۔ کیونکہ مجھے سودا لینے کے لیے باہر جانا پڑ گیا ہے۔ جب واپس آؤں گا۔ تو اس وقت سبق پڑھ لینا۔ پھر تیسرے دن پڑھانے والا واپس آیا پھر پڑھنے والے کو کہتا ہے کہ آج تو رتجگا رہا ہے، اس لیے میں کچھ دیر سوتا ہوں جب طبیعت درست ہو جائے گی تو پڑھ لینا۔ پھر پڑھنے والے کو کسی شہر میں کسی کام کے لیے جانا پڑ گیا تو یہی چکر وہاں بھی رہے گا۔ تو ایسی صورت میں قرآن مجید سیکھنا موقوف ہو گیا۔ کیونکہ پڑھنے والے نے جو کچھ پڑھا تھا وہ بھول جائے گا۔ پھر نماز کون سکھائے گا۔ دین کے مسئلے کون سکھائے گا۔ جب کہ دین کی بات سمجھنے والا اپنی حلال روزی کمانے کے چکر میں رہے گا۔ نہ کوئی خطیب ملے گا۔ اور نہ کوئی واعظ اور نہ کوئی مدرس۔ پھر کوئی شخص اپنی اولاد کو دین (قرآن، حدیث، فقہ عقائد وغیرہ) نہ پڑھائے گا۔ بلکہ پیٹ پالنے کے لیے کوئی دنیوی فن سکھائے گا۔ مثلاً: انگریزی، سائنس، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ، حساب، وغیرہ تو دین کی سوجھ بوجھ نہ ہوگی۔ اور جو علماء ہیں وہ فوت ہو جائیں گے۔ اور سیکھنے والے انگریزی سیکھیں گے۔ تو اس طرح علم دین ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ:

○ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بطور پیش گوئی کے فرمایا ہے: یُقْبَضُ الْعِلْمُ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۳) یعنی علماء دین دنیا سے چلے جائیں گے تو علم دین بھی دنیا سے اٹھ جائے گا۔

○ نیز حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ کوئی جماعت کرانے کا اہل نہ ملے گا۔ لوگ ایک دوسرے کو مصلے کی طرف دھکیلیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ اس نے اتنا اندازہ سیکھا ہی نہیں جس سے نماز ہو سکتی ہو۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۰۰)

○ نیز فرمایا کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ میت کی وراثت تقسیم کرنے کے لیے کوئی صحیح تقسیم کرنے والا نہیں ملے گا۔ (جامع صغیر صفحہ ۱۳۰)

○ نیز فرمایا کہ لوگ بجائے دین حاصل کرنے کے دنیا اور دولت جمع کرنے میں لگ جائیں گے اور یہ بھی نہ سوچیں گے کہ حلال طریقے سے آیا ہے یا حرام طریقے سے اور علم دین ناپید ہو جائے گا۔

○ پھر اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر غیر مسلموں کو مسلمانوں میں لادینی پھیلانے کا خوب موقع میسر ہوگا۔ اور کہا جائے گا کہ آؤ ہم سے علم سیکھو۔ ماسٹر بن جاؤ گے۔ ٹیچر لگ جاؤ گے۔ افسر لگ جاؤ گے پروفیسر بن جاؤ گے ڈپٹی کمشنر کلرک ہیڈ کلرک، پریذیڈنٹ، افسر مال، انجینیر، ڈاکٹر، بن جاؤ گے۔ ہزاروں روپے کماؤ گے۔ خوش حال ہو جاؤ گے۔ دیکھو ملا کس قدر ذلت کی زندگی گزار رہا ہے۔ اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے تعویذ بناتا ہے۔

○ اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض بڑے بڑے علماء محدثین اور مفسرین نے غلطی سے اپنی اولاد کو دین سکھانے کی بجائے سکول اور کالجوں میں تعلیم دلوائی تا کہ ان کو ہماری طرح معاشی فکر نہ ہو۔ پھر ان عالموں کی اولاد بے دینی میں دوسرے دنیاداروں سے بھی سبقت لے جاتی ہے۔ تو گویا ان لوگوں کی طرف سے "قرآن مجید پڑھانے پر اجرت لینے کو حرام کہنے کا فتویٰ" لادینی پھیلانے کی طرف پیش قدم ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

دینی امور پر انفاق کا حکم

○ امورِ دینیہ میں خرچ کرنا فرض ہے۔ اور خرچ نہ کرنا موجب ہلاکت ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن: وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ (۲: ۱۹۵)

ترجمہ: اور جس طرح اسلام کا بول بالا کرنے اور کفر و شرک کا زور توڑنے کے لیے جان لڑا دینے کے لیے میرا حکم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی اسلام کا بول بالا کرنے اور کفر و شرک کا زور توڑنے کے لیے مال بھی خرچ کرو۔ جو اسلحہ کی خرید اور مجاہدین پر خرچ کرنے، زخمیوں کے علاج معالجہ اور مجاہدین کے پسماندگان کی مالی امداد میں خرچ کیا جا سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنے میں تمھاری ہلاکت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ نہ کر کے اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ کیونکہ اگر تم مال خرچ نہ کرو گے تو مجاہدین جہاد نہ کر سکیں گے۔ تو دشمن تم پر غالب ہو جائے گا۔ اور یہی تمھاری ہلاکت کا باعث ہو گا۔

○ علماء کرام نے اس آیت کے تین معنے کیے ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان دے دو۔ یعنی جہاد کرو۔ اور ترکِ جہاد موجب ہلاکت ہے۔ کیونکہ اگر جہاد ترک کر دو گے تو دشمن تم پر غالب ہو جائیں گے اور آخر کار تمھاری ہلاکت کا باعث بنے گا۔

② اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ اور اگر مال خرچ نہ کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ ہلاکت جان کی، ہلاکت دین کی۔ یعنی اگر احیائے دین کے لیے جان و مال خرچ نہ کرو گے تو دشمن تم پر مختلف قسم کے حربے استعمال کر کے تم پر غلبہ پا لے گا۔ دین اسلام کے خلاف تقریراً و تحریراً محاذ قائم کرے گا۔ مناظرے کرے گا۔ کتابیں لکھے گا۔ عوام کو گمراہ کرے گا۔ ان کے عقائد خراب کرے گا۔ اس طرح دینی اعتبار سے ان پر مُردنی چھا جائے گی۔ اور جو ان کی نہ مانے گا ان کے ساتھ لڑے گا۔ جیسا کہ مختلف ممالک میں اس وقت ہو رہا ہے۔

③ مال تو خرچ کرو۔ مگر نہ اس قدر کہ خود محتاج ہو جاؤ۔ کیونکہ تمہارا محتاج ہونا بربادی کا باعث ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (۱۷: ۲۹)

ترجمہ یعنی نہ تو ہاتھ گردن ہی سے باندھ لے۔ یعنی غایت بخل سے بالکل ہی ہاتھ روک لیا جائے۔ اور نہ بالکل ہی کھول دے۔ یعنی اسراف کرے، ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر بیٹھ جائے گا۔

جہاد کی اقسام

○ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاهدوا المشركين بأموالكم وانفسكم والسنتكم (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۲ بحوالہ سنن ابی داؤد و نسائی و دارمی) یعنی جان مال اور زبان کے ساتھ مشرکین سے جہاد کرو۔

○ اس فرمانِ نبویؐ سے معلوم ہوا کہ جہاد تین طرح کا ہوتا ہے۔

① **جانی جہاد:** کافروں کے ساتھ قتال کر کے اپنی جان لڑا دینا۔

② **مالی جہاد:** اور مالی جہاد اسلحہ کی خریداری اور مناظرے کے لیے کتابوں کی خریداری اور مجاہدین اور مناظرین سے مالی تعاون۔

③ **لسانی جہاد:** کفار کے ساتھ مناظرے کرنا۔

رزق حلال کمانے کی فرضیت

○ نیز حلال مال کمانا بھی فرض ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۶۲: ۱۰)

ترجمہ پھر جب نماز پوری ہو چکے تو پھر تمہیں اجازت ہے کہ تم زمین میں گھومو اور اللہ کے فضل یعنی رزق حلال کی تلاش کرو۔ اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

○ یعنی معاش کی جستجو میں اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاؤ۔ تجارت، نوکری، صنعت

دستکاری، کھیتی باڑی، یا اور کوئی جائز ذریعہ معاش ہو۔ جتنا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اور اس کے بتائے ہوئے مصارف میں خرچ کرو۔ بینکوں میں جمع کرنے کی فکر نہ کرو۔ کیونکہ:

مال جمع کرنے کی ممانعت

○ مال جمع کرنے والوں کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قرآن وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۹ : ۳۴)

ترجمہ جو لوگ سونا چاندی وغیرہ جمع کرکے رکھتے ہیں یعنی اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں۔ مطلب یہ ہے کہ شریعت کے واجب کیے ہوئے مصارف میں اور اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے خرچ نہیں کرتے تو آپؐ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔

○ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ ① الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ② يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ③ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ④

ترجمہ ہر ایسے شخص کے لیے تباہی ہے جو پیٹھ پیچھے لوگوں کی عیب چینی کرے اور سامنے ان پر آوازے کسے طعنے دے اور گالیاں۔ جو مال جمع کرتا ہے اور اسے گن گن کر سامان بنا کر رکھتا ہے۔ کیا اس نے یہ گمان کر لیا ہے کہ مال اس کو ہمیشہ رکھے گا یعنی مال کی بدولت ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ہرگز نہیں مال اس کو کبھی نہ ہمیشہ رکھے گا آخر سے مرنا ہے اور مال یہیں رہ جائے گا اور کفر کی وجہ سے ضرور اس کو حطمہ (یعنی وہ آگ جس میں جو کچھ پڑے وہ اس کو توڑ پھوڑ دے) میں ڈالا جائے گا۔

○ اللہ تعالیٰ نے حلال ذریعے سے مال کمانے کو اپنا فضل اور نعمت بتایا ہے جس کی پوچھ ہوگی کہ کہاں کہاں خرچ کیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (۱۰۲ : ۸)

پھر تم سب سے اس دن دنیوی نعمتوں کی بازپرس ہوگی کہ تم نے لے کہاں کہاں خرچ کیا۔

- مال اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ جس سے خاطر جمع ہو عبادت میں اور درجے بڑھیں بہشت میں' اور اس کو بے جا اڑانا ناشکری ہے۔ اور بے جا مال اڑانے والے ناشکری میں شیطان کے بھائی ہیں۔
- نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری)
- نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قرآن لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (۷: ۳۱)

ترجمہ اور حد سے مت نکلو' یعنی زائد از حاجت نام و نمود اور دکھلاوے کے لیے مال خرچ نہ کرو۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ زائد از حاجت خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

- اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بے موقع خرچ کرنے سے منع فرمایا:

قرآن وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (۱۷: ۲۶ و ۲۷)

ترجمہ دولت کو بے جا مت اڑاؤ' کیونکہ دولت کو بے جا اڑانے والے نعمت مال کی ناقدری کرنے میں شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان تو اپنے رب کا ازل سے ناقدر شناس ہے۔

- اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور فساد میں مال خرچ کرنا دین اسلام اور اہل اسلام کی توہین میں مال لگانا' دشمنان اسلام کی اعانت میں مال لگانا' لوگوں کو راہِ حق سے روکنے کے لیے مال لگانا' تکبر اور فخر کے طور پر مال لگانا۔ یہ سب حرام اور تبذیر میں داخل ہیں۔ اور آج کل لوگوں کا ناجائز مال اڑانا بھی اسی قبیل سے ہے۔ مثلاً:
- شادی بیاہوں میں ڈوموں' میراسیوں' نٹوں اور نٹنیوں کو دینا۔
- سہرا اور گانا باندھنا۔
- مردوں کو ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا۔
- ڈاڑھی منڈانا یا قبضہ سے کم کتروانا۔
- عورتوں کا ناخن پالش لگانا۔

- عورتوں کا نائی سے بالوں کی خاص وضع بنوانا۔
- شادی میں مہندی کی رسم۔
- ڈھول باجے شہنائیاں کھیل تماشے۔
- کرکٹ فٹ بال والی بال جیسے تمام ناجائز کھیلوں پر خرچ۔
- مکان بنانے میں بے جا مینا کاری۔
- دعوتوں پر خرچ کرنا۔ اور اس ضمن میں جھنڈے جھنڈیاں اور کاغذ کپڑا اور بانس وغیرہ کا خرچ۔
- شادی یا اور کسی موقع پر ٹینٹ اور تمبو لگانا۔
- مرنے پر قل' تیجا' ساتا' دسواں اور چالیسواں اور کونڈے کرنا۔
- قبروں کو پختہ بنانا۔
- قبروں کو بلند کرنا۔ اور قبے بنانا۔ قبروں پر چونہ گچ کرنا' اور چادریں چڑھانا۔
- غیر اللہ کی نذر ماننا۔
- پیدائش کے موقعوں پر فضول دعوتیں۔
- ولیمہ اور نسیکہ (عقیقہ) کے ساتھ فضول لوازمات۔
- کرائے پر میز کرسیاں منگوا کر کھڑے کھڑے کھانا پینا' جو غیر مسلموں کا طریقہ ہے اور اسلامی طریقہ کے خلاف ہے۔
- غیر مسلموں کے غیر شرعی لباس کا استعمال۔
- سرکس' سینما' بائی سکوپ' بتوں کا کھیل' میلہ منڈیوں کے کھیل وغیرہ۔
- بندروں اور لنگوروں کا کھیل'
- مرغ بازی' بٹیر بازی' کتوں کی لڑائی'
- گھوڑ دوڑ کا تماشہ'
- وڈیو' ٹی وی' وی سی آر' ڈش انٹینا' یا اس قسم کے دیگر فضول نشریات والے آلات کی خرید و فروخت اور ان آلات کی مرمت کرنے والوں کو اجرت دینا۔

- ان قرآنی ہدایات کی مطابق آج کل کے مصلحین کا فرض اولین ہے کہ اصل اور جڑ کو کاٹیں شاخیں خود بخود ختم ہوجائیں گی۔ جیسا کہ محاورہ ہے: "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"۔ اس اصول کے تحت ان کو چاہیے کہ پہلے ان لوگوں کو نصیحت کریں جو بے موقعہ اور بے محل اپنی کمائی اڑاتے ہیں، تاکہ وہ ان مقامات پر خرچ کرنا چھوڑدیں۔ جب دینے والے دینے سے رک جائیں گے تو لینے والے کہاں سے لیں گے؟ ڈنڈے کے زور پر تو لینے سے رہے۔
- اور ان مصلحین کا فرض بنتا ہے کہ پہلے سرکاری اداروں کو مشورہ دیں کہ ریڈیو ٹیلی ویژن وغیرہ پر کروڑوں روپیہ ضائع ہوتا ہے۔ ان کو ختم کرو اور قومی پیسے کی بچت کرو۔ اس طرح رفاہِ عامہ میں روپیہ لگانے کے لیے باہر سے قرض لینے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ اور نہ ہی سود کی لعنت کے بوجھ میں دبیں گے۔ ملک خوشحال ہوجائے گا۔
- نیز درخواست دے کر ملازمت اختیار کرنے والا تنخواہ خور مولوی، خطیب، معلم، مؤذن، خادم مسجد، نعت خوان، ریڈیو وغیرہ میں قرآنی رکوع پڑھنے والے، ترجمہ کرنے والے، مسائل بیان کرنے والے، گانے والے، گانے والیاں، ناچنے والے، ناچنے والیاں، سب کی چھٹی کرو۔ کوئی مرد یا عورت بلکہ کوئی جاندار ٹی وی پر نظر نہ آئے۔ نہ ہی ریڈیو میں عورت خبریں سنائے۔ بلکہ ریڈیو کے ماسوا پاکستان میں ان آلات کا داخلہ ہی ممنوع قرار دیا جائے۔ اور رسائل و جرائد و اخبارات میں جو دینی مسائل آتے ہیں ان کو بھی بند کردیں۔ اور جس کسی کو کوئی مسئلہ پوچھنے کی ضرورت محسوس ہو وہ اپنے اپنے معتمد علیہ مولوی سے پوچھ لیا کرے۔
- اسی طرح تصاویر پر کلی طور پر پابندی لگائی جائے۔
- اور مسیحی فرقوں پر پابندی لگائیں کہ اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے نہ دفتر بنائیں نہ کتابیں رسالے اور جریدے شائع کریں۔
- نیز انھیں نیا گرجا بنانے سے منع کیا جائے۔ البتہ پرانے گرجاؤں کی مرمت کی

اجازت دی جاسکتی ہے۔

○ اسی طرح مرزائیوں، اسماعیلیوں، رافضیوں وغیرہ مذاہب باطلہ پر پابندی لگائی جائے کہ وہ اپنے مذہب کی اشاعت نہ تحریراً کریں اور نہ تقریراً۔

○ اسی طرح فرقہ واریت کے تمام اسباب پر پابندی لگائی جائے۔ مثلاً اذان بلالیؓ میں اضافہ کرکے اپنے تشخص کے اظہار سے فرقہ واریت کو جنم نہ دیا جائے۔ جیسے:

① اشہد ان علیاً ولی اللہ ......

② حی علیٰ خیر العمل ...... اور:

③ جعلی درود باآوازِ بلند پڑھنے پر پابندی لگائی جائے۔ کیونکہ ان باتوں سے فرقہ واریت کا اظہار ہوتا ہے۔

○ اسی طرح ریڈیو پر ایسے پروگراموں کو بند کیا جائے جن سے فرقہ واریت جنم لیتی ہو۔

○ اور ہتھیاروں پر پابندی لگائی جائے۔ اور چھاپے مار کر سب ہتھیار برآمد کر کے ضبط کر لیے جائیں۔

○ چلے اور قحبہ خانے بند کر دیے جائیں۔

○ شراب نوشی سگریٹ بیڑی اور دیگر منشیات پر پابندی لگائی جائے۔

○ شادی بیاہوں پر فضول خرچی کرنے والوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔

○ نیز ان مصلحین کا جیسے محاورہ ہے "الٹے بانس بریلی کو" ان مقامات پر نہ حکومت کو مشورہ دیتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کو فضول خرچ کرنے سے روکتے ہیں۔ ان کو فضول خرچی کرنے پر کھلی چھٹی دینا اور علم دین پڑھا کر وظیفہ لینے والوں کو روکنا سعیِ معکوس ہے۔

تحصیل علم کی فرضیت

○ دین کا علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

○ اور علم سے مراد علم دین ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

حدیث يَا حُذَيْفَةُ! عَلَيْكَ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَتَعَلَّمْهُ وَاتَّبِعْ مَا فِيهِ۔ اے حذیفہ! اللہ تعالیٰ کی کتاب کو لازم کر پکڑو، پھر اس کو سیکھو اور جو احکام اس کتاب اللہ میں درج ہیں ان کی پیروی کرتے رہو۔ (کنز العمال جلد ا صفحہ ۱۹۸)

○ اسی طرح ۱۔ امیر المومنین سیدنا امام عثمان رضی اللہ عنہ ۲۔ امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ ۳۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اور ۴۔ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث خِيَارُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهُ۔ کہ تم میں سے پسندیدہ اور چیدہ آدمی وہ ہے جو قرآن مجید کا علم سیکھے اور پھر دوسروں کو سکھائے۔ (مسند دارمی صفحہ ۴۲۶ و مسند ابویعلیٰ جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ و معجم کبیر طبرانی جلد ۸ صفحہ ۳۰۲ و علل الحدیث جلد ۲ صفحہ ۶۵ و مشکوٰۃ)

○ اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ کہ پہلے خود علم دین حاصل کرو، اس کے بعد دوسرے لوگوں کو سکھاؤ۔

○ پھر ان لوگوں میں سے اپنی اولاد کی تربیت پہلے فرض ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حدیث مُرُوا اَوْلَادَكُمْ بِطَلَبِ الْعِلْمِ۔ اپنی اولاد کو علم دین حاصل کرنے کا حکم دو۔

علم کا اطلاق کتب سماویہ پر ہوتا ہے

○ اللہ تعالیٰ نے علم کا اطلاق کتب الہیہ پر کیا ہے۔ چنانچہ "اُولُوا الْعِلْمِ" سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام اور مومنین ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ (۳ : ۱۸)

ترجمہ گواہی دی اللہ نے اس کی کہ بجز اس کے کوئی پکار کے لائق نہیں، اور فرشتوں نے بھی اور اہلِ علم نے بھی۔

○ اسی طرح اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ (۳ : ۷) یعنی جو لوگ علمِ دین میں پختہ کار اور فہیم ہیں۔ یہاں بھی مومنون مراد ہیں۔

○ اسی طرح سورۃ عنکبوت میں فرمایا : بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ (۲۹ : ۴۹) بلکہ یہ قرآن مجید بہت سی واضح دلیلوں کا مجموعہ ہے۔ جو ان لوگوں کے سینوں میں ہے جن کو علم عطا کیا گیا۔

علمِ دین سے ناواقف شخص جاہل ہے

○ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جاہل قرار دیا جو قرآن مجید کے علم سے ناواقف ہیں۔ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (۶ : ۱۰۰) یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے تراش رکھی ہیں۔ جیسا کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور بعض یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اور مشرکینِ عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ قرآنی اصطلاح میں علم سے مراد علمِ دین ہی ہے۔ اور اس کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور ان میں بعض علوم ایسے ہیں جن کا جاننا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے۔ اور بعض علوم فرضِ کفایہ ہیں۔ اور اس کے کئی شعبے ہیں۔ مثلاً :

ہر مسلمان کے لیے (فرضِ عین)

○ وہ مسائل جن کا علم ہر چھوٹے بڑے امیر غریب اور مرد و زن کو سیکھنا ضروری یعنی فرضِ عین ہے۔ مثلاً : ۱ عقیدہ، ۲ طہارت یعنی پاکی پلیدی کے مسائل، ۳ حلال حرام، اور ۴ نماز روزہ کے مسائل۔

مالداروں کے لیے

○ وہ مسائل جو مالداروں کو سیکھنا فرض ہے۔ جیسے : زکوٰۃ اور مصارفِ زکوٰۃ، عشر، صدقۂ فطر، قربانی، ہدی، اور حج وغیرہ۔

ہر بالغ کے لیے

○ وہ مسائل جن کا جاننا ہر بالغ کو فرض ہے۔ جیسے : نکاح، طلاق، رضاع، حضانت (پرورش کرنا) نفقہ اور تربیت اولاد۔ تدبیر منزل اور سیاست مدنی۔

تاجروں کے لیے

○ وہ مسائل جن کا علم تاجروں پر فرض ہے۔ جیسے : خرید و فروخت، مضاربت، شرکت، ودیعت، کفالہ، حوالہ، اقالہ، عاریۃ، ہبہ، شفعہ، رہن، ربو، مرابحۃ، تولیہ، وکالت، سلم، اور صرافہ۔

ہر ملازم کے لیے

○ وہ مسائل جن کا علم ہر ملازم پر فرض ہے۔ جیسے : اجارہ کے تمام مسائل۔

زمینداروں کے لیے

○ وہ مسائل جن کا علم ہر زمیندار پر فرض ہے۔ جیسے : مزارعت، مساقاۃ، شفعہ، بنجر زمین کی آبادکاری، پانی کی باری، نہر کی کھدائی، رہن، عشر، اور خراج۔

حاکم کے لیے

○ حاکم کے فرائض : اقامت جمعہ و عیدین، آداب القاضی، شہادات و اقرار، تحکیم، یمین، مدعی اور مدعی علیہ کا امتیاز، صلح، اکراہ، حجر، ماذون، تقسیم اراضی وغیرہ، قسامہ، اور حدود شرعیہ کا قیام، حبس، لعان۔

خلیفۂ وقت کے فرائض

○ خلیفۂ وقت کے فرائض : اقامت جمعہ و عیدین، اقامت حدود، زکوٰۃ اور عشر کی فراہمی، اوقاف کا انتظام، مدارس اسلامیہ کا قیام، خطیب، والی، امام اور معلمین کا تقرر۔ سیاست ملکی۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت، جہاد فی سبیل اللہ، اسلامی فوج کا ہر وقت چوکنا رہنا۔ اور ان امور کے متعلق اسلامی ہدایات کے اصول کا علم، مال فیٔ و غنائم کی تقسیم کے مسائل۔

قریب الموت کے لیے

○ قریب الموت کے احکام مثلاً : وصیت کی جائز و ناجائز صورتوں کا علم، اور وراثت کے احکام۔

○ یہ علوم ہر مسلمان پر ابتداء میں سیکھنا ضروری ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے یہ علوم حاصل نہ کر سکا ہو تو اسے اس کے حصول میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ موت کا کچھ علم نہیں کب آجائے۔

علم دین سے ناواقفیت کی خرابیاں

○ قرآن مجید کا علم حاصل نہ کرنے والوں کے لیے قرآن مجید میں وعید آئی ہے۔ مثلاً:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ

(۲۰ : ۱۲۴) یعنی جس شخص نے میرے قرآن مجید میں بیان کردہ نصیحت سے اعراض کیا تو اس کے لیے تنگی کا جینا ہوگا۔ اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا کرکے اٹھائیں گے۔

○ علم دین کی ناواقفیت کی وجہ سے انسان اپنی دنیوی زندگی میں ایسے ایسے کام کر گزرتا ہے جو آخرت میں خسارے کا باعث ہوگا۔ مثلاً:

خرابی ۱ بعض اوقات انسان ایسی ایسی باتیں کرتا ہے جس سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اگر شادی شدہ ہے تو نکاح بھی ٹوٹ جائے گا۔ اور وہ لاعلمی کی وجہ سے یہی سمجھے گا کہ میرا کچھ نہیں بگڑا۔ میں ایمان دار ہوں، اور میرا نکاح بھی قائم ہے۔ حالانکہ نہ اس کا ایمان رہا اور نہ نکاح۔ اور ناجائز طریقے پر عورت کو گھر بسا رکھا ہے۔

خرابی ۲ نیز اس کو حلت و حرمت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے وہ مال حرام طریقے سے کمائے گا، اور اسے حلال سمجھے گا۔

خرابی ۳ اسی طرح نماز پڑھے گا تو کوئی ایسا امر عارض ہو گیا کہ جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یا اس پر سجدہ سہو کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اس طرح کرنے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ وہ یہی سمجھے گا کہ میری نماز درست ہو گئی۔ اور قیامت کے دن نماز نہ پڑھنے کی سزا پائے گا۔

○ اسی طرح اگر کسی کو یہ علم نہ ہو کہ کس امام کے پیچھے نماز ہوتی ہے اور کس کے پیچھے نہیں ہوتی۔ اگر اس نے کسی ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھ لی جس کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی۔ اور وہ سمجھا کہ میری نماز صحیح ہو گئی ہے، تو قیامت کے دن نماز نہ پڑھنے کی سزا پائے گا۔

خرابی اسی طرح روزہ رکھے گا تو ایسا کام کرے گا جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور وہ سمجھے گا کہ میرا روزہ قائم ہے۔ اور قیامت کے دن روزہ توڑنے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اور اس سے اس بات کی بازپرس بھی ہوگی کہ تو نے روزے کے مسائل کیوں نہ سیکھے۔ جس سے تجھے علم ہوتا کہ کن چیزوں سے روزہ ٹوٹتا ہے اور کن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

خرابی اسی طرح حج کرے گا تو اس میں ایسی حرکتیں کرے گا جس سے حج باطل ہو جاتا" یا دم لازم آتا ہے اور وہ یہ سمجھے گا کہ میں حاجی ہوں۔ اور دوبارہ اس کی قضاء نہ کرنے یا دم نہ دینے کی وجہ سے ہمیشہ گناہگار رہے گا۔ اور آخرت میں اس سے بازپرس ہوگی کہ تو نے حج سے پہلے حج کے مسائل کیوں نہ سیکھے۔

خرابی اسی طرح زکوٰۃ کے مسائل و مصارف سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ کسی غیر مستحق یا بدعقیدہ شخص کو زکوٰۃ کی نیت سے اپنا پاکیزہ مال دے گا" مگر اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ یا کئی سال سے وہ صاحب نصاب ہے" اور وہ اپنے آپ کو صاحب نصاب نہیں سمجھتا۔ حالانکہ اس کے سر پر کئی سال کی زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ قیامت کے روز اس کی بازپرس ہوگی۔ اور اس جرم کی سزا بھگتنی ہوگی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مسائل زکوٰۃ نہ سیکھنے کی سزا بھی پائے گا۔

خرابی اسی طرح قربانی کرے گا تو مسائل سے ناواقفیت کے باعث قربانی کے جانور میں اپنے ساتھ کسی بدعقیدہ شخص کو یا ایسے شخص کو شریک کرے گا جس آمدن میں حرام غالب ہو" یا کسی کی نیت محض گوشت کھانے کی ہو" تو اس کی اپنی قربانی بھی نہ ہوگی۔ اور وہ سمجھے گا کہ میں قربانی کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو چکا ہوں۔

خرابی اسی طرح اگر کسی بدعقیدہ شخص سے قربانی کا جانور ذبح کرا لے گا" تو اس کی قربانی نہیں ہوگی" بلکہ وہ مشرک کی ذبیحہ کھا کر حرام خوری جیسے گناہ کبیرہ کا مرتکب بھی ہوگا۔ اور ایسا گوشت کسی کو کھلانے سے بھی بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ جیسا کہ چوہا مار کر بلی کو کھلانا بھی جائز نہیں۔ [illegible] کی وجہ سے بلی پالنے میں کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح لاعلمی کی وجہ سے کسی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کر بیٹھے گا جس سے نکاح حرام ہے اور وہ حلال سمجھ کر تا حیات زنا کرتا رہے گا۔ یا کوئی ایسا لفظ منہ سے نکالے گا جس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اور وہ لاعلمی میں یہی سمجھے گا کہ کچھ نہیں بگڑا۔

اسی طرح تجارت کرے گا تو جائز طریقوں سے ناواقفیت کے باعث ایسے طریقے اختیار کرے گا جن سے شریعت منع کرتی ہے۔ تو اس طرح پرایا مال اپنا سمجھ کر وصول کرے گا۔ اور یہ حقوق العباد قیامت میں نہ بخشے جائیں گے۔ اور مدتوں جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔

اسی طرح نوکری کرے گا تو قوانین اجارہ سے ناواقفیت کے باعث نوکری حرام بن جائے گی۔ یا مالک نے ملازم کو کسی غیر شرعی کام کا حکم دیا' اور ملازم اس کام کی تعمیل کر کے معصیت کا مرتکب ہوگا۔ جس کے وبال میں مالک اور ملازم دونوں سے پوچھ ہوگی کہ تم نے شرعی احکام کیوں نہ سیکھے۔

اسی طرح مزارعت کے جائز طریقوں کے علاوہ کسی ناجائز طریقہ پر عمل کی وجہ سے جو کسان حرام خوری کا مرتکب ہوگا' قیامت کے دن وہ کمائی وبال جان بن جائے گی۔ اور اس سے پوچھ ہوگی کہ تو نے مزارعت سے پہلے اس کے شرعی احکام کیوں نہ سیکھے۔

مسلمان حاکم کے لیے ان شرعی مسائل کا جاننا ضروری ہے جن سے اسے واسطہ رہتا ہے۔ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ مدعی علیہ کی عدم موجودگی میں شرعی احکام سے ناواقفیت کے باعث عدالت کی طرف سے یک طرفہ فیصلہ سنا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ "قضا علی الغائب" جائز نہیں۔ اس کا وبال ہمیشہ حاکم کے سر پر رہے گا۔ مرنے کے بعد عذاب قبر میں مبتلا ہوگا۔ اور شرعی فیصلہ نہ سیکھنے کی وجہ سے قیامت میں بھی سزا پائے گا۔

نیز ان لوگوں سے بھی باز پرس ہوگی جو اپنا مقدمہ غیر شرعی فیصلہ کرنے والے حکام کے پاس لے جاتے ہیں۔ اس کے جرم میں حاکم اور محکوم دونوں سزا پائیں گے۔

علم دین سے ناواقفیت کے باعث وراثت کے شرعی طریقہ تقسیم کے خلاف جائز وارثوں کو

محروم کر کے غیر وارثوں کو مال وراثت تقسیم کر دینے کی سزا بھی قیامت کے روز ملے گی۔ اسی طرح ناجائز وصیت کرنے کا وبال بھی بھگتنا ہوگا۔

خرابی: علمِ دین سے ناواقفیت کے باعث مالدار آدمی حج اور جائز مصرف کو چھوڑ کر غیر مصرف میں دینے کی سزا پائے گا۔

خرابی: علمِ دین سے ناواقفیت کی وجہ سے غریب آدمی جو وصولی مال کے ناجائز طریقے اختیار کرے گا اس کی سزا بھی پائے گا۔

○ اس لیے وہ دولت مند جو اپنی اولاد کی دنیوی تعلیم پر لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں جس سے دنیا میں فائدہ موہومہ کی امید ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ فائدہ حاصل ہی نہیں ہوتا۔ اور وہ خرچ کیے ہوئے پیسے پر نادم ہوتا ہے۔ اور سنا جاتا ہے کہ ناکامی کی صورت میں خود کشی تک کی نوبت آجاتی ہے۔ جو شرعاً حرام ہے۔ خسر الدنیا والاٰخرۃ ذالك هو الخسران المبين (۲۲ : ۱۱) یعنی دنیا اور آخرت دونوں کھو بیٹھا۔ یہی ہے کھلا نقصان۔ اور اگر وہ دولت مند اپنی اولاد کو قرآن مجید و حدیث نبوی اور فقہ کی تعلیم پر خرچ کریں تو فائدہ یقینی ہے۔ دنیا میں بھی اور عالم برزخ میں بھی اور آخرت میں بھی اور جنت میں بھی۔

خرابی: لاعلمی کی وجہ سے عہدہ کے خواہشمند لوگ عہدہ حاصل کرنے کے لیے لاکھوں روپے اڑا دیتے ہیں۔ حالانکہ عہدے کا مطالبہ ہی حدیث نبویؐ کی رو سے ممنوع ہے۔ قیامت کے روز غیر مصرف میں روپیہ اڑانے کی بھی پوچھ ہوگی اور عہدہ کے مطالبے کی بھی پوچھ ہوگی۔ اور اپنی ممبری کے روز سے اپنے یا دوسرے لوگوں کے ناجائز کام کرنے کرانے کی سزا الگ ہوگی۔

عہدہ کی درخواست کرنا

○ خلافت اسلامیہ میں کوئی عالم درخواست دے کر نہ معلم بن سکتا ہے نہ خطیب نہ واعظ نہ مفتی۔ واعظ کے بارے میں تو صریح حکم نبویؐ ہے کہ وعظ و نصیحت یا امام خود کرے یا وہ جس کو امام کی طرف سے حکم ہو۔ اور امام ارکان دولت سے مشورہ کر کے اپنی

صائب رائے سے جس عالم دین کو منتخب کرلے وہی عہدہ سنبھال سکتا ہے۔ دوسرے کو کوئی حق نہ وعظ کرنے کا ہے نہ فتوی دینے کا نہ تعلیم کا نہ خطابت کا۔

○ مفتی واعظ خطیب معلم کا تقرر خلیفہ ہی کرتا ہے۔ اور خلافت اسلامیہ میں ان لوگوں کی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ آج کل کی طرح پہلے دور میں بھی کئی لوگوں کے دل میں خواہش ابھرتی تھی کہ میں بھی اس عہدے پر فائز ہو جاؤں۔ مگر حضرت نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کی پیش بندی فرمادی ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک دور آئے گا جس میں تم (امت محمدیہ) سرداری کی حرص کروگے۔ مگر (یاد رہے کہ) وہ سرداری قیامت کے دن ندامت و پشیمانی کا سبب بنے گی۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۰)

○ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دو بھائیوں میں سے ہر ایک نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ بعض امورِ دینیہ پر مجھے بھی عامل بنائیں۔ تو آپ نے فرمایا: واللہ شریعت کے امور میں سے کسی ایک کام پر بھی ہم ایسے شخص کو امیر نہیں بناتے جو خود مطالبہ کرے۔ اور نہ ہی اس کو جو اس کی حرص کرے۔

○ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: ہم کسی دینی کام پر اس شخص کو عامل نہیں بناتے جس کا اپنا ارادہ ہو۔ اور اس کی درخواست کرے۔ (کیونکہ: اس کا یہ مطالبہ جاہ اور مرتبہ کی محبت کی دلیل ہے۔ اور باعث بنتی ہے اس کی خرابی کا۔ (مشکوٰۃ)

○ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے مجھے سرداری کے مطالبہ کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: اگر مانگنے سے تجھے سرداری مل گئی تو سارا کام تیرے حوالے کردیا جائے گا۔ (اور اللہ کی مدد شامل حال نہ ہوگی۔) اور اگر بغیر مانگے کے تجھے سرداری ملی تو اس میں اللہ کی طرف سے مدد تیرے شامل حال ہوگی۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۰)

○ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ مجھے عامل بنادیجیے۔ تو آپ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بطور شفقت فرمایا:

"تو کمزور ہے۔ اور یہ سرداری اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے۔ اور قیامت کے دن یہی سرداری رسوائی اور پشیمانی کا سبب بن جائے گی"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۰)

○ اس حدیث کے تحت حضرت علامہ شیخ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس حدیث میں بہت بڑی اصولی بات (اصل عظیم) بیان کی گئی ہے کہ سرداری سے پرہیز کیا جائے۔

○ اس سے معلوم ہوا کہ جو دین کا علم پڑھنا چاہتا ہے وہ محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے پڑھے۔ اور اس کا مقصد یہ ہو کہ دین پڑھ کر اس پر عمل کروں گا۔ اور جتنا پڑھا ہو ساتھ ساتھ اس پر عمل کرتا رہے۔ اور جتنا پڑھا ہے دوسروں کے سامنے اسے بیان بھی کرتا رہے۔ لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہونا چاہیے کہ میں دین پڑھ کر شعلہ بیان مقرر بنوں گا۔ یا درخواست دے کر کسی جامع مسجد میں خطیب یا مفتی یا قاضی مقرر ہو جاؤں گا۔ یا کسی سرکاری محکمے میں خطیب لگ جاؤں گا۔ بلکہ عہد کرلے کہ میں دین پڑھنے کے بعد حلال روزی کی تلاش کروں گا۔ کتابت یا تجارت یا جلد سازی یا صابن سازی یا دوا سازی وغیرہ کے ذریعے روزی کماؤں گا۔ اور عہد کرلے کہ روزانہ کسی ایک نماز کے بعد مطالعہ کر کے درس قرآن دیا کروں گا۔ یا حدیث نبوی کا درس دوں گا۔ یا فقہی مسائل بیان کروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ اولاد دے تو اس کی تربیت کرے اور دین پڑھائے۔

○ البتہ اگر حکومت کی طرف سے بغیر درخواست دیے مطالبہ آجائے تو دل میں یہ نیت کرے کہ میں ان لوگوں میں حق بات وضاحت کے ساتھ بیان کروں گا اور کتمان حق نہ کروں گا۔ اور کسی باطل فرقے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صاف گوئی سے کام لوں گا۔ تو ایسی نوکری سے دریغ بھی نہ کرے۔ ایسی نوکری کرنا جائز اور حلال ہے۔ بلکہ ایسی نوکری سے بندوں اور امانتداری کا حق ادا ہوگا۔ اور اسے ثواب بھی ملے گا۔ اور اگر یہ ڈر ہو کہ میں اگر یہ طریقہ اپناؤں گا کہ کوئی فرقہ ناراض نہ ہو اس لیے گول مول بات کروں گا۔ تاکہ افسران بھی ناراض نہ ہوں، تو ایسی نوکری کرنا واقعی حرام ہے۔

○ اور اگر درخواست دے کر خطابت حاصل کرے گا تو یہ ہے بھیک مانگنا۔ جو شرعاً حرام ہے۔ مستحقین صدقات کو ضرورت ہو تو کسی سے مانگنا جائز نہیں۔ صرف والی کو درخواست کرے کہ مجھے اتنی ضرورت ہے۔ والی بعد از تحقیق اس مستحق کی ضرورت کے مطابق بیت المال میں سے دے۔ اور دیوان میں اس کا نام اور عطیہ کی مقدار لکھ کر مستحق سے دستخط کرا لے۔

مستحقین کی امداد کا حکم

○ مستحقین کی مالی امداد کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انفاق کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: انفقوا فی سبیل اللہ۔ اور انفاق فی سبیل اللہ کا اجر و ثواب بھی بتایا۔ اور انفاق نہ کرنے والے پر وعید بھی فرمائی۔ اور خرچ نہ کرنا بلکہ خرچ کرنے سے روکنا منافقوں کا کام بتایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قرآن هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۚ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ (۶۳ : ۷)

ترجمہ یہ منافق ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو۔ یہاں تک کہ وہ (بھوکے مارے) خود ہی منتشر ہو جائیں۔ اور ان منافقوں کا یہ کہنا نری جہالت ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کے سب خزانے اللہ ہی کے ہیں۔ لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

○ نیز فرمایا کہ ہر محتاج کو خواہ قناعت پیشہ ہو خواہ گدائی پیشہ۔ ان کو کھلاؤ۔ مگر بھیک مانگنے کا کہیں حکم نہیں دیا۔ بلکہ:

○ قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ مانگنا ہے تو صرف اللہ سے مانگو۔ واسئلوا اللہ من فضلہ (۴ : ۳۲) یعنی ہر وقت اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو۔

○ نیز فرمایا: فابتغوا عند اللہ الرزق (۲۹ : ۱۷) یعنی روزی اللہ ہی سے مانگو۔

○ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے صدقہ کی فضیلت اور بھیک مانگنے سے اجتناب کا ذکر کرتے

ہوئے فرمایا کہ : جس کے پاس صبح و شام کا کھانا ہو وہ غنی ہے۔ اس کو بھیک مانگنا حرام ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۲)

اس کے علاوہ بے شمار احادیث اس بارہ میں اور بھی وارد ہیں۔

بطورِ دم قرآن مجید کی آیات پڑھ کر اجرت لینے کا جواز

○ تمام اہلِ اسلام کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث شریف مروی ہے : ان ناسًا من اصحاب النبی ﷺ اتوا علی حی من احیاء العرب فلم یقروھم فبینما ھم کذالك اذا لدغ سید اولئك فقالوا ھل معکم دواء اوراق فقالوا نعم انکم لم تقرونا و لانفعل حتی تجعلوا لنا جعلا فجعلوا لھم قطیعاً من الشاء فجعل یقرأ بام القران و یجمع بزاقه و یتفل فبرأ فاتوا بالشاء فقالوا لا نأخذه حتی نسأل النبی ﷺ فسألوه فضحك و قال ما ادراك انھا رقیة خذوھا و اضربوالی بسھم۔ و فی روایة اقسموا و اضربوالی معکم بسھم۔ (بخاری کتاب الطب باب الرقیٰ بفاتحۃ الکتاب) کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کی جماعت ایک عرب قبیلے کے پاس پہنچی۔ قبیلہ والوں نے ان کی مہمان نوازی نہ کی۔ اسی دوران اس قبیلے کے سردار کو ایک زہریلے جانور نے ڈس لیا۔ قبیلہ والوں نے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کاٹے کی دوا ہے؟ یا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے؟۔ صحابۂ کرامؓ نے جواب دیا کہ : ہاں! مگر تم تو وہ لوگ ہو جنھوں نے ہماری میزبانی بھی نہیں کی۔ اس لیے ہم اس وقت تک تمہارے سردار پر دم نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے لیے کچھ اہتمام نہ کرو۔ آخرکار بکری کے ایک ریوڑ پر معاملہ طے ہوا۔ ایک صحابیؓ نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اپنا تھوک جمع کیا اور سردار کے مقام گزیدہ پر لگادیا۔ قبیلے کا سردار تندرست ہوگیا۔ حسب وعدہ قبیلہ والوں نے بکریاں دیں۔ صحابۂ کرامؓ کو تردد ہوا اور انھوں نے کہا کہ ہم اس وقت تک بکریاں نہ لیں گے جب تک حضرت نبی کریم ﷺ سے دریافت نہ

کرلیں۔ پھر حضرت نبی کریم ﷺ سے انھوں نے آکر پوچھا تو حضرت نبی کریم ﷺ مسکرائے۔ اور فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ الفاتحہ ایک دم ہے۔ بکریاں لے لو اور میرا حصہ بھی رکھو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپس میں تقسیم کرلو اور میرا حصہ بھی رکھو۔

○ اس حدیث سے قرآن مجید کی آیات پڑھ کر مریض پر دم کرکے اجرت لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ حدیث اپنے مطلب میں بالکل واضح ہے۔ جس میں کچھ شبہ نہیں۔ اور سب متقدمین اور متاخرین فقہاء اور محدثینؒ نے یہی بات سمجھی ہے۔ جن میں اہل لسان فقہاء مجتہدینؒ بھی ہیں اور اسی بات پر سب کا اجماع ہے۔ مگر اسی حدیث میں مانعین نے ہیرا پھیری کے ذریعے تحریف کرکے افصح العرب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی فصاحت و بلاغت پر دھبہ لگانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اگر یہی بات ہوتی کہ صحابہ کرامؓ کا بکریاں لینا ضیافت کے طور پر تھا۔ نہ کہ دم کا عوض۔ تو آپ ﷺ فرماتے نعم القریٰ الغنم یعنی بکریاں اچھی مہمانی ہیں۔ اور یوں نہ فرماتے: ان احق ما اخذتم به اجرا کتاب اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اس پر اجرت لو۔

○ یہ الفاظ ایسے ہیں جن سے اہل لسان بھی مغالطے میں پڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل لسان امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کے جواز کے قائل تھے۔ اور اسی حدیث سے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا مسئلہ مستنبط فرماتے ہیں۔ اور یہ ہستیاں خیر القرون میں تھیں۔ جن کی تعریف حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے۔ اور ان میں کوئی دنیاداری کی باتیں نہ تھیں۔ انھوں نے بے لوث ہو کر قرآن و حدیث کی خدمت کی ہے۔

○ اور یہ کتنا غلط ہے کہ قرآن مجید پڑھ کر بکریاں ضیافت کے طور پر لی تھیں۔ کیونکہ ایک فقیر مسافر طالب علم کو زکوٰۃ دی جائے تو تینوں باتیں ہو جاتی ہیں۔ یعنی:
① فقیر کو زکوٰۃ دینا۔ ② مسافر کو زکوٰۃ دینا۔ ③ فی سبیل اللہ زکوٰۃ دینا۔
اسی طرح وہ بکریاں دم کی اجرت بھی بن گئیں اور ضیافت بھی۔

○ اس لیے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ بکریاں محض ضیافت کے طور پر لی گئی تھیں۔ اور یہ سورت فاتحہ پڑھنے کی اجرت نہیں تھی۔ کیونکہ یہ مطلب چودہ سو سال سے محدثینؒ کے فہم کے خلاف ہے۔ بلکہ ان کی تکذیب ہے۔ جبکہ محدثینؒ نے اسی بات پر باب منعقد کیے ہیں۔ جیسا کہ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۸ میں باب ہے: بَابُ اَخْذِ الْاُجْرَةِ عَلَى التَّعْوِيْذِ یعنی "تعویذ پر اجرت لینے کا بیان"۔

○ نیز آں حضرت ﷺ نے اپنی معصوم زبان سے ان بکریوں کو اجر کے نام سے موسوم کیا نہ کہ ضیافت کے نام سے۔ البتہ یہ جو آپؐ نے فرمایا ہے کہ اس میں میرا حصہ بھی رکھو۔ یہ اس لیے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کے ذہن میں جو الجھن تھی کہ فاتحہ پڑھ کر اس کی اجرت لینا شاید جائز نہ ہو، وہ الجھن دور ہو جائے اور صحابہ کرامؓ کو پوری طرح تسلی ہو جائے۔ یہ بات نہیں کہ آپؐ نے اپنا حصہ مقرر کرنے کا مطالبہ اس لیے فرمایا تھا کہ وہ اجرت کی بجائے محض ضیافت ہی تھی۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ اس سفر میں ان صحابہ کرامؓ کے ساتھ شریک ہی نہ تھے کہ ضیافت میں شریک ہونے کا سوال پیدا ہو۔ نیز احادیث میں قرآنی دم پر اجرت کے جواز کا حکم رسول اللہ ﷺ نے ضیافت کے علاوہ بھی دیا ہے۔ چنانچہ:

حدیث حضرت خارجۃ بن الصلت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک پاگل اعرابی کے پاس سے گزرا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ کسی نے مجھ سے دریافت کیا کہ تیرے پاس اس کی کوئی دوا ہے؟ تو میں نے کہا کہ ہاں۔ پھر تین دن میں نے اس پر سورت فاتحہ پڑھی۔ ہر روز دو دو بار پڑھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ مریض اچھا ہو گیا۔ تو ان لوگوں نے مجھے سو بکریاں دیں۔ میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو آ کر بتایا، تو آپؐ نے فرمایا کہ: بسم اللہ پڑھ کر کھالے۔ بخدا وہ بھی تو ہیں جو ناجائز دم کر کے کھاتے ہیں۔ تو نے تو حق دم کر کے کھایا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ صفحہ ۵۳)

○ نیز حضرت قیس بن حازم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ فلاں مجنون کو میں نے دم کیا تو انھوں نے مجھے بکریاں دیں۔ اور دم تو میں نے قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھ کر کیا تھا۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بھی تو ہیں جو ناجائز دم کرکے لیتے ہیں۔ تو نے تو جائز اور حق دم کرکے لیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ صفحہ ۵۴)

- اسی طرح کتب حدیث میں قرآن پڑھنے پر اجرت لینے سے متعلق کئی حدیثیں منقول ہیں۔ جن میں ضیافت یا مہمانی کا کوئی ذکر نہیں۔
- نیز قرآنی آیات پڑھ کر دم کرنے کے بعد اجرت لینے کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی جائز کہتے ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ بخاری میں علامہ عینیؒ کے حوالے سے منقول ہے۔
- حضرت امام ابوبکر بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ جلد ۹ صفحہ ۳۵۱ میں فرمایا کہ حضرت سعید بن مسیب تابعیؒ باعث برکت سمجھ کر کتاب اللہ سے کچھ آیات پڑھ کر دم کرنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے۔ بشرطیکہ عقیدہ یہ ہو کہ شفا، صرف جانب اللہ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ سید محمد حسین نیلویؒ مدظلہ کی عقائد مرزائیہ کے خلاف لکھی جانے والی معروف تحقیقی کتاب :

شفاءُ الصدور
فی تحقیق
عدمِ سماعِ مَن فی القبور

کے بعد

الصراط المُستقیم
فی اثبات
الحیٰوۃ البرزخیۃ للنبی الکریم
علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

کی اشاعت کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخیہ کا اثبات کیا گیا ہے۔ جو ایک اعلیٰ، اولیٰ، ازکیٰ، اتقیٰ، اہم، اعظم، ادوم، اقوم، افضل، اکمل، اجمل، اطیب اور حقیقی حیات ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جس طرح حضور علیہ السلام ناسوتی حیات کے ساتھ نبی حقیقی تھے، اب اس اعلیٰ برزخی حیات کے ساتھ بھی بدستور حقیقی نبوت کے ساتھ نبی ہیں۔

لیکن اس سے قبل ہی بعض عاقبت نااندیش لوگوں کی طرف سے شفاء الصدور کی مخالفت شروع کر دی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً تیس سال تک اسی موضوع پر جواب اور جواب الجواب کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور الصراط المستقیم شائع نہ ہو سکی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نظر ثانی فرما رہے ہیں۔ اور ماہنامہ گلستانِ اسلام کی آئندہ اشاعت میں ان شاء اللہ یہی کتاب پیش کی جائے گی۔

ادارہ گلستانِ اسلام ○ شمری مسجد سیٹلائٹ ٹاؤن ○ سرگودھا

اسلامی مملکت اور
عورت کی سربراہی
قرآن و سنت اور اجماعِ امت
کی روشنی میں
از قلم
شیخ الحدیث و التفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے شرع مبین اس مسئلہ میں کہ

شریعت محمدیہ میں اسلامی مملکت کی سربراہ (وزیر اعظم، صدر وغیرہ) عورت ہو سکتی ہے یا نہیں۔ سنا جاتا ہے کہ علم عقائد والے خلافت و امامت وغیرہ کے لئے ذکورۃ (مرد ہونے) کو شرط قرار دیتے ہیں

نیز عوام کے لیے عورت کی سربراہی تسلیم کرنا، جائز ہے یا نہیں؟

بینوا بالبراهین توجروا من رب العلمین

الجواب بعون الملک الوهاب

دلائل شرع کے چار ہیں قرآن، حدیث، اجماع امت، قیاس مجتہد۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وللرجال علیھن درجۃ اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مردوں کو عورتوں پر درجہ، مرتبہ، فضیلت اور مزیت ہے۔

دوسری جگہ فرمایا الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض الآیۃ یعنی مرد حاکم ہیں عورتوں پر (دو وجہ سے) ایک تو اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (یعنی مردوں کو) بعضوں پر (یعنی عورتوں پر قدرتی) فضیلت دی ہے (یہ تو وہبی امر ہے) اور (دوسرے) اس سبب سے کہ مردوں نے (عورتوں پر) اپنے مال (مہر میں اور نان نفقہ میں) خرچ کیے ہیں (اور خرچ کرنے والوں کا ہاتھ اونچا اور بہتر ہوتا ہے اس سے کہ جس پر خرچ کیا جاوے

اور یہ امر مکتسب ہے)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اُسی درجہ مرتبہ فضیلت اور مزیت کا بیان حکیمانہ طرز کے ساتھ اس طرح بیان کیا کہ مردوں کی یہ فضیلت اور تفوق خود عورتوں کی مصلحت اور فائدہ کے لیے اور عین مقتضائے حکمت ہے اس میں عورت کی نہ کسرِ شان ہے نہ اس کا کوئی نقصان ہے

قَوَّام اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کام یا نظام کا ذمہ دار اور چلانے والا ہو، اسی لیے اس آیت میں قَوَّام کا ترجمہ عموماً حاکم کیا گیا ہے۔ یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہر اجتماعی نظام کے لیے عقلاً اور عرفاً یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی سربراہ یا امیر اور حاکم ہوتا ہے کہ اختلاف کے وقت اس کے فیصلے سے کام چل سکے، جس طرح ملک و سلطنت اور ریاست کے لیے اس کی ضرورت سب کے نزدیک مسلم ہے اسی طرح قبائلی نظام میں بھی اس کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی گئی، اور کسی ایک شخص کو قبیلہ کا سردار اور حاکم مانا گیا ہے، اسی طرح اس عائلی نظام میں جس کو خانہ داری کہا جاتا ہے اس میں بھی ایک امیر اور سربراہ کی ضرورت ہے۔ عورتوں اور بچوں کے مقابلہ میں اس کام کے لیے حق تعالیٰ نے مردوں کو منتخب کیا کہ ان کی علمی اور عملی قوتیں بہ نسبت عورتوں، بچوں کے زیادہ ہیں۔ اور یہ ایسا بدیہی معاملہ ہے کہ کوئی سمجھ دار عورت یا مرد اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

علامہ بیضاویؒ نے بما فضل اللہ بعضھم علی بعض کے تحت لکھا ہے بسبب تفضیلہ تعالیٰ الرجال علی النساء بکمال العقل وحسن التدبیر ومزید القوۃ فی الاعمال والطاعات۔ ولذا خصوا بالنبوۃ و الامامۃ والولایۃ واقامۃ الشعائر الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں

پر فضیلت بخشی ہے کمال عقل، حسن تدبیر اور اعمال وطاعات میں مزید قوت دینے کے ساتھ۔ اور یہی وجہ ہے کہ نبوۃ، امامت (صغریٰ وکبریٰ یعنی حکومت وسلطنت) اور ولایت (سربراہی وگورنری) اور شعائر اسلام (یعنی اذان۔ خطبہ۔ جمعہ۔ عیدین۔ جہاد۔ قضاء (قاضی ہونے) کے ساتھ مردوں کو خاص کیا گیا ہے اور اسی طرح کے اور بہت سے امور ہیں جو مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے مرد کو کمال عقل حسن تدبیر، وسعت علم، عظمت جسم، زیادتی قوت اور صلاحیت واستعداد کی بیشی تخلیقی طور پر عطاء کی ہے اتنی کہ عورت کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں۔ اسی لیے مندرجہ ذیل خصوصیات واحکام مرد کے لیے ہیں۔ عورتیں ان احکام وخصوصیات سے محروم ہیں۔ نبوت۔ امامت۔ حکومت۔ قضا۔ تعزیری جرائم کی شہادت۔ وجوب جہاد وجوب جمعہ۔ وجود عیدین۔ اذان۔ خطبہ۔ نماز کی جماعت۔ میراث میں حصہ کی زیادتی۔ نکاح کی مالکیت۔ تعدد ازواج۔ اختیار طلاق۔ پورے رمضان کے روزوں کی۔ اور ہر زمانہ میں پوری نمازوں کی فضیلت وغیرہ۔ اسی برتری کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ رواہ احمد عن معاذ رضی وعن عائشہ۔ والترمذی عن ابی ہریرۃ وابوداؤد عن قیس بن سعد رضی اللہ عنہم۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا

یہی وجہ ہے کہ نبوۃ مردوں میں رہی۔ اور اسی طرح شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں (صحیح بخاری) اسی طرح منصب قضاء وغیرہ بھی صرف مردوں کے لائق ہی ہیں

نیز فرمایا

مردوں کو اُن پر فضیلت ہے جسمانی حیثیت سے بھی، اخلاقی حیثیت سے بھی، مرتبہ کی حیثیت سے بھی، حکمرانی کی حیثیت سے بھی، خرچ اخراجات سے بھی، دیکھ بھال اور نگرانی کی حیثیت سے بھی۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ نے مدارک التنزیل میں لکھا ہے یعنی انما کانوا مسیطرین علیھن بسبب تفضیل اللہ تعالیٰ بعضھم وھم الرجال علی بعض وھم النساء بالعقل والعزم والحزم والرأی والقوۃ والغزو وکمال الصوم والصلوۃ والنبوۃ والخلافۃ والامامۃ والاذان والخطبۃ والجماعۃ والجمعۃ وتکبیر التشریق عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ والشھادۃ فی الحدود والقصاص وتضعیف المیراث والتعصیب فیہ وملک النکاح والطلاق والیھم الانتساب وھم اصحاب اللحی والعمائم

وہ مرد اُن عورتوں پر (خدا کے حکم سے) مسلط کیے گئے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے کہ مردوں کو عقل کامل بخشا اور ہوشیاری اور دور اندیشی اور ارادہ کی پختگی نصیب فرمائی اور رائے اور قوت بخشی اور جہاد میں جانا اور نماز روزے پورے پورے ادا کرنا بھی مردوں کا کام ہے اور نبوت و خلافت و امامت اور اذان، خطبہ، جماعت، جمعہ، تکبیر تشریق اور حدود و قصاص کی شہادت اور میراث میں دوہرا حصہ اور عصبہ ہونا اور نکاح و طلاق کا اختیار اور نسب انتساب یہ سب مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور مرد ہی داڑھیوں اور پگڑیوں والے ہیں

اور اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرطبی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ حاکم، امیر اور اور مجاہد غازی مرد ہی ہوتے ہیں عورتیں نہیں ہوتیں فیھم الحکام والامراء و

من یغزوا۔ ولیس ذٰلک فی النساء

اور امام ابن حیان اندلسی رحمہ اللہ نے البحر المحیط میں وللرجال علیھن درجۃ کے تحت لکھا ہے فضیلۃ علیھا فی المیراث والجھاد و وجوب طاعتھا ایاہ ...... والصلاحیۃ للنبوۃ والخلافۃ والامامۃ والخطابۃ و الجھاد ...... وکشف الوجوہ الخ

مرد کو عورت پر فضیلت ہے (کئی امور میں مثلاً) وراثت اور جہاد میں اور اس بات میں ہر عورت پر مرد کی اطاعت واجب ہے اور مرد میں نبوۃ، خلافۃ، امامۃ خطابت اور جہاد کی صلاحیت ہے اور مرد اپنا چہرہ کھلا رکھتا ہے

اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں بما فضل اللہ بعضہم علی بعض کے تحت لکھا ہے

ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بہت سی باتوں میں فضیلت دی ہے۔ اور اس فضیلت کا اقتضاء یہی ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوں، اور عورتیں ان کی محکوم ہوں، حق تعالیٰ نے بہ نسبت عورتوں کے مردوں کو عقل اور علم اور حلم اور فہم اور حسن تدبیر اور قوۃ نظریہ اور قوۃ عملیہ اور قوۃ جسمانیہ وغیرہ وغیرہ کہیں زائد عطا کی ہے۔ اور نبوۃ اور امامت اور خلافت اور بادشاہت اور قضاء اور شہادۃ اور وجوب جہاد اور جمعہ و عیدین اور اذان اور خطبہ اور جماعت اور میراث میں حصہ کی زیادتی اور نکاح کی مالکیت اور تعدد ازواج اور طلاق کا اختیار اور بلا نقصان کے نماز اور روزہ کا پورا کرنا اور حیض و نفاس اور ولادت سے محفوظ رہنا یہ فضائل حق تعالیٰ نے مردوں ہی کو عطا کی ہیں۔ انہی فضائل اور خصوصیات کی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کے لیے حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو

حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے

جسمانی قوت میں عورتیں مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اور ظاہر ہے کہ کمزور اور ناتواں کو قوی اور توانا پر نہ حکومت کا حق ہے اور نہ وہ کر سکتا ہے قضا و قدر نے عورتوں کی بہ ودت اور نزاکت رکھی ہے اور مردوں میں حرارت اور قوت رکھی ہے۔ اسی وجہ سے فوجی بھرتی اور جنگ وجدال اور قتال اور شجاعت اور بہادری اور میدانِ جنگ میں حکومت و سلطنت کے لیے جانبازی اور سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی اور حکومت کی بقا کے لیے جس قدر اعمال شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مردوں ہی سے سرانجام پاتے ہیں۔ مرد کی ساخت اور بناوٹ ہی اس کی فضیلت اور فوقیت کا ثبوت دے رہی ہے۔ اور عورت کی فطری نزاکت اور اس کا حمل اور ولادت اس کی کمزوری اور لاچاری کی کھلی دلیل ہے۔

ابو الکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں فرمایا "سربراہی و کارفرمائی کا مقام پر انہی (مردوں) کے لیے ہو گیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وقرن فی بیوتکن یعنی تم عورتوں کا فرض ہے کہ (اشد ضرورت کے بغیر) اپنے گھروں میں ٹِک کر جمی بیٹھی رہا کرو۔

اس آیت کا منشا یہ ہے کہ عورت کا اصل دائرۂ عمل صرف اس کا گھر ہے اس کو اسی دائرے میں رہ کر اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض (نماز روزہ زکوٰۃ اطاعت اللہ و رسولؐ خاوند کی غیر معصیت میں فرماں برداری امورِ خانہ داری) انجام دینے چاہییں۔ اور گھر سے باہر صرف بضرورت ہی نکلنا چاہیے۔

یہ منشا خود آیت کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے۔ حد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اس کو اور واضح کرتی ہیں۔

حافظ ابوبکر بزارؒ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عورتوں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ساری فضیلت تو مرد لوٹ لے گئے۔ وہ جہاد کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔ ہم کیا عمل کریں کہ ہمیں بھی مجاہدین کے برابر اجر مل سکے؟ جواب میں فرمایا من قعدت منکن فی بیتھا فانھا تدرك عمل المجاھدین یعنی جو تم عورتوں میں سے گھر میں بیٹھی رہیں گی، وہ مجاہدین کے عمل کو پالیں گی۔" مطلب یہ ہے کہ مجاہد دل جمعی کے ساتھ اسی وقت تو خدا کی راہ میں لڑ سکتا ہے جب کہ اسے اپنے گھر کی طرف سے پورا اطمینان ہو، اس کی بیوی اس کے گھر اور بچوں کو سنبھالے بیٹھی ہو۔ اور اسے کوئی خطرہ اس امر کا نہ ہو کر پیچھے کوئی گل کھلائے گی۔ یہ اطمینان جو عورت اسے فراہم کرے گی وہ گھر بیٹھے اس کے جہاد میں برابر کی حصہ دار ہوگی۔

ایک اور روایت جو بزار اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے اس میں وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ ان المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطٰن واقرب ما تکون بروحۃ ربھا وھی فی قعر بیتھا عورت مستور رہنے کی چیز ہے جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے۔ اور اللہ کی رحمت کے قریب تر وہ اس وقت ہوتی ہے کہ وہ اپنے گھر کی اندر کی جگہ میں ہو۔

قرآن مجید کے اس صاف اور صریح حکم کی موجودگی میں اس بات کی آخر کیا گنجائش ہے کہ مسلمان عورتیں کونسلوں اور پارلیمنٹوں میں ممبر بنیں یا ملک کی سربراہ صدر یا وزیر وغیرہ بنیں۔ ایسی عورتیں کیسریٰ کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ کیونکہ نوشیروان عہد کے خسرو کے آئین میں عورت مملکت و سلطنت کی ملکہ اور سربراہ

بن سکتی تھی۔ اسی لیے فیروز بن اردشیر بن شیرویہ بن کسرےٰ پرویز بن ہرمز بن نوشیروان کے بعد آذر میدخت نامی ایک ایرانی مجوسی عورت مملکت عجم کی سربراہ اور ملکہ بنی تھی صحیح بخاری کے محشین نے اس کا نام بُوران بتایا ہے کی مدت سلطنت ایک سال چھ ماہ بتائی جاتی ہے۔ تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃً ایسی قوم کبھی کامیابی حاصل نہ کر سکے گی جو اپنے امور سلطنت کا سربراہ کسی عورت کو بنائے گی

یہی حدیث دلیل ہے اس امر کی کہ عورت قاضی، حاکم، امیر اور سربراہ وغیرہ نہیں بن سکتی۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أخروھن من حیث اخرھن اللہ، یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو پیچھے پیچھے رکھا ہے ایسے ہی تم بھی ان کو پیچھے پیچھے رکھو۔ مثلاً فرمایا انی لا أضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ - من یعمل من الصالحات من ذکر او انثیٰ - ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنٰت والقانتین والقانتات الآیۃ

اور سربراہ کا مقام تو آگے ہی ہوتا ہے اور دوسرے پیچھے اور نیچے ہوتے ہیں۔ جب عورت مرد کے برابر امام کی اقتداء میں کھڑی ہو جائے تو عورت کی نماز نہیں ٹوٹتی، اور مرد کی نماز ٹوٹ جاتی ہے بشرطیکہ امام نے نیت کر رکھی ہو کہ میں عورتوں کا امام ہوں) اس کی وجہ یہی ہے کہ مرد کے ذمے فرض تھا کہ عورتوں کو اپنے پیچھے رکھے اور اس نے اس فرض کی ادائیگی نہیں کی اسی لیے مرد کی نماز ترک فرض کی وجہ سے ٹوٹ گئی۔ اور عورت کی نماز قائم رہی کیونکہ عورت کا کوئی فرض ترک نہیں ہوا،

اور جب امامت صغریٰ کا یہ حال ہے تو امامت کبریٰ یعنی حکومت و سلطنت اسلامیہ میں کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ عورت مرد کے برابر عہدے میں کھڑی ہو۔ اور

جب عورت مرد کے برابر بھی کھڑی نہیں ہو سکتی تو آگے کھڑا ہونا بحیثیت سربراہ، صدرِ مملکت، وزیر یا حاکم یا امیر کیسے جائز ہو گا

بہرکیف قرآن وسنتِ نبویہ کی رو سے عورت مملکتِ اسلامیہ کی سربراہ حاکم امیر، صدر وغیرہ نہیں بن سکتی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا کان امراءکم خیارکم واغنیاءکم سمحاءکم وامورکم شوریٰ بینکم فظہر الارض خیر لکم من بطنہا واذا کان امراءکم شرارکم واغنیاءکم بخلاءکم وامورکم الیٰ نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظہرہا یعنی جب تک تمہارے امیر شریعت کی رو سے تم میں سے چیدہ لوگ ہوں گے اور تمہارے اغنیاء سخی ہوں گے اور تمہارے امورِ سلطنت تمہارے باہمی مشورے سے طے پائیں گے تب تک تو تمہارا روئے زمین پر رہنا تمہارے لیے بہتر ہو گا بہ نسبت اس کے کہ تم مر کر زیرِ زمین دفن ہو جاؤ۔ اور جس وقت تمہارے امیر تم میں سے شریر اٹھ کھڑے ہوں گے اور تمہارے دولتمند بخیل ہوں گے اور تمہارے امورِ سلطنت تمہاری عورتوں کے سپرد ہو جائیں گے تو اس وقت تمہارا زیرِ زمین دفن ہو جانا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ تم زندہ رہ کر روئے زمین پر چلو پھرو۔

اب ایسے لوگ جو عورت کی قیادت پر خوشی محسوس کر رہے ہیں انہیں اس حدیث میں غور کرنا چاہیے اور عبرت حاصل کرنا چاہیے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بتائی ہے کہ جب امانت کو ضائع کیا جائے تو قیامت کی انتظار کر۔ سائل نے عرض کی، کہ یا رسول اللہ امانت کے ضائع کیا جانے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ جب امورِ مملکت وغیرہ نا اہل انسان کے سپرد کر دیئے جائیں گے (تو یہ ہے امانت کو ضائع کرنے کا مطلب) پس اس

وقت قیامت کی انتظار کر۔ اور قیامت کی نشانیوں میں سے جس نشانی کے کرنے نہ کرنے میں فاعل مختار کے اختیار کو دخل ہو تو اس بارے میں فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ امتِ محمدیہ کا فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے کاموں سے اجتناب کرے اور ان کا ارتکاب نہ کرے

تو اس حدیث کا بھی مطلب یہی ہوگا کہ امتِ محمدیہ علی صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیۃ کا فرض بنتا ہے کہ امورِ سلطنت کسی اہل کے حوالے کریں کسی نااہل کے سپرد نہ کریں

اب ہر عقلمند آدمی جانتا ہے کہ امورِ سلطنت بہت بڑی ذمہ داری کے امور ہیں جو کبھی بچے کے حوالے نہیں کیے جا سکتے کیونکہ بچہ بے سمجھ ہوتا ہے اور یہ بات ہر ملک پہچانی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کے ووٹ نہیں ہوتے بلکہ پاکستان میں تو سترہ سال کے بچے کا ووٹ معتبر نہیں حالانکہ شریعتِ محمدیہ اس کو عاقل بالغ مکلف قرار دیتی ہے۔ بلکہ اس پر جہاد کا حکم عائد ہوتا ہے وہ مجاہد اور غازی ہے۔ بلکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامۃ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سترہ برس کے ہونہار تھے جن کو آپ نے لشکرِ اسلام کا امیر مقرر فرمایا تھا۔

بہر حال بچہ کو ووٹ دینے کا حق اسی لیے نہیں دیا گیا کہ بچہ عقل کا کچا ہوتا ہے جب یہ علت بچہ میں موجود ہے تو یہی علت عورت میں بھی موجود ہے کیونکہ خود ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ عورتیں ناقصات العقل والدین ہیں کہ ان کی عقل بھی کم ہوتی ہے بہ نسبت مردوں کے اور ان کے دین میں بھی کمی ہوتی ہے اور دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے قائم مقام رکھی گئی ہے اور حیض ونفاس کی حالت میں نماز روزہ سے محروم ہوتی ہے اور حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں اور اذان، خطبہ، جہاد سے محروم ہے۔

جمعہ، عیدین، صلوٰۃ کسوف، جنازہ پڑھانے سے محروم۔ تو یہ سب عورت کے نقصانِ عقل کا نتیجہ ہی تو ہے تو ناقص العقل والدین کے حوالے پوری سلطنت کا حوالے کر دینا صرف انہیں لوگوں کا کام ہے کہ جو عورتوں کی طرح خود بھی ناقص العقل والدین ہوں۔ کامل العقل کبھی ایسا نہ کرے گا۔

اور اُن کے ناقص العقل والدین ہونے کی واضح دلیل تو یہی ہے کہ اس نے اس امر میں اپنی ذمہ داری کو کم عقلی کی وجہ سے نہیں سمجھا کہ حکومت اور سلطنت کوئی بچوں کا کھیل نہیں یہ ایک بہت بڑی امانت ہے جو حسب حکم باری تعالیٰ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو۔ امانات سے منجملہ حقوق آگئے جن کی ادائیگی واجب ہے اور اھلھا سے وہ سب مراد ہیں جن کے متعلق وہ فرائض عائد ہوتے ہیں ان میں امور سلطنت بھی آگئے کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ امور سلطنت بھی کسی اہل کے حوالے کریں اور جو اتنی بات بھی نہیں سمجھتا ہے تو وہ خود ہی ناقص العقل والدین ہوا

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک زندہ رہے کسی عورت کے ہاتھ میں امور سلطنت میں سے کوئی ادنیٰ سا کام بھی سپرد نہیں کیا بلکہ گھر میں ہی رہنے کا حکم دیا خصوصاً جب پردہ شرعی کا حکم آچکا تھا

جب اپنی لختِ جگر حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضرت امام امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح میں دے دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ گھر کا کام فاطمہ کے ذمے ہے اور باہر کی ڈیوٹی علی کے ذمے ہے۔

آپ نے تبلیغ کے لیے بھی باہر اگر دوسرے علاقوں میں بھیجا تو مرد صحابہ رضہ ہی کو بھیجا کسی عورت کو مبلغ یا امیر مبلغ بنا کر نہیں بھیجا

دوسرے علاقوں میں عامل، والی، قاضی، حاکم مختار بنا کر مردوں ہی کو بھیجے

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں مرد ہی کو خلیفہ، والی، قاضی، حاکم امیر، سپہ سالار فوج کا بنایا جاتا رہا بلکہ خیر القرون، سلف صالحین تابعین تبع تابعین کے دور میں یہی سلسلہ قائم رہا۔ باوجود اس کے کہ اس دور کی عورتیں قرآن و سنت میں مہارت رکھتی تھیں خصوصاً صحابیات پھر صحابیات میں سے ازواج مطہرات اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ و امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اسماء بنت عمیس وغیرہن رضی اللہ عنہن علامۂ زمان تھیں۔ مگر امور سلطنت میں سے کوئی ایک عہدہ بھی ان میں سے کسی ایک کے حوالے بھی نہیں کیا گیا۔ البتہ اپنے گھر ہی میں بیٹھے بٹھائے مسائل بتاتی رہتی تھیں

اگر شریعت محمدیہ میں عورت کی سربراہی جائز ہوتی تو تمام مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں جو نبی زادی ہیں کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی عنہ کی خلافت پر اتفاق نہ کرتے۔ اور جو لوگ بعد کے دور میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت بلافصل کے اہل تھے تو ان کا نظریہ بھی یہی ہے کہ عورت خلیفہ نہیں بن سکتی کیونکہ ان کے ہاں دنیا بھر میں صرف پانچ تن پاک ہیں یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے وقت دنیا جہان کی چیدہ ترین ہستیوں میں سے صرف یہ چار ہستیاں تھیں جنہیں سے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما نابالغ بچے تھے اب رہ گئے دو حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی نہ تھے وہ ولی اللہ تھے اور نبی زادے بھی نہ تھے حضورؐ کے سگے بھائی بھی نہ تھے بلکہ آپ کے سگے چچا کے بیٹے تھے یعنی حضورؐ کے باپ کے باپ کے بیٹے کے بیٹے۔ رشتہ

میں دُور کا تعلق ہُوا۔ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تو آپ کی بلا واسطہ بیٹی ہے آپؐ کا خون ہے۔ بہر صورت قرب نبیؐ کے لحاظ سے جو قرب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو ہے وہ قرب حضرت علیؓ کو نہیں اور جو فیض نبیؐ حضرت فاطمہؓ کو پہنچ سکتا تھا وہ فیض حضرت علیؓ کو نہیں پہنچتا۔ مگر مع ہٰذا جو لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے منکر ہیں وہ باوجود اس کے ان کو حضرت فاطمہؓ کے ساتھ بڑی عقیدت ہے ان کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے بلا فصل تو بعد کی بات ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل مانتے ہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشقانِ اہلِ بیت و پنج پاک کے نزدیک بھی عورت خلیفہ یا سربراہ نہیں بن سکتی۔ اس کے

اس کے بعد حضرت علی کی صاحبزادیاں جو مُیں حسنینؓ کی سگی بہنیں ان میں سے بھی کسی کو سربراہ نہیں مانا گیا اس کے سیدزادیوں کی کمی نہ تھی مگر ان کے ماننے والے سیدوں کو تو سربراہ اور امام سمجھتے رہے مگر کسی سیدزادی کو کسی نے امام تسلیم کیا۔ خواہ وہ امامیہ ہو خواہ اثنا عشریہ خواہ اسماعیلیہ خواہ باطنیہ خواہ خارجی خواہ معتزلہ خواہ کوئی اور فرقہ ان فرقوں میں خواہ اسلام کے دعویٰ دار ہیں۔

خود علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہمارے اہل السنۃ والجماعۃ کی کتب عقائد میں لکھا ہُوا موجود ہے لوکانت الخلافۃ فی النساء لکانت عائشۃ رضی اللہ عنہا احق بہا اگر خلافت عورتوں میں ہوتی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خلافت کی زیادہ حق دار تھیں (لیکن چونکہ خلافت' امامت' سربراہی صرف مردوں میں جاری رہتی ہے اسی لیے باوجودیکہ ازواج مطہرات کے بارے نص قرآنی وارد ہے یا نساء النبی لستن کاحد من النساء اور شان میں ازواج مطہرات کے ساتھ کوئی عورت نہیں مل سکتی خاص کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کے بارے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اولئک مبرءون مما یقولون لہم مغفرۃ ورزق کریم وہ بھی خلافت کی حق دار نہیں ہے)

سلطنت و سربراہی تو اوپر کی بات ہے دو آدمیوں (مدعی و مدعی علیہ) کے درمیان فیصلہ کرنے کے بارے خود حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد گرامی ہے لاتکون المرأۃ حکماً تقضی بین العامۃ یعنی عام پبلک کے درمیان عورت فیصل نہیں بن سکتی

یہی وجہ ہے کہ فقہاء اپنی کتابوں میں لکھا ہے لا ینبغی ان تتولی القضاء قضاء کا متولی ہونا عورت کو نامناسب ہے

امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وقد شرط الذکورۃ فی الخلافۃ خلیفہ کا مرد ہونا ضروری شرط ہے

عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امامت (خلافت) کے لیے نو شرطیں ہیں جن میں سے بعض تو وہ شرطیں ہیں جن پر اسلام کے مدعی تمام فرقوں (سنی شیعہ خارجی معتزلہ باطنیہ اثناعشریہ اسماعیلیہ) کا اتفاق ہے۔ ان میں سے ایک ہے حر (آزاد) ہونا۔ ایک ہے مرد ہونا۔ ایک ہے عقل مند ہونا۔ ایک ہے بالغ ہونا۔ اور ایک عادل ہونا ملخص الکلام فی شروط الامامۃ عند الاشاعرۃ انما تسعۃ فمنہا الحریۃ والذکورۃ والعقل والبلوغ والعدل وھی بالاتفاق بین الفرق کلہم

فتاویٰ قاضی خان میں ہے اہل القضاء من یکون اھلا للشہادات ومن لایکون اھلا للشہادات کالعبد والصبی والاعمیٰ والمرأۃ والکافر لایکون اھلاً للقضاء حتی لو قلد تقضی لاینفذ قضاؤہ اہل شہادات ہی اہل قضاء بن سکتا ہے اور جو اہل شہادات نہیں وہ اہل قضا بھی نہیں ہے جیسے غلام

۱۹۹۱ء

اور بچہ اور عورت اللہ کا فرض ہے کہ اگر کسی خلیفہ نے اس کے گلے میں قضا کا قلادہ ڈال ہی دیا پھر اس نے کوئی فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ شرعاً نافذ نہ ہوگا

اسی طرح اور فقہاء نے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے

اگر عورت سربراہ بن سکتی تو وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کا حکم قرآن مجید میں نہ ہوتا۔

اگر عورت سربراہ بن سکتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیانِ جواز کے لیے کسی نہ کسی پاک بیوی کو کسی اسلامی خطے کا امام علی، معاذ بن جبل، عتاب بن اسید وغیرہ طرح قاضی حاکم و امیر بنا کر بھیجتے تو جیسے گھر میں بیٹھ کر سوالوں کا جواب دیتی تھیں ایسے ہی کسی علاقے میں جا کر گورنری کرتیں

اگر عورت سربراہ بن سکتی تو اذان بھی دے سکتی، خطبے دے سکتی، جمعہ عیدین جنازے بھی پڑھا سکتی۔

اگر عورت سربراہ ہو سکتی تو اعلم الناس ہونے کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو خلیفہ بنایا جاتا یا نبی زادی ہونے کی وجہ سے بجائے حضرت علیؓ کے حضرت فاطمہؓ کو خلیفہ بناتے

اگر عورت سربراہ بن سکتی تو ۱۴ سو سال کے عرصہ میں کبھی تو کوئی سید زادی خلیفہ یا امام بنائی جاتی۔ مگر کسی سید زادی کا امام ہونا کتبِ تاریخ سے ثابت نہیں ہے۔

اب اگر کوئی واقعہ جمل کا پیش کرے تو یہ اس کی خوش فہمی ہے کیونکہ حضرت ام المؤمنین نہ خلیفہ تھیں نہ حاکم نہ امیر۔ وہ صرف مشورہ دینے والی تھیں کہ بلوائیوں کی گرفتاری ضروری ہے مشورہ میں یہ پاس ہو گیا۔ اور کسی نے آپ کو نہ خلیفہ بنایا نہ امیر نہ حاکم۔ اور مشورہ دینے سے کوئی امیر نہیں بن جاتا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ و علیؓ کے مابین جنگ ہونے کا غوغا بھی غلط ہے کیونکہ ان کی باہم نہ عداوت تھی نہ جنگ۔ بلکہ مالک اشتر نخعی جیسے سفہاء قوم نے دو فوجوں میں منقسم ہو کر ایک دوسرے کی طرف تیر اندازی کی اس طرح لڑائی بن گئی

المجیب محمد حسین غفرلہٗ جامعہ ضیاء الاسلام سرگودھا

۲۰ — ۱۱ — ۸۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال النبی ﷺ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (الحدیث)

عورتوں کا سر کے بال کٹوانا

تالیف

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

عرضِ مؤلف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا وَشَفِیۡعِنَا وَسَنَدِنَا وَھَادِیۡنَا وَمُرۡشِدِنَا وَاِمَامِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

اَمَّا بَعۡدُ طالب الخیر فی الکونین محمد حسین غفرلہ خادم جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا عرض پرداز ہے کہ ابھی چند روز پہلے راولپنڈی سے بذریعہ خط میرے ایک دوست رانا علی شیر خان نے ایک مسئلہ پوچھا کہ آج کل آزاد خیال عورتیں اپنے سروں کے بال کٹاتی ہیں اور مردوں کی طرح بال بنالیتی ہیں۔ اور کسی نے ان کو صحیح مسلم کی حدیث جواز کی دلیل بتادی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بھی سر کے بال کٹوایا کرتی تھیں۔ آیا کہ یہ بات ان کی صحیح

ہے یا غلط ہے ؟ اگر غلط ہے تو اس حدیث کا کیا جواب ہے.

سو میں نے اس کا جواب قلمی لکھ کر بذریعہ ڈاک اُن کے پاس بھیج دیا. پھر میرے بیٹے محمد حسن واسطی کے کہنے پر کہ کیوں نہ اس کو افادۂ عام کے لیے مکمل دلائل کے ساتھ لکھ کر شائع کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے اور وہ اس کو پڑھیں، اس لیے اسے شائع کیا جارہا ہے. اس کے مضمون کو زیادہ طوالت سے بچایا گیا ہے تاکہ تھوڑا سا وقت نکال کر ایک دو نشستوں میں بآسانی پڑھا جا سکے. اس سے مُنیب کو فائدہ پہنچے گا مگر ضدی کا کچھ علاج ہمارے پاس نہیں ہے، اگر کوئی بی بی نادانستگی میں کوئی غلطی کر بیٹھی ہے تو آئندہ اس حرکت سے باز آجائے. اُمید ہے کہ بہنیں آئندہ کے لیے توبہ کر کے صحیح طریقہ شرعیہ کو اپناتے ہوئے بال لمبے رکھیں گی اور ان کو اللہ توفیق دے تو حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد احرام کھولنے کے لیے یا خدانخواستہ حالت احداد (خاوند کے مرنے کے بعد چار ماہ دس دن سوگ منانے) میں پوروں کے برابر کاٹنے کے سوا دوسرے کسی موقع پر بھی بالوں کو نہ کٹوائیں گی۔ وباللہ التوفیق وبہ نستعین نعم المولیٰ ونعم النصیر اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ من اظہار کلمۃ الحق ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم. والسلام

الجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس موضوع پر ہم سے پہلے علماء محققین بڑی وضاحت تامہ کے ساتھ لکھ گئے ہیں۔

چنانچہ سب سے پہلے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف "بوادر النوادر" ص ۴۲۷، ۴۲۸ سے اسی قسم کے سوال کا جواب پیش کیا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق

سوال: اخبار "زمیندار" مؤرخہ ۲۳ر فروری ۱۹۲۹ء میں ایک فتویٰ علماء دہلی وغیرہ کا چھپا ہے، جس میں علاوہ اور خرافات و ڈھکوسلوں کے، عورتوں کے سر کے بال کٹانے کا جواز صحیح مسلم باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ (ص ۱۴۸) سے نقل کیا ہے، کہ بعض ازواج مطہرات بال کٹا کر مثل وفرہ کے کر دیتی تھیں ولفظہ

یاخذن من رؤسھن حتیٰ تکون کالوفرۃ

اب سوال یہ ہے کہ کیا عورتوں کے لیے بال کٹانے اور وفرہ کے مثل بنانے جائز ہیں یا نہیں اور کسی صحیح حدیث کے اندر بال کٹانے

سے صاف ممانعت ہے یا نہیں اور صحیح مسلم کی حدیث کا محمل کیا ہے؟

الجواب: اس وضع (قطع مسئول عنہ) کی حرمت پر دلائل صحیحہ قائم ہیں اور جواز کی دلیل میں احتمالات ہیں۔ اس لیے حُرمت ثابت اور جواز پر استدلال فاسد۔

امر اول (ثبوتِ حُرمت) کا بیان یہ ہے کہ مبنیٰ اس وضع کا یقیناً تشبہ بنساء الکفار (کافروں کی عورتوں کے ساتھ مشابہت) ہے جو اہلِ وضع کو مقصود بھی ہے اور اس میں تشبہ بالرجال (مردوں کے ساتھ مشابہت) بھی ہے، گو ان کو مقصود نہ ہو، اور اطلاق دلائل سے یہ تشبہ ہر حال میں حرام ہے، خواہ اس کا قصد ہو یا نہ ہو، اور علاوہ تشبہ کے منع پر اور دلائل بھی قائم ہیں (کما یاتی فی الجواب الآتی)

اور امر ثانی (جواز استدلال کا فاسد ہونا) کا بیان یہ ہے کہ:

اولاً راوی نے اپنا مشاہدہ بیان نہیں کیا۔ اور گو راوی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے محرم ہیں (ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے تھے، انھوں نے حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما کا دودھ پی رکھا تھا، اور ایک عبداللہ بن یزید ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

رضاعی بھائی تھے)

مگر نہ الفاظِ حدیث شمول لعائشہ میں نص ہیں، نہ راوی دوسری ازواج کے محرم ہیں کہ شعور (بالوں) کا مشاہدہ کیا ہو، نہ کسی صاحب مشاہدہ کا نام لیتے ہیں، نہ صاحب مشاہدہ کا ثقہ غیر ثقہ ہونا معلوم، نہ یہ معلوم کہ اس نے تحقیق سے کہا ہے یا تخمین سے۔

بعض اوقات عورتیں بالوں کو ایسا متداخل کر لیتی ہیں کہ دیکھنے والے کو شبہ تخفیفِ شعور کا ہوتا ہے۔

ثانیاً وفرہ بقول اصمعی لِمّۃ سے اشبع (لمبے) ہے اور لِمّہ وہ ہے جو منکبین (کندھوں) سے لگتا ہے (نقلہ النووی ص ۱۳۸)

پس وفرہ منکبین (کندھوں) سے بھی نیچے ہُوا۔

پھر ان شعور (بالوں) کو وفرہ نہیں کہا گیا کالوفرہ (یعنی مشابہ وفرہ کے) کہا گیا۔ تو اس میں یہ بھی احتمال ہو گیا کہ وفرہ سے بھی نیچے ہوں، بلکہ غور کرنے سے یہی احتمال راجح بلکہ مثل متعین کے ہے، کیونکہ اگر وفرہ سے کم ہوتے تو اس لیے لغت موضوع ہے مثلاً لِمّہ تو لِمّہ سے تعبیر کیا جاتا، کالوفرہ کہنے کی کیا ضرورت تھی اور وفرہ سے نامُد (لمبے بالوں) کے لیے کوئی لغت نہیں اس لیے

اس کو کالوفرہ سے تعبیر کیا گیا اور اس حالت میں اس میں یقیناً
ذوائب وقرون بن سکتے ہیں۔

غایۃ ما فی الباب او عورتوں کے قرون و ذوائب سے
اس میں قدرے کمی اور تخفیف ہوگی تو حدیث کا مدلول نفی وفرہ (ان
گیسوؤں کی نفی کرنا) نہ ہوا بلکہ تخفیف شعور (بالوں کا کم کرنا) ہوا
(اگرچہ ایک پورے کی مقدار کاٹنے سے ہو) چنانچہ نووی نے لکھا ہے
فیہ دلیل علی جواز تخفیف الشعور للنساء اور غرض اس تخفیف
سے ترک شعور زینت تھی (یعنی عدۃ وفاۃ میں احداد (سوگ) جو واجب
ہے، اس میں زینت کے بال ترک کیے جائیں تو وہ ایک پورے
کی مقدار کاٹنے سے حاصل ہو جاتا ہے) کما قال النووی
رحمہ اللہ عن عیاض. ولعل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فعلن ھذا بعد وفاتہ لترکھن الزینۃ الخ (جیسے امام نووی
رحمہ اللہ نے قاضی عیاض شارح صحیح مسلم سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ
کی ازواج نے بالوں کا کچھ حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے
بعد ترک زینت کے لیے ہلکا کیا ہوگا۔

اور اس تخفیف کو اخذ کہنا صحیح اور شعور کو من رؤسھن کہنا صحیح ہے

ثالثاً اس سے قطع نظر علیٰ سبیل التنزل ممکن ہے کہ اس زمانہ میں یہ وضع رجال ونساء کے درمیان مشترک ہو۔ پس کجا یہ وضع خبیث اور کجا صنیع ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) سے

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

یہ وہ جواب تھا جو حضرت حکیم الامت مولانا و مرشدنا اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ نے ارقام فرمایا ہے اور اس کے علاوہ دو جواب اور بھی ہیں جو حضرت سید سند حافظ ابن حجر ثانی محمد انور شاہ کشمیری ثم الدیوبندی رحمہ اللہ نے بیان کیے ہیں۔ ترمذی مطبوعہ کراچی ص ۱۸۲ کے حاشیہ میں عرف الشذی بھی طبع ہو چکی ہے جو سید سند کی املائی شرح ہے، اس میں ص ۱۸۳ پر ان کی تقریر اس طرح درج ہے:

الحلق للنسوان حرام عند کافۃ العلماء ولا یجوز لھن عند التحلل الا القصر قدر ما یلف حول انملۃ وھھنا اشکال قوی لم یتوجہ الیہ احد وھو ما فی المسلم ص ۱۴۸ ان بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قصر الاشعار وجعلت مثل الوفرۃ الخ وما حلہ النووی والقاضی العیاض المازری والقرطبی وابو عبد اللہ المالکی الابی. وسالت مرونا

مدظلہ العالی عن حل الاشکال وقال لعلہا قلت الاشعار حالۃ الشیب ویؤید ان قصر بعض ازواج النبیؐ انما کان عند التحلل من الاحرام لا فی غیرہ من الاوقات ولی فی ھذا الجواب قرائن۔

یعنی عورتوں کو سر کے بال منڈانا حرام ہے تمام علماء کے ہاں، اور احرام کھولنے کی صورت میں صرف اسی قدر بال کتر سکتی ہے جو پوروں کے اردگرد لپیٹے جا سکیں اس سے زائد کترانا ناجائز ہے۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک قوی اشکال ہے، جس کی طرف کسی عالم نے توجہ نہیں فرمائی اور وہ اشکال یہ ہے کہ صحیح مسلم ص ۱۴۸ ج ۱ میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواجِ مطہرات نے بال کٹوائے اور وفرہ کی طرح بنادیا اور اس اشکال کا صحیح حل نہ نووی کر سکے نہ قاضی عیاض مازری اور نہ قرطبی اور نہ ابوعبداللہ مالکی ابی۔

پھر فرمایا کہ میں نے اپنے مولانا مدظلہ العالی سے اپنے اس اشکال کے حل کے بارے سوال کیا تو انھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے بال کم ہو گئے ہوں۔

پھر فرمایا کہ میرے نزدیک اس کا صحیح حل یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات

میں سے بعض جو حج کر کے آئی تھیں ان کے بال کٹے ہوئے تھے (احرام کھولنے کے موقع پر جو انھوں نے پوروں کی مقدار کٹوائے تھے اور کوئی کسی موقع پر آپ نے بال نہیں کٹوائے) اور اس جواب کے کئی قرائن میرے پاس موجود ہیں، (البتہ ان قرائن کا ذکر اس مقام پر لکھا ہوا نہیں ہے)

الحاصل یہ حدیث جو صحیح مسلم میں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کے تفردات میں سے ہے۔ صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے کوئی محدث یہ عبارت نہیں لایا، نہ بخاری، نہ ابوداؤد، نہ ترمذی نہ نسائی، نہ ابن ماجہ اور دوسرے محدثین میں سے کسی نے یہ لکھا ہو اس کی نشان دہی کسی عالم نے نہیں کی تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کی یہ حدیث اسی طرح معلول ہے جس طرح اور کئی حدیثیں مسلم کی معلول ہیں۔ مثلاً مسلم کی وہ حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زمین ہفتہ کے روز اللہ نے بنائی اور پہاڑ اتوار کے روز، درخت پیر کو، مکروہ چیزیں منگل کو، نور بدھ کو، اور دواب پھیلائے جمعرات کو، اور آدم کو عصر یوم جمعہ میں پیدا کیا، یہ کل سات دن بنتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ــــ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ کہ تمام آسمان زمین چھ روز کے اندازے میں اللہ تعالیٰ نے بنا دیے۔

اسی طرح اس حدیث کا حال ہے کہ تمام مشہور احادیث کے خلاف ہے کیونکہ احادیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کانوں کے نرموں تک ہوتے تھے مگر گھنگریالے ہونے کی وجہ سے کانوں کے آدھے تک آجاتے تھے اور پھر جب کچھ دن زیادہ گزر جاتے تھے تو بڑھ کر کانوں کے نرموں کے نیچے تک بھی لٹک جاتے تھے کہ کندھوں کے قریب ہو جاتے تھے جیسے امام نووی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے ووجہ اختلاف الروایات فی قدر شعرہ اختلاف الاوقات فاذا غفل عن تاصیرها بلغت المنکب واذا قصرها کانت الی انصاف الاذنین۔ اسی لیے حضرت انس بن مالکؓ جو حضورؐ کے خادم تھے وہ فرماتے ہیں کان شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی نصف اذنیہ (شمائل ترمذی ص ۴ باب ماجاء فی شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی ابی داؤد ص ۲۲۳ ج ۲ الی انصاف اذنیہ وکذافی سنن النسائی ص ۲۷۶ ج ۲)

نیز حضرت انسؓ ہی سے جب حضرت قتادہؒ پوچھتے ہیں کہ

آپ کے بال مبارک کیسے تھے تو آپؓ نے فرمایا لـم یکن بالجعد ولا بالسبط کان یبلغ شعرہ شحمۃ اذنیہ ۔ وابوداؤد ص ۲۲۳ ج ۲۰

تو ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل بال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں کے نرموں تک ہوتے تھے مگر گھنگریالے ہونے کی وجہ سے آدھے کانوں تک رہتے تھے۔

اور براء بن عازبؓ بھی فرماتے ہیں وکانت جـمـۃ تضرب شحمـۃ اذنیہ کہ آپؐ کے گیسو دونوں کانوں کے نرموں کو مائل ہوتے تھے یعنی قریب تھے۔

مسند ابی یعلیٰ ص ۲۵۳ ج ۳ میں ہے کان لہ شعـر قـریـبًا من منـکـبیہ ۔

ترمذی ص ۳۰۲ ج ۲ میں براءؓ کی روایت میں ہے ما رأیت من ذی لـمـۃ لہ شعـر یضرب منـکـبیہ بعید ما بین المنـکـبین ۔ پھر کہا یہ روایت صرف براءؓ سے ہی نہیں بلکہ جابرؓ بن سمرہ وابی رمثہؓ وابو جحیفہؓ سے بھی ہے اور یہ روایت حسن صحیح ہے

ترمذی ص ۳۰۵ ج ۳ میں حضرت عائشہؓ کا یہ فرمان بھی ہے

وکان لہ شعر فوق الجُـمّـۃ ۔

نیز یہ بھی ہے فوق الجمۃ ودون الوفرۃ۔

محشی نے لکھا ہے کہ معنی قولہ فوق الجمۃ دون الوفرۃ

انہ اطول من الوفرۃ واقصر من الجمۃ

نسائی میں ص ۲۷۶ ج ۲ پر ہے ورأیت لہ لمۃ تضرب

قریبا من منکبیہ ہردو دوش کے قریب تھے۔

ابوداؤد ص ۲۲۳ و ۲۲۴ ج ۲ میں ہے عن عائشۃؓ قالت کان

شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوق الوفرۃ ودون الجمۃ

ابن ماجہ ص ۲۶۷ میں ہے قالت کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم شعرا دون الجمۃ وفوق الوفرۃ

نیز اسی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کان شعر رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم شعرا رجلا بین اذنیہ ومنکبیہ

مسند ابو یعلیٰ موصلی ص ۴۱۴ ج ۵ میں بھی حضرت انسؓ سے

مروی ہے ان النبیؐ کان یضرب شعرہ الی منکبہ

اور ص ۲۲۳ ج ۵ میں ہے بین بلحید وعاتقہ

اور صحیح مسلم میں ہے بین اذنیہ وعاتقہ

ابوداؤد ص ۲۲۴ ج ۲ میں مستقل باب منعقد فرمایا کہ مرد کو لمبے

[illegible] باب تطويل الجمة..... عن وائل بن حجرؓ قال أتيت النبي صلى الله عليه وسلم ولي شعر طويل فلما رآني رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ذباب ذباب قال فرجعت فجززته ثم أتيته من الغد فقال اني لم أعنك وهذا أحسن۔

اور نسائیؒ ص ۲۷۶ ج ۲ میں بھی یہی روایت ہے یعنے حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے لمبے لمبے بال تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ یہ بری ہیئت ہے۔ تو میں واپس گیا۔ پھر بال کٹوائے۔ پھر دوسرے دن حاضر خدمت ہوا تو یہ حالت میری دیکھ کر حضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے تجھے بری بات نہ کہی تھی اب یہ حالت بہت اچھی ہے۔

الحاصل ان احادیث میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک تین طرح کے معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں کانوں کے درمیان کانوں کے لو تک، کندھوں سے اوپر اور کانوں سے نیچے۔ مگر ان سے آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نہیں بڑھے۔ بلکہ لمبے بال

رکھنے سے منع فرمایا ہے، جیسے وائل بن حجرؓ کی حدیث میں تصریح ہے
اب اگر عورتوں کے بال بھی کندھوں تک نہ پہنچیں تو عورتوں
کی مردوں کے ساتھ مشابہت لازم آئے گی۔ احادیث میں جس
کی ممانعت وارد ہے۔ چنانچہ ترمذی ص ۱۰۸ ج ۲ میں حضرت
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے اُن
عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی سی بنتی ہیں، اور ان مردوں
پر بھی لعنت فرمائی جو عورتوں کے سے بنتے ہیں۔ اور حدیث لکھ کر کہا
هذا حديث حسن صحيح پھر فرمایا کہ اس بارے میں حضرت عائشہؓ
صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے۔

اور بخاری ص ۸۷۴ ج ۲ میں ہے: باب المتشبهين
بالنساء و المتشبهات بالرجال .... عن ابن عباس قال لعن
النبي صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء، و
المتشبهات من النساء بالرجال۔ معنی وہی ہیں جو اوپر ذکر ہوئے

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بلکہ اس سے بھی
پہلے جاہلیت کے دور میں عورتوں کے بال لمبے لمبے ہوتے تھے،
بلکہ عہدِ جاہلیت میں جن عورتوں کے بال کم ہوتے تھے تو دوسروں

کے بال لے کر لمبے بال بنالیتی تھیں، جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ مگر بالوں کے علاوہ دوسری طرح دھجی وغیرہ لگاکر لمبا جُھلا سا بنالیں تو کوئی حرج نہیں جیسے حدیث کے شارحین اور چاروں مذہب کے فقہاء نے تصریح فرمائی ہے، بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مصنف ابن ابی شیبہ کتاب العقیقہ ص ۳۰۲/۴ میں روایت نقل کی لاباس بالوصال اذا کان صوفا یعنی اُون وغیرہ بالوں کے ساتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تو ثابت ہوا کہ مردوں کو کندھوں سے نیچے بال لٹکانا اور عورتوں کو کندھوں تک بال رکھنا یا اس سے بھی اوپر کو بال بنانا تشبہ کی وجہ سے لعنت کا موجب ہے۔

اور ازواجِ مطہرات اس مسئلہ سے بخوبی واقف تھیں اور اس پر عامل تھیں، ایسا نہ ہوتا تھا کہ لوگوں کو مسئلہ صحیح بتائیں اور آپ اس کے خلاف عمل کریں تو اس حدیث کا مفہوم وہی لیا جائے گا جو آپ رضی اللہ عنہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ بتاتی ہیں، اس لیے ہمیں غور کرنا چاہیے کہ حدیثوں میں جو مختلف الفاظ آتے ہیں ان کی تطبیق کیا ہے؟

اسی لیے ہم نے تمام احادیث کو یکجا جمع کردیا ہے۔ جن میں یہ ہے

① کان شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی نصف اذنیہ یا انصاف اذنیہ

② کان یبلغ شعرہ شحمۃ اذنیہ

③ کان شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بین اذنیہ وعاتقہ، بین الجید وعاتقہ، بین اذنیہ ومنکبیہ

④ کان لہ شعر قریبا من منکبیہ

⑤ کان لہ شعر فوق الجمۃ ودون الوفرۃ

⑥ کان لہ شعر فوق الوفرۃ دون الجمۃ

ان میں پہلے چار کی تطبیق تو نووی وغیرہ علماء نے لکھی ہے مگر نمبر ۵ و ۶ میں تطبیق معلوم نہیں ہوسکتی بلکہ ایک حدیث دوسری حدیث کے مخالف ہے اور معنی بھی سمجھ میں نہیں آتے کیونکہ نمبر ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہ چھوٹے بال ہوتے ہیں اور وفرہ لمبے بال ہوتے ہیں؛ اور نمبر ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ وفرہ چھوٹے بال ہوتے ہیں اور جمہ لمبے بال ہوتے ہیں۔

اس لیے ہمیں لغت کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ مگر جب اہل لغت

کو دیکھتے ہیں تو ان میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے بلکہ بعض جگہ اگر ایک لغت دان ایک معنی کرتا ہے تو وہی لغت دان دُوسری جگہ دُوسرا معنی کر دیتا ہے۔

ابن سیدہ نے المخصص ص ۶۴ ج ۱ میں ابن درید کے حوالے سے لکھا ہے کہ لمہ اور وفرہ ایک ہی چیز ہے اللمۃ والوفرۃ الجمۃ الی الاذنین۔ لمہ و وفرہ ان گیسوؤں کو کہتے ہیں جو کر کانوں تک ہوں۔ اور جو کانوں سے بڑھ جائیں وہ وفرہ نہیں ہیں۔ نیز اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمۃ مطلقاً گیسوؤں کے لیے بولا جاتا ہے۔

پھر ابو زید کے حوالے سے لکھا کہ "لمہ" ان بالوں کو کہتے ہیں جو جمہ سے بڑھ جائیں اللمۃ مازاد علی الجمۃ۔

پھر ابن جنی کے حوالے سے لکھا اللمۃ الشعر دون الجمۃ ھی من الشعر ما الم بالمنکب یعنی "لمہ" چھوٹے بال ہوتے ہیں یعنی جو بال کندھوں کے قریب آجائیں وہ لمہ ہیں۔

شرح مسلم ص ۱۴۸ میں امام نووی نے ابو حاتم کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو بال کانوں کو ڈھانپ لیں وہ وفرہ ہیں۔

مجمع البحار ص ۲۵۲ میں ہے کہ جو بال کانوں کی لوتک پہنچ جائیں آگے نہ بڑھیں وہ "وفرہ" ہیں۔

اسی طرح سنن ابوداؤد ص ۲۲۳ ج ۲ میں شعبہ راوی کے بتاتے ہوئے معنی لکھے ہیں کہ "لمہ" وہ بال ہیں جو کانوں کے لوتک پہنچ جائیں۔ اور:

محمد بن سلیمان انباری سے منقول ہے کہ "لمہ" وہ بال ہیں جو کندھوں کے قریب ہوں۔ اور

شرح مسلم ص ۱۴۸ میں امام نووی نے امام اصمعی سے نقل کیا ہے کہ جو بال "لمہ" سے بڑھے اور آگے بڑھ جائیں وہ "وفرہ" ہیں۔

نہایہ میں ابن اثیر نے لکھا ہے کہ "جمہ" سر کے وہ بال ہیں جو کندھوں پر گریں۔ الجمة من شعر الراس ما سقط على المنكبين۔

اب جبکہ اہل لغت کا اس قدر اختلاف ہے تو کیا کیا جائے۔ جب کہ بعض جگہ تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کا اطلاق دوسرے پر مجازاً بھی ہوتا رہتا ہے۔ جیسے علامہ سندھی رحمہ اللہ نے نسائی ص ۲۷۶ ج ۲ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

ورأيت له لمه بكسر لام و تشديد ميم شعر الرأس اذا نزل عن شحمة الاذن والم المنكبين وعلى هذا فاطلاق الجمه اما مجازا او باعتبار حال اٰخر۔

اس کے علاوہ دُوْن کا لفظ ہے۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک "نیچے"۔ دُوسرا "کم"۔ اگر نیچے کے معنی ہوں تو مطلب جمه دون الوفره کا یہ ہوگا کہ "جمہ" وہ گیسو ہیں جو وفرہ سے نیچے چلے جا رہے ہوں یعنی "وفرہ" بہ نسبت "جمہ" کے چھوٹے بال ہیں، اور "جمہ" "وفرہ" سے آگے بڑھ جانے والے بال ہیں اور اگر "دون" کے معنی کم کے ہوں تو مطلب جمة دون الوفره کا یہ ہوگا کہ جمہ وہ گیسو ہیں جو "وفرہ" سے کم ہوتے ہیں تو اس طرح جمہ چھوٹے بال ہوئے اور وفرہ لمبے بال ہوئے۔

اس لیے اب اصل ماخذ جو لِمَّه، جَمَّه، وَفره تینوں کا ہے۔ اسے اہل لغت کی کتب سے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو تاج المصادر ص ۴۰ میں جمو مر کے معنی لکھے ہیں:

بسیار شدن مال وجزء آن و گرد آمدن آب د

جمر پُر کردن پیمانہ۔ جمر فلان جوما اے دنا وحان

تاج العروس ص ۲۳۲ میں بھی اسی طرح ہے۔

مجمع البحار ص ۲۱۱ ج ۱ میں ہے: جمہ در اصل جموم سے ماخوذ ہے جس کے معنی اجتماع وکثرت کے ہیں اور لمہ، المام سے ماخوذ ہے، تاج المصادر ص ۲۲۳ میں المام کے معنی نیچے آنا اور قریب ہونا لکھے ہیں۔

اور وفرہ، وفر سے ماخوذ ہے اور وفر کے معنی تاج العروس ص ۶۰۴ میں لکھا ہے: الوفر من المال والمتاع الکثیر الواسع الذی لم ینقص منه شئ. یعنی وفر اس قدر کثیر اور وسیع مال متاع جس میں سے ذرا بھی کم نہ کیا جائے تو وفر کے اطلاق میں کمی نہ ہونے کا مفہوم ملحوظ ہے۔

چنانچہ تاج العروس ہی میں ایک اور محاورہ پیش کیا المزادة الوافرة الجلد یعنی ایسی پکھال جس کے چمڑہ میں سے کچھ بھی نہ کاٹا جائے۔ اسی طرح "الارض الوافرہ" ایسی زمین جس کی نباتات میں سے کچھ کم نہ کیا جائے۔

اسی طرح "الجزاء الموفور" کے معنی ہیں ایسی جزا جس میں سے کچھ کمی نہ کی جائے۔

ان امور کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ترجیح اسی معنی کو ہے جو اصمعیؒ نے کیے ہیں یعنی "وفرہ" ان بالوں کو کہتے ہیں جو "لمہ" سے آگے بڑھتے چلے جائیں۔

اور اصمعی (ابوسعید عبدالملک بن قُریبؒ) ابوعُبیدہ وغیرہ سے زیادہ زکی تھا اور خوب حافظہ والا تھا۔ اس کو اکثر علم زبانی یاد تھا اور بہت بڑا محتاط تھا۔ صدوق وصاحب سُنّۃ تھا اور قرآن شریف کی تفسیر کرنے میں بہت ہی احتیاط کرتا تھا۔

اور ابومنصور الازہری (محمد بن احمد بن طلحہ بن نوح بن الازہر) نے تہذیب اللغۃ کے مقدمہ ص ۲۴ میں لکھا ہے، ومارایت فی روایتہ شیئا انکرتہ میں نے اصمعی کی روایت میں کوئی منکر بات نہیں دیکھی۔

پس "وفرہ" ان بالوں کو کہتے ہیں جو نُوچے ہوں۔ ان میں سے کاٹ کر کم نہ کیا جائے اور "جمہ" ان بالوں کو کہتے ہیں جو کندھوں پر جمع ہوجاتے ہیں۔ اور "لمہ" ان بالوں کو کہتے ہیں جو کانوں سے متجاوز ہوکر کندھوں اور کانوں کے درمیان ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال "لمہ" تھے۔ اس معنی کے لحاظ سے جو امام شعبہ سے ابوداؤدؒ نے

اپنی سنن ص ۲۲۳ ج ۲ میں نقل فرمایا ہے۔ اور چونکہ آپؐ کے بال گھنگھریالے تھے، اُوپر کو مُڑ جاتے تھے' اس لیے دیکھنے والے نے روایت کی کہ کان شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی نصف اذنیہ (شمائل ترمذی باب ماجاء فی شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴)، یا کہا الی انصاف اذنیہ (ابوداؤد ص ۲۲۳ ج ۲، نسائی ص ۲۹۶ ج ۲) ورنہ آپؐ بالقصد کانوں کے نرموں تک ہی رکھتے تھے: جیسے حضرت قتادہؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا تھا جو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور اکثر اوقات آپؐ کی خدمت کے لیے حاضر باش رہتے تھے کہ آپؐ کے بال مبارک کیسے تھے؟ تو حضرت انسؓ نے جواب دیا کان یبلغ شعرہ شحمۃ اذنیہ (ابوداؤد ص ۲۲۳ ج ۲) یعنی آپؐ کے بال مبارک اپنے دونوں کانوں کے نرموں تک پہنچتے تھے اور یہی انسؓ الی انصاف اذنیہ روایت کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اصل بال آپؐ بالقصد کانوں کی لو تک رکھتے تھے پھر چونکہ آپؐ کے بال مبارک گھنگھریلے تھے' اس لیے کانوں کے نصف تک مُڑ جاتے تھے۔ تو حضرت انسؓ کے دونوں بیانوں کا یہی مطلب ہے۔ پھر چونکہ بال بڑھنے والی چیز ہے اس لیے بعض

اوقات بال کٹانے کی طرف توجہ نہ فرمائی تو بال کانوں کے نرموں سے بڑھ گئے، اور دیکھنے والے صحابیؓ نے روایت فرمایا۔ جن میں سے خود حضرت انسؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ہیں۔

① بین اذنیہ ومنکبیہ (ابن ماجہ ص ۲۶۷)

② کان یضرب شعرہ الی منکبیہ (مسند ابی یعلی ص ۲۱۳ ج ۵)

③ بین الجید وعاتقہ (مسند ابی یعلی ص ۲۳۳ ج ۵)

④ لہ شعر یضرب منکبیہ بعید مابین المنکبین (ترمذی ص ۳۰۲ ج ۲)

⑤ قریبا من منکبیہ (مسند ابی یعلی ص ۲۵۳ ج ۲ و نسائی ص ۲۷۶ ج ۲)

⑥ بین اذنیہ وعاتقہ (صحیح مسلم)

بہرحال آپ کے بال کندھوں پر نہ گرتے تھے۔ کندھوں کے اُوپر اُوپر ہی رہتے تھے اور جنھوں نے کندھوں تک کہا ہے تو وہ مجازاً ہی کہا ہے۔

اب رہی وہ حدیث جو ابوداؤد طبع مجتبائی ص ۲۲۳ و ۲۲۴ ج ۲، و ابن ماجہ ص ۲۶۷ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: کان شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوق الوفرۃ ودون الجمۃ یعنی آپ کے بال وفرہ سے اُوپر تھے اور جمہ

سے نیچے ۔ اس سے بھی اصمعیؒ کی بات ہی کی تائید ہوتی ہے،
یعنی وفرہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو پورے ہو جائیں اور ان میں سے
کچھ نہ کاٹا جائے ۔ اور "جُمّہ" کا اطلاق اس وقت ماسوا الوفرہ پر ہو گا اور
مُراد یہ ہوگی کہ کانوں کے نرموں سے نیچے آپؐ کے بال تھے ۔ مگر
وفرہ نہ تھے جو عورتوں کی طرح لمبے بال بغیر کٹائی کے چھوڑ دیے جائیں
جب آپؐ کے بال مصروفیات کی وجہ سے کندھوں تک قریب آنے
لگتے تھے تو کانوں کے نرموں تک کٹوا لیتے تھے ۔

البتہ بالکل اس کے برعکس روایت ترمذی ص ۳۰۵ ج ۲،
میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وکان
لہ شعر فوق الجمۃ ۔

نیز آیا فوق الجمۃ ودون الوفرۃ یعنی آپؐ کے بال
مبارک جمہ سے اُوپر اور وفرہ سے نیچے تھے ۔ تو یہ مفہوم پہلی حدیث
کے مخالف بھی ہو جاتا ہے اور وفرہ کا مفہوم بھی بدل جاتا ہے ۔
یعنی وفرہ ان بالوں کو کہا جائے جو جمہ سے کم ہوں ۔ اور جمہ وہ
بال ہوئے جو آگے تک بڑھے ہوئے ہوں ۔

لیکن "دون" کے معنی اگر "نیچے" کے نہ لیے جائیں ، بلکہ

"دون" کے معنی اس حدیث میں کم اور چھوٹے کے لیے جائیں تو پہلی حدیث کے مفہوم کے ساتھ منطبق ہو جائے گا، وہ بایں صورت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک جمہ سے اُوپر یعنی زائد تھے اور وفرہ سے کم تھے۔ پھر بھی وہی اصمعیؒ والے معنی درست بن جاتے ہیں کہ وفرہ وہ بال ہیں جو پُورے ہوں اور ان کو کاٹا نہ جائے اور تطبیق کے لیے یہی صُورت متعین ہے کہ آپؐ کے بال وفرہ نہ تھے، بلکہ کانوں کی لَو تک تھے، آدھے کانوں تک مُڑ جاتے تھے۔ کچھ دن تک نہ کٹوائے جائیں تو کانوں کے نرموں سے تجاوز کر کے کندھوں کے قریب آجاتے تھے۔ اتنے میں آپؐ پھر کٹوا کر کانوں کے نرموں تک کر دیتے تھے۔ بہر حال کندھوں تک نہیں آنے دیتے تھے، چہ جائیکہ کندھوں سے آگے بڑھیں۔ بخلاف عورتوں کے کہ ان کے بالوں کو کندھوں کے آگے تک پُورے رکھنے کا حکم ہے۔

چنانچہ مجمع البحار ص ۲۱۱ ج ۱ میں لکھا ہے و منہ حدیث لعن اللہ المجممات من النساء هن اللتی یتخذن شعورهن جمة لا یرسلنها تشبیها للرجال۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان عورتوں کو

اپنی جوارِ رحمت سے دور رکھتا ہے جو مردوں کی طرح اپنے بالوں کو اکٹھا کرلیتی ہیں اور اپنے بالوں کو اپنی پیٹھ پر لٹکاتی نہیں کہ اس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

سو اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کے بال کندھوں سے نیچے لٹکتے ہُوئے ہوں۔ مردوں کی طرح جمہ رکھنا یعنی کانوں تک یا کانوں سے نیچے، اور کندھوں کے اوپر بالوں کو رکھنا (کٹواکر) موجب لعنت ہے البتہ حج کے موقع پر احرام کھولنے کے لیے کندھوں سے نیچے لٹکے ہُوئے بالوں میں سے صرف انگلی کی مقدار کاٹنے کی اجازت ہے اور انگلی سے زیادہ کاٹنے کی اجازت نہیں ہے، جیسے امام بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ ص ۱۰۴، ج ۵ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان مُحرِم عورت کے لیے نقل کیا ہے کہ. تاخذ من شعرھا مثل السابۃ انگشتِ شہادت جتنے بال کٹوالے۔

نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان لکھا کہ کنا نحج ونعتمر فمانزید علی ان نطرف قدر اصبع۔ یعنی عہدِ نبوی میں ہم حج اور عمرہ کرتے تھے اور احرام کھولنے

کے لیے ہم انگلی کے اندازہ سے زیادہ بال نہیں کاٹتے تھے۔

تو ان احادیث کو سامنے رکھ کر صحیح مسلم کی حدیث کا مطلب بھی حل ہو جاتا ہے۔ جس طرح حضرت مولانا تھانویؒ اور سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے بیان فرمایا ہے۔

اور محدث سیوطیؒ نے عین الاصابہ میں امام احمد بن حنبلؒ کی مناسک کبیر سے حضرت ابن زبیرؓ کے فتویٰ کی تردید جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی ہے، اس میں بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ نے "سیرۃ عائشہؓ ص ۲۸۵ میں لکھا ہے کہ:

حج میں سر کے بال منڈوانا یا ترشوانا بھی حاجیوں کے لیے ضروری ہے۔ عورتوں کے لیے کسی قدر بال کٹوا دینا کافی ہے۔ حضرت ابن زبیرؓ فتویٰ دیتے تھے کہ ناپ کر چار انگل ترشوانا چاہیے۔ حضرت عائشہؓ کو ان کا فتویٰ معلوم ہوا تو فرمایا کہ تم کو ابن زبیرؓ کی بات پر تعجب نہیں ہوا کہ وہ محرم عورت کو چار انگل بال کٹوانے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ کسی طرف کا ذرا سا بال لے لینا کافی ہے۔ اھ

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لمبے بال وہ ہی "وفرہ" تھے جن میں احرام کھولنے کے وقت کسی طرف کا ذرا سا بال لے لینا کافی ہے۔ اب اتنی مقدار میں بال کاٹنے سے "وفرہ" تو رہتا نہیں کیونکہ "وفرہ" تو تب تھا جب اس میں سے کچھ بھی نہ کاٹا جاتا۔ اب جب کچھ مقدار میں بال کاٹ لیے گئے تو "وفرہ" نہیں، بلکہ کالوفرہ یعنی وفرہ کی طرح ہوگیا۔ وھو المطلوب

اور حنبلی مذہب کے عالم الشیخ الامام مجد الدین ابوالبرکات ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے المحرر ص ۱۴۸ و ۱۴۹ ج ۱ میں صراحۃً لکھا ہے: والمرأۃ کالرجل فی جمیع ذٰلک کلہ الا انہا لا ترمل ولا تضطبع ولا ترقٰی المشعر ولا الصفا والمروۃ وتقصر من شعرھا قدر انملۃ۔ الخ

حج کے تمام احکام میں عورت بھی مرد کی طرح ہے سوائے اس کے کہ عورت نہ رمل کرے، نہ اضطباع اور نہ مشعر و صفا و مروہ پر چڑھے، اور صرف پوروں کے برابر (احرام کھولتے وقت) اپنے بال کاٹے۔

نیز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہلانے کے بارے

جن محققوں نے ذکر کیا ہے' انھوں نے یہ نہیں فرمایا کہ آپؐ کے بالوں کے کتنے حصے کیے گئے اور پیٹھ پیچھے ڈالے گئے یا ایک حصہ دائیں طرف اور دُوسرا حصہ بائیں طرف ڈالا گیا۔ کیونکہ آپؐ کے بال عورتوں کی طرح لمبے نہ تھے۔

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بال کانوں پر تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۶۰ ج ۸)

عُبیدہ بن عُمرؓ کا جُمہ گُدّی تک تھا۔ (〃)

ابن زبیرؓ کا جُمہ گردن تک تھا۔ (〃)

ابن حنفیہؒ و ابن عباسؓ سب کے جُمہ تھے گدی تک۔ (〃)

بہرحال کوئی صحابی ایسا نہیں تھا جس کے بال عورتوں کی طرح کندھوں سے مُتجاوز ہوں۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بارے تمام تصریح کرتے ہیں کہ آپؓ کے بالوں کے تین حصے کرکے آپؓ کے پیچھے ڈالے گئے۔ دیکھو نسائی ص ۲۶۶ ج ۱ و ابوداؤد ص ۹۲ ج ۲ والقینا ھا خلفھا۔ یعنی ہم نے ان کے بالوں کے تینوں حصے ان کی پیٹھ پیچھے ڈال دیے۔

مختصر یہ کہ مردوں کے بال زیادہ سے زیادہ کانوں سے نیچے اور کندھوں سے اوپر ہوتے ہیں اور عورتوں کے بال پیٹھ پر گرتے ہیں، جن کو کاٹنا منع ہے، سوائے احرام کھولنے یا ترکِ زینت کے جو پوروں کے برابر کاٹے جا سکتے ہیں۔ زیادہ کاٹنا منع اور حرام ہے اور مردوں کو کندھوں تک بال رکھنا اور عورتوں کو مردوں کے سے بال رکھنا حرام ہے۔ مرد کو عورت کے ساتھ اور عورت کو مرد کے ساتھ مشابہت کرنا حرام ہے۔

قارئینِ کرام! اب تک تو عورتوں کے کندھوں سے نیچے لٹکے ہوئے بال کاٹنے کی حرمت کی ایک وجہ بیان کی گئی ہے کہ اس طرح مردوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اور صحیح مسلم کی حدیث کا صحیح مطلب سمجھایا گیا ہے کہ جو ازواجِ مطہرات کے بال لینے کا ذکر ہے اس سے مراد وہ نہیں جو آج کل کے آزاد منش لوگ سمجھ رہے ہیں۔ بلکہ بقول قاضی عیاضؒ وامثالہٗ ترکِ زینت کے لیے بعد از وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورے کے برابر بال کٹوائے تھے۔ اور بقول علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ حج کے موقع پر احرام کھولتے وقت پورے کے برابر لٹکے ہوئے بالوں کو کاٹا تھا۔

دوسری وجہ

اب دوسری وجہ بیان کرنا ضروری ہے۔ یعنی عورتوں کے کندھوں سے نیچے لٹکے ہوئے بال کاٹنے کی حرمت کی وجہ تشبہ بنساء الکفار یعنی غیر مسلم قوموں کی عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے، ان کا یہ دستور ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی بطور فیشن کے بال کٹوالیتی ہیں اور مردوں کا فیشن ہوگیا ہے کہ وہ اپنے بال عورتوں کی طرح بڑھاتے ہیں اور تشبہ بالکفار سے بھی اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

چنانچہ ترمذی شریف ص ۳۰۵ ج ۲ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تشبھوا بالیھود یعنی یہودی قوم کے ساتھ مشابہت نہ بناؤ۔

اور اس روایت کے راوی (۱) حضرت زبیرؓ (۲) حضرت ابن عباسؓ (۳) حضرت جابرؓ (۴) حضرت ابوذرؓ (۵) حضرت انسؓ (۶) حضرت ابورمثہؓ (۷) حضرت الجھدمہؓ (۸) حضرت ابو الطفیلؓ (۹) حضرت جابر بن سمرۃؓ (۱۰) حضرت ابوجحیفہؓ، اور (۱۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی ہیں۔

جو مجلس وعظ نبوی میں موجود تھے۔

اور ابوداؤد ص ۲۲۵ ج ۲ میں ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ علیہ وسلم نے مخصوص سُرخ زین پوش سے منع فرمایا۔

مرقاۃ میں لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ عجمیوں کا مخصوص زین پوش تھا۔

ترمذی نے ص ۳۰۶ میں فرمایا کہ یہ روایت حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ رضی اللہ عنہما نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرمائی ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المیاثر یعنی مخصوص مجوسیوں کی زین پوش سے منع فرمایا ہے۔

ابوداؤد ص ۲۲۵ ج ۲ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بچپن میں میری بہن مغیرہ رضی اللہ عنہا مجھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے گئیں اور میرے سر پر دو جُوڑے تھے، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ دونوں جُوڑے منڈوا دو، یا فرمایا کہ کاٹ دو، کیونکہ یہ

یہودیوں کا شعار ہے احلقوا ھذین او قصوھما فان ھذا زی الیھود۔

ترمذی ص ۲۰۷ ج ۲ میں حضرت ابوابی الملیح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی[1] عن جلود السباع ان تفترش یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھالوں پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ یہ عجمیوں کی ہیئت تھی۔

محدث طبرانیؒ نے معجم اوسط ص ۳۳ ج ۲ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انھم یوفرون سبالھم و حلقون لحاھم فخالفوھم یعنی مجوسی اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں اور اپنی ڈاڑھی منڈاتے ہیں اس لیے تم ان کی مخالفت کرو (یعنی مونچھیں کٹاؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ)

اس مقام پر محشی نے حافظ ابن حجرؒ کی شرح سے نقل فرمایا ہے انھم کانوا یقصون لحاھم و منھم من کان یحلقھا یعنی بعض مجوسی لوگ اپنی ڈاڑھیاں کترواتے تھے اور بعض

بالکل منڈوا دیتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کترانا حلق (منڈوانے) کے حکم میں ہے۔

ابوداؤد ص ۲۰۳ ج ۲ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جو شخص کسی غیر قوم کے ساتھ مشابہت کرے گا تو انجام کار رفتہ رفتہ وہ انہی میں سے ہوجائیگا۔

حضرت قاری محمد طیبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ: "یہ حدیث ہر اعتبار سے تشبہ کا ایک عام و تام قانون ہے۔ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ظاہری تشبہ جس قوم کے ساتھ کیا جائے یا اشرار و فجار کے ساتھ، خیر میں ہو یا شر میں، معاشرہ میں ہو یا تہذیب و تمدن میں۔ انجام یہ ہے کہ متشبہ اپنا وجود چھوڑ کر اسی قوم کے وجود میں مُدغم ہوجاتا ہے جس کے ساتھ اس نے تشبہ کیا تھا۔" (اسلامی تہذیب و تمدن ص ۸۲)

آگے چل کر ص ۸۲ میں لکھتے ہیں: "اسی حدیث کو سامنے رکھ کر صحابہ (کرام)، و تابعین اور تمام سلف نے ہر قسم کی متشبہانہ تبدیلِ ہیئت اور تبدیلِ معاشرہ کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا

اور اسی حدیث سے استدلال کرتے رہے۔"

چنانچہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ میں بلایا گیا، آپؓ نے جاکر دیکھا کہ اس تقریب میں کچھ عجمی رسمیں ادا کی گئی ہیں تو واپس ہوگئے اور فرمایا کہ من تشبہ بقوم فھو منھم (اقتضاء صراط مستقیم لابن تیمیۃؒ)

اسی حدیث کے ماتحت حضرت حسن البصری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قلما تشبہ رجل بقوم الا کان منھم یعنی بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کسی قوم کی مشابہت کی گئی ہو اور آخر کار اسی قوم سے نہ ہوگیا ہو۔

اسی حدیث کے ماتحت خطاب بن معلی مخزومی نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی جس کو ابن حبانؒ صاحب صحیح نے اپنی کتاب "روضۃ العقلاء" میں نقل کیا ہے کہ تشبہ باھل العقل تکن منھم وتصنع للشرف تدکرہ داناؤں کی مشابہت اختیار کر تو تُو انہی میں سے ہو جائے گا اور بناوٹ سے بھی اگر شرف کی طرف جھکے گا تو شرف حاصل کرلے گا۔ ؎

فَتَشَبَّهُوا إِنْ لَمْ تَكُونُوا مِثْلَهُمْ ... إِنَّ التَّشَبُّهَ بِالْكِرَامِ فَلَاحُ

پس اے لوگو! کریموں (شرفاء) سے تشبہ کرو اگر تم اُن جیسے نہیں ہو، کیونکہ کرام (شرفاء) کے ساتھ مشابہت پیدا کرلینا بھی بڑی کامیابی ہے۔

پس شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ حدیث کم از کم تشبہ مطلق کے لیے ایک زبردست استدلال ہے بلکہ اگر اس کے ظاہر پر جمود کیا جائے تو وہ تشبہ بالکفر کی حرکات کو کفر اور متشبہ کو کافر بعینہٖ اسی طرح ثابت کرتی ہے جس طرح کہ آیت کریمہ ومن یتولھم منکم فانہ منھم ایک موالات کنندہ کو کفار میں شامل کر رہی ہے گو کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ کے قاعدے سے اس کفر میں شدید و خفیف درجات پیدا ہو جائیں۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ مطلق تشبہ بالکفار ایک مسلم کو کفر کی سرحد پر لے جا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ کیونکہ جب اسلامی حدود تشبہ کے حربوں سے توڑ دی جائیں گی (خواہ وہ معاشرتی ہوں یا تمدنی، تعبدی ہوں یا محض اخلاقی) تو یقیناً ان ہی شکستہ حدود کے راستوں سے ان کی اضداد (کفریہ حدود) قائم ہوتی جائیں گی اور اسی طرح اس متشبہ کا اسلامی قصر چند دن میں منہدم ہو جائے گا۔ والعیاذ باللہ۔

امیر المومنین سیدنا عمرؓ کا فرمان

اذربیجان کی عرب رعایا کے
نام

امام الہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصیت نامہ "دانشمندی" کے ص ۸ و ۹ پر ساتویں وصیت کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے کہ:

ہم مسافر ہیں کہ ہمارے باپ دادا ہندوستان کے ملک میں مسافرت کے طور پر آ گئے۔ نسب اور زبان کا عربی ہونا ہمارا فخر ہے، کیونکہ یہ دونوں باتیں پہلوں اور پچھلوں کے سردار، نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے بہتر، تمام موجودات کے فخر حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے ہم کو قریب کرتی ہیں۔ اس بزرگ نعمت کا شکر یہ ہے کہ حتی المقدور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت کے پہلے عربوں کی عادتوں اور رسموں کو (کہ جن کو شریعِ محمدیؐ نے نہیں بدلا) نہ چھوڑیں اور عجم کی رسمیں اور ہندوؤں کی عادتیں اپنے درمیان نہ بننے دیں۔

اخرج البغوی عن ابی عثمان النھدی قال اتانا کتاب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ونحن باذربیجان مع عُتبۃ بن فرقد امابعد. فاتزروا وارتدوا وانتعلوا والقوا الخفاف والقوا السراویلات وعلیکم بلباس ابیکم اسماعیل وایاکم والتنعم وزی العجم وعلیکم بالشمس فانھا حمام العرب وتمعددوا واخشوشنوا واخلولقوا واقطعوا الرکب وانزوا وارموا الاغراض وفی روایۃ وانزوا علی ظھور الخیل نزوا۔

علامہ مُحدّث بغوی رحمہ اللہ نے حضرت ابو عثمان نہدیؒ سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی چٹھی آئی اس وقت ہم لوگ عتبۃ بن فرقد کے ہمراہ (ایران کے ملک میں) آذربیجان مشہور شہر میں پہنچے۔ اور اس چٹھی بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ جب عرب جہاد کے لیے اطراف عجم میں پھیل گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ یہ عرب لوگ کہیں عجم کی رسموں کو

چھوڑ نہ دیویں۔ اس چٹھی کا مضمون یہ تھا کہ:

تہ بند باندھو، اور چادر اوڑھو، اور جوتا پہنو، اور عجمی موزوں اور پاجاموں کو چھوڑ دو، اور اپنے باپ (جدِّ اعلیٰ حضرت) اسماعیل علیہ السلام ہی کے لباس کو اپنے لیے لازم اور ضروری سمجھو۔ اور خبردار اپنے تئیں تن پروری، آسودہ حالی اور عجمیوں کی سی ہیئت، حالت اور شعار اختیار نہ کرنا (حمام کی ضرورت ہو تو) دھوپ کو کافی سمجھنا، کیونکہ یہی عرب کا حمام ہے، اور قوم مَعَدّ (عرب کا جدِّ اعلیٰ) کی رسموں پر قائم رہنا اور کھردرا اور موٹا جھوٹا کپڑا پہننا اور بوسیدہ اور پھٹے پرانے کپڑے پہن لیا کرنا (اسے عار نہ سمجھنا اور نہ یہ عادت چھوڑنا) اور اونٹوں کو پکڑ کر اپنا مطیع بنائے رکھنا، اور گھوڑوں پر کود کر چڑھنا اور تیر اندازی وغیرہ نشانہ بازی کو اپنا شعار بنائے رکھنا۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

ہندوؤں کی بری عادتوں میں سے ایک عادت یہ ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند مر جائے تو اُسے دوسرا خاوند نہیں کرنے دیتے یہ عادت عرب میں کبھی نہیں ہوئی، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے، نہ آپ کے زمانے میں، اور نہ آپؐ کے بعد۔ اس شخص پر اللہ

تعالیٰ رحمت کرے کہ جو اس بُری عادت کو مٹا دے۔ اگر تمام لوگوں سے اس کا دُور کرنا ممکن نہ ہو تو اپنی قوم میں عرب کی عادت قائم کرنی چاہیے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اس عادت کو بُرا جاننا چاہیے اور دل میں اس کا دشمن ہونا چاہیے، کیونکہ نہی منکر کا ادنیٰ درجہ یہی ہے۔

ہم لوگوں کی بُری عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ عورتوں کا مہر بہت مقرر کرتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دین و دُنیا میں ہماری شرافت آپؐ پر ختم ہوتی ہے۔ اپنے اہلِ بیت کا مہر "جو تمام آدمیوں سے بہتر ہیں" بارہ اوقیے اور ایک نش مقرر فرمایا، جو حساب سے پانچ سو درہم بنتا ہے (اور انگریزی حساب سے ۱۳۴½ تولہ بنتا ہے۔ نیلوی)

ہم لوگوں کی بُری عادتوں میں سے ایک یہ بھی بُری عادت ہے کہ شادی بیاہوں کے موقعوں پر فضول خرچی اور اسراف کرتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بہت سی رسمیں کرتے ہیں ہندوؤں کی دیکھا دیکھی۔ ولیمہ اور عقیقہ دو شادیاں ہیں ان کو اختیار کر کے دوسری رسموں کو چھوڑ دینا چاہیے یا ان کا اہتمام و التزام نہ کرنا چاہیے۔

ہم لوگوں کی بُری عادتوں میں سے ماتموں اور سوم و چہلم اور

شماہیوں، سالیانوں میں اسراف کرنا ہے اور عرب کے پہلے لوگوں میں ان تمام باتوں کا وجود نہ تھا۔

نیکوں کی مُشابہت کا اثر

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ التشبہ فی الاسلام ص ۲۷۳ میں حضرت ملا علی القاریؒ کی عبارت اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ:

صاحب مرقاۃ شارح مشکوٰۃ لکھتے ہیں کہ سحرۂ موسیٰ کا ایمان لانا بلاشبہ خدا کے حکم و مشیت سے متعلق ہے کہ ہدایت و ضلالت اسی کے ید قدرت میں ہے لیکن عالم اسباب میں جس چیز نے ان کے قلوب میں استعداد پیدا کر دی وہ اُن کا ظاہری تشبہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے لباس سے انھوں نے کیا اور ویسا ہی جبہ و دستار پہن کر میدانِ مُقابلہ میں آئے گویا اپنے ظاہر کو تو انھوں نے پہلے ہی موسیٰ علیہ السلام کے تابع بنا لیا تھا اور ظاہراً اور سمتاً ان میں اور موسیٰ علیہ السلام میں بعد اور مُنافرت باقی نہ رہی تھی، آخر کار باطن بھی تابع ہو گیا اور قلبی مُنافرت بھی اُٹھ گئی جو ایمان کا ذریعہ بن گئی ورنہ موسیٰؑ کے غلبہ پر وہ کہہ سکتے تھے کہ موسیٰ بڑے ساحر ہیں اور

ہم جھوٹے۔ اس لیے ان کا طلب دلیل صداقت نہیں بلکہ دلیل کمال فن ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ فرعون کے دربار کے ایک مسخرے کو (جو موسٰی علیہ السلام کی نقلیں اُتارا کرتا تھا۔ اُن جیسا لباس پہن کر، ان جیسی عصا ہاتھ میں لے کر، اُن کی سی آواز بنا کر فرعون اور فرعونیوں کو ہنساتا اور استہزاءً موسوی مقاصد کی تبلیغ کرتا تھا۔ جبکہ غرق (بحر) سے اس کو بچا لیا گیا تو موسٰی علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں شکوہ کیا کہ اسے کیوں بچا لیا گیا؟ حالانکہ سب سے زیادہ ایذاء مجھے اسی کے تمسخرے پہنچتی تھی۔ تو جواب دیا گیا کہ بے شک تمسخر سے ایذاء دیتا تھا اور اس کا قلب کفر ہی سے پُر بھی تھا۔ لیکن یہ تیرے لباس جیسا لباس پہنتا تھا، تیرے طرزِ تکلم جیسا طرزِ تکلم اختیار کرتا تھا، اور تیری تمام اداؤں سے اس نے ظاہری مشابہت پیدا کر لی تھی۔ پس ایک حبیب سے بعید تھا کہ دشمن کو حبیب کی زی و ہیئت میں عذاب دے۔ اس لیے اگر اُس نے دُنیا میں ظاہری طور پر تیری صورت سے تشبہ کیا تو صرف دُنیا میں ظاہری طور پر ہی اسے نجات مل گئی کہ غرقِ بحر سے بچا لیا گیا (گو وہ اندرونی طور پر سخت سزا وعذاب میں مبتلا ہے) ہاں اس کا قلب کفر سے لبریز ہے اس لیے اس کی آخرت بھی عذاب سے لبریز ہے۔

اور اب اس اُمت میں بھی دیکھ لو کہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ
کا ایمان بھی اسی ظاہری کی اثر اندازی کا رہینِ منت ہے۔ جنگِ
حُنین سے واپس آتا ہوا لشکرِ اسلامی راستہ میں کسی پڑاؤ پر فروکش تھا
گاؤں کے لڑکے عسکرِ اسلامی کو دیکھنے کے لیے تماشائی بن کر ہجوم
کر آئے، جب لشکر میں اذان ہوئی تو تمام لڑکے استہزاء سے
نقلیں اُتارنے لگے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان
لڑکوں کو پکڑ لاؤ۔ چنانچہ کچھ (لڑکے پکڑ کر) حاضر کیے گئے۔ پوچھا گیا
کہ کون نقل اُتارتا تھا، سب نے ابومحذورہ رضی کی طرف اشارہ کر دیا۔
اس لیے سب لڑکے رہا کر دیے گئے اور ابومحذورہ کو ان کی نیک نصیبی
نے روک لیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو اور اذان کہو،
اور اذان کی نقل اُتارو، یہ کھڑے ہوئے اور جیسے آپ تلقین فرماتے
گئے، وہ بتکلف اور بجبر زبان سے ادا کرتے رہے۔ یہاں تک
کہ اسی زبان سے توحید و رسالت کی وہ شہادت بھی ادا کی جس کی
وجہ سے تمام عرب میں ایک تلاطم بپا تھا۔ لیکن سبحان اللہ کہ
اس ظاہری حرکت لسانی نے ابومحذورہ رضی کے قلب کو محروم نہ چھوڑا،
بلکہ وہی توحید و رسالت کی شہادت جو زبان سے بتکلف ادا کرائی

گئی ، بالآخر سویداءِ قلب میں پہنچ کر رہی اور پھر آپ دیکھتے ہیں کہ
ابو محذورہؓ کس جلالت کے آسمان کا ایک درخشندہ ستارہ ہیں ۔

اور اسی حدیث (من تشبہ بقوم فھو منھم) سے ہدایۃً
یہی نکل آیا کہ موت کے آثار لطیفہ اگر قلوب میں پہنچ سکتے ہیں ، تو
زبانوں کی شہادت اور ظاہر کے متاثر کرنے سے پہنچ سکتے ہیں ،
کیونکہ کسی باطن میں جب ایسی چیز پہنچائی جانے گی جو اس میں
نہیں ہے تو اس کا راستہ یہی ہے کہ ظاہر کے راستے سے اسے قبول
کیا جائے ، قلوب کے عالم کا ظاہر یہ لسان اور جوارح ہی
ہیں تو جو بھی آثار ظاہر پر ڈال لیے جاویں گے وہی آثار باطن کو بھی متاثر
کردیں گے ۔ ؎

چوں بیاری طہارتِ ظاہر   باطنت نیز حق کند طاہر

یہی وجہ ہے کہ سلفاء ، خلفاء ، علماء ، فقہاء ، صوفیاء ، مجتہدین اور
عاملین کی توجہ اس بات کی طرف رہتی تھی کہ جو کام ہم کر رہے ہیں
اس میں غیر قوم کے ساتھ مشابہت تو نہیں ۔ اگر سچ مچ علم ہو جاتا
کہ اس میں غیر قوموں کے ساتھ مشابہت ہے تو فوراً اس کام کو ترک
کردیتے ۔ اگرچہ بظاہر کس قدر مستحسن معلوم ہوتا ۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اقتضاء صراط مستقیم میں لکھا ہے قال المروزی سألت اباعبداللہ یعنی احمد بن حنبل عن حلق القفا، فقال ھو من فعل المجوس ومن تشبہ بقوم فھو منھم یعنی مروزیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے گدی کے بال منڈوانے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ یہ کام مجوسی کے کاموں میں سے ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرتا انھیں میں سے ہوجاتا ہے۔ امام احمدؒ نے اپنا عمل بھی بتایا کہ اما انا فلا احلق قفای سنو میں تو ایسا نہیں ہوں کہ میں اپنی گدی منڈواؤں۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے حلق راس المرأۃ مثلۃ کحلق اللحیۃ فی حق الرجال۔ یعنی عورت کا سر منڈانا مثلہ ہے جیسے مرد کا ڈاڑھی منڈانا مثلہ ہے۔

اور مثلہ کہتے ہیں اعضاء انسانی میں سے کسی عضو کو کاٹ دینا جیسے کان کاٹنا، ناک کاٹنا، ہاتھ یا پاؤں کاٹنا۔

میں کہتا ہوں کہ ڈاڑھی منڈانا مثلہ بھی ہے اور ڈاڑھی منڈانے سے کئی خرابیاں اور بھی لازم آتی ہیں جو تفصیل سے لکھی جارہی ہیں:

ڈاڑھی مُنڈانے کی خرابیاں

① ڈاڑھی مُنڈانے میں عورتوں کے ساتھ مُشابہت ہے۔

② ڈاڑھی مُنڈانے میں ہندوؤں کے ساتھ مُشابہت ہے۔ کیونکہ ہندوؤں کے مذہب میں ڈاڑھی منڈانا فرض ہے۔ جیسا کہ مولانا عبید اللہ نومسلم ولد کوٹے مل ہندو نے اپنی کتاب تحفۃ الہند میں ہندوؤں کا عقیدہ بیان فرمایا ہے۔

③ ڈاڑھی منڈانے میں قوم نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے۔

④ ڈاڑھی منڈانے میں قوم لوط علیہ السلام کے غنڈوں کے ساتھ مُشابہت ہے۔ ڈاڑھی منڈانے کی عادت اسی قوم سے شروع ہوئی اور اس سے پہلے مسلم اور غیر مسلم سب کے سب لوگ ڈاڑھیاں رکھتے تھے۔

⑤ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء ورسل کی ڈاڑھیاں تھیں، ڈاڑھی منڈانے میں ان تمام انبیاء علیہم السلام کی عملی طور پر مخالفت ہے۔

⑥ تمام اولیاء اللہ کی ڈاڑھیاں تھیں اور ڈاڑھی منڈانے میں تمام اولیاء اللہ کی عملاً مخالفت ہے۔

⑦ تمام صالحین وشہداء کی ڈاڑھیاں تھیں اور ڈاڑھی منڈانے میں ان تمام شہداء وصالحین کی عملاً مخالفت ہے۔

⑧ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے احفوا الشوارب واعفوا اللحی یعنی مونچھیں چھوٹی کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ، اب جب ڈاڑھی منڈائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی اور نافرمانی ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول یعنی اللہ تعالیٰ کی مانو اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی مانو۔ اور فرمایا ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کی خاطر جہنم کی آگ تیار ہے۔

⑨ ڈاڑھی منڈانے والے ڈاڑھی کے بالوں کو عموماً یونہی پھینک دیتے ہیں حالانکہ انسان سے جدا شدہ اعضاء، بال، ناخن وغیرہ کو دفن کرنے کا حکم ہے، تو اس طرح اس حکم کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ

⑩ ان بالوں کی جو سنتِ نبوی تھے، اب توہین ہونے لگی کہ پاؤں

کے نیچے آرہے ہیں اور اُڑ کر گندی جگہوں میں گر رہے ہیں۔

⑪ ڈاڑھی منڈانے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی گئی سنتوں سے محروم رہتا ہے۔ مثلاً وضو کرتے وقت ڈاڑھی کا خِلال کرنا سُنّت ہے۔ ڈاڑھی منڈانے والا اس سُنّت سے محروم رہا۔

⑫ ڈاڑھی میں کنگھی کرنا سُنّت ہے۔ ڈاڑھی منڈانے والا اس سُنّت سے بھی محروم رہا۔

⑬ ڈاڑھی سفید ہو تو اس کو مہندی لگانا مُستحب ہے۔ ڈاڑھی مُنڈانے والا اس مُستحب سے بھی محروم رہا۔

⑭ ڈاڑھی مُنڈانے والا فاسق ہے جو ڈاڑھی مُنڈا کر لوگوں کو اپنے فسق پر گواہ بناتا ہے، کہ لوگو! قیامت کے دِن گواہ رہنا کہ میں فاسق ہوں۔

⑮ ڈاڑھی مُنڈا کر اپنے فاسق ہونے کا اظہار کرنا اور گناہ کا اِظہار کرنا بھی گناہ ہے۔

⑯ اگر کسی نائی کو کہے کہ میری ڈاڑھی مُونڈ، تو اس کو بھی گویا فسق کے کام کا حکم دیا، تو یہ الگ گناہ ہُوا۔

⑰ اور اس حرام کام کے لیے نائی کو اُجرت دی اور حرام کام پر اس کا

تعاون کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ، یعنی ایک دُوسرے کا تعاون نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تو ضرور کرو مگر گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں ایک دُوسرے کا تعاون نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

⑱ اس کو حرام مال کھانے کے لیے دیا کہ حرام کما اور حرام کھا۔

⑲ تبذیر کی یعنی اپنا وہ پیسہ فضول خرچی میں لگا کر شیطان کا بھائی بن گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا یعنی فضول خرچی مت کرو، کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا۔ اور ڈاڑھی منڈانے والے نے بھی اپنے رب کی دی ہُوئی نعمتِ مال کی قدر نہ کرتے ہُوئے حرام کام میں ضائع کر دیا تو شیطان کا بھائی بنا۔

⑳ ڈاڑھی منڈانے والے نے جیسے اپنا مال ضائع کیا ایسے ہی اس نے ڈاڑھی منڈانے پر جتنا وقت لگتا ہے اتنا وقت بجائے اس کے کر

اس وقت کو غنیمت جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسولؐ کا ذکر کرلیتا، قرآن مجید کی تلاوت کرلیتا یا کوئی اور نیک کام کرلیتا اتنا وقت اس نے ایک حرام کام میں ضائع کردیا۔ اور اس طرح

(۲۱) نیکی کے کام کرنے سے اتنے وقت میں محروم رہا۔

(۲۲) جس طرح اپنا وقت ضائع کیا اسی طرح نائی کا وقت بھی حرام کام میں ضائع کردیا۔

(۲۳) اور نیکی کے کام سے نائی کو بھی روک دیا۔

(۲۴) ڈاڑھی منڈا کر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زینت کو قباحت میں تبدیل کردیا اور فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللہِ کے تحت اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا، یہ گناہ الگ، اپنے سر چڑھایا۔

(۲۵) شیطان کو خوش کیا، یہ بھی گناہ اس نے اپنے سر لیا۔

(۲۶) ڈاڑھی منڈا کر شیشہ دیکھتا ہے اور بیع شرعی کو اپنے زعم میں حسین سمجھتا ہے، یہ بھی گناہ ہوا۔

(۲۷) ڈاڑھی منڈانے والے عموماً ڈاڑھی والوں کو برا سمجھتے ہیں، اور

(۲۸) ڈاڑھی والوں کے بارے میں کہانیاں اور کہاوتیں بناتے ہیں، اور

(۲۹) بکرے اور چھیلے اور سکھوں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور مختلف

پیراؤں میں اشارے کرتے ہیں، اس طرح سے

(۳۰) سُنّتِ رسولؐ کا اِستہزاء لازم آتا ہے، اس کے ساتھ

(۳۱) تمام پیغمبروں، اولیاء، صُوفیاء اور نیک لوگوں کی توہین، اور اِستہزاء لازم آتا ہے۔

(۳۲) ڈاڑھی منڈانے والے زبان سے بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم ڈاڑھی والوں کی طرح ڈاڑھی کی آڑ میں شکار نہیں کرتے۔

(۳۳) غیر قومیں ڈاڑھی منڈانے والوں سے خوش ہوتی ہیں اور ڈاڑھی والوں پر پھبتیاں اُڑاتی ہیں۔

(۳۴) ڈاڑھی منڈانے سے شرم وحیا نہیں رہتا اور ڈاڑھی منڈانے والا ہر گناہ بغیر جھجک کے کر گزرتا ہے۔ اور ڈاڑھی والا کچھ تو اپنی ڈاڑھی کی لاج رکھے گا۔ اور اگر کوئی غلط کام اس سے ہوجائے تو طعنہ دینے والے اس کو طعنہ دیں گے اور وہ شرمندہ ہوگا۔

(۳۵) ڈاڑھی منڈانے والے کے بارے کسی نے سوال کیا تو کہنا پڑتا ہے کہ وہ فلاں جو ڈاڑھی مُنڈاتا ہے، تو غیبت کا ارتکاب ہُوا اور اس غیبت کا سبب ڈاڑھی منڈانے والا ہُوا۔

(۳۶) ڈاڑھی منڈانے والے کی شہادت ناقابل اعتبار ہے۔ جیسے تمام

فقہاء نے لکھا ہے۔

(۳۷) نائی نے کسی کی ڈاڑھی مونڈی ہے اور اتفاق سے ایسا ہوگیا کہ جس کی ڈاڑھی مونڈی گئی ہے اس کی ڈاڑھی اُگنے سے رُک گئی، اب وہ آدمی کھودا ہوگیا تو فقہاء نے لکھا ہے کہ اس نائی پر دیت لازم آئے گی، یعنی اس کو جس کی ڈاڑھی نہیں اُگی سَو اُونٹ دینے لازم ہوں گے۔

(۳۸) ڈاڑھی منڈانے والا اذان اور اقامت سے محروم ہوگیا، اس کی اذان واقامت مکروہ ہے۔

(۳۹) ڈاڑھی منڈانے والا امام نہیں بن سکتا، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

(۴۰) ڈاڑھی منڈانے والا نہ جمعہ پڑھا سکتا ہے اور نہ عید کی نماز پڑھا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ڈاڑھی منڈانے والا فاسق ہے اور فقہاء کرام نے قاعدہ لکھا ہے کل صلوٰۃ ادیت مع الکراھۃ وجب اعادتھا جو نماز کراہت کے ساتھ ادا کی جائے اس کا دُہرانا ضروری ہوتا ہے، تاکہ بغیر کراہت کے نماز صحیح ہوسکے اور عیدین وجمعہ کی نماز کا اعادہ نہیں ہوتا اس سے معلوم ہُوا کہ یہ جُرم اس قدر بڑا ہے کہ اس کا تدارک مشکل ہے۔

اور ڈاڑھی کترانے والا بیان کردہ گزشتہ امور کے علاوہ اس کی مشابہت مجوس کے ساتھ بھی ہوئی، جیسے حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح فتح الباری میں لکھا ہے۔

نیز فتح القدیر ص ۷۷، ج ۲، وغیرہ کے قول کے مطابق بعض مغربی لوگوں اور مخنثۃ الرجال کے ساتھ مشابہت ہے یعنی ہیجڑوں جیسی شکل بنانا۔ جیسا کہ ایران کے باشندے ہیجڑے کسی دور میں چھوٹی چھوٹی ڈاڑھیاں رکھتے تھے۔ اور بعض مغربی غیر مسلم قومیں ڈاڑھیاں کتراتی تھیں۔

اور جو عورتیں بال کٹواتی ہیں ان کے لیے بھی تقریباً یہی اُوپر والی مذکورہ خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ مزید برآں یہ کہ جیسے سننے میں آیا ہے کہ عورتیں اپنے بال کٹوانے کے لیے مردوں کے پاس جاتی ہیں ان سے بال کٹواتی ہیں تو اس میں درج ذیل خرابیاں مزید پیدا ہو جائیں گی:

① نامحرم مرد اس کو دیکھتا ہے۔
② نامحرم مرد اس کو ہاتھ لگاتا ہے۔
③ نامحرم مرد اس کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔
④ بعض اوقات ہنسی مخول اور استہزاء کرتا ہے۔

⑤ اور غلط قسم کے تعلقات بڑھنے کا مظنۂ عظیمہ ہے۔

○ اور ان تمام باتوں میں شرع محمدی کی خلاف ورزی ہے۔

معجم صغیر طبرانی ص ۱۳۳ ج ۱ میں ہے عن عبد الله بن عمرو قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الجمة للحرة والعقيصة للامة۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت کو کانوں سے نیچے گیسوؤں کو جمہ بنانے سے اور باندی کو موباف باندھنے سے منع فرمایا۔

اس حدیث میں سر کے آس پاس گیسوؤں کو لپیٹنا بھی آگیا اور کانوں سے نیچے کندھوں کے برابر رکھنا بھی اس حدیث میں آگیا کہ عورتوں کو اس طرح بال رکھنے منع ہیں، بلکہ آگے تک بال بڑھا کر پیٹھ پیچھے ڈال دیں کہ وفرہ بن جائے جو عورتوں کے لیے مخصوص ہے۔

یہ آخر ہے اس تحریر کا جو ضروری سمجھ کر میں نے لکھا ہے اور اس میں ضمناً اور کئی مسائل کا بھی ذکر ہو گیا ہے جن کا جاننا ضروری تھا اور لوگ ان کو معمولی سمجھ کر ترک کیے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو علم سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اشاعۃ التوحید والسنۃ کی توفیق بھی دے اور رسالہ پڑھنے والا دوسرے کو بھی دے، شاید کسی منیب کو عمل کی توفیق نصیب ہو جائے۔ فقط والسلام لاشئ محمد حسین غفر اللہ لہ ولوالدیہ ولاساتذتہ

تصویر کی شرعی حیثیت

مؤلفہ :

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ العالی

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی قال فی کتابہ ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم وقال وصورکم فاحسن صورکم والیہ المصیر والصلوۃ والسلام علی النبی الامی الذی ھو احسن الخلق والخلق وعلی الہ واصحابہ الذین جاھدوا فی سبیل اللہ حق جہادہ وعلی الائمۃ السادۃ المجتہدین

اما بعد آج کل آزادی کا زمانہ ہے اسلامی مطالعہ سے لوگ دور بھاگتے ہیں۔ ہر اسلامی حکم کا عقلِ نارسا کے ساتھ رد کر دیتے ہیں۔

من جملہ ان کے تصویر اور فوٹو اور ٹیلی ویژن کا مسئلہ ہے جو آج کی زندگی کا لازمہ بنا ہوا ہے۔ شادی بیاہ و دیگر تقریبات میں فوٹو گرافروں کو تاکید سے بلایا جاتا ہے۔ جلسوں جلوسوں میں ان کا فوٹو لیا جاتا ہے۔ اگر کسی مسجد میں جلسہ ہو رہا ہے یا محفل قرات ہے یا اور کوئی مجلس ہے تو مسجد کا احترام بالائے طاق رکھ کر اس ممنوع کام کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ اور ان مجلسوں میں شریک ہونے والے علماء باوجود علم کے رد کرتے نہیں بلکہ خوش ہوتے ہیں اس لیے ہم نے اس مسئلہ سے لوگوں کو آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ اللہ ہم کو عمل کی توفیق بخشے آمین

احادیث نبویہ دربارۂ حرمتِ تصاویرِ ذی روح

بخاری ص مسلم ص نسائی ص میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی سے مروی ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی و ام سلمہ رضی نے ملک حبش میں ایک کنیسہ (گرجا) دیکھا تھا جس میں تصویریں تھیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ان اولٰئک اذا کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علیٰ قبرہ مسجداً وصوروا فیہ تلک الصور فاولٰئک شرار الخلق عند اللہ یوم القیٰمۃ ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ جب ان میں کوئی نیک شخص ہوتا تو اس کے مرنے کے بعد وہ اس کی قبر پر ایک عبادت گاہ بناتے اور اس میں یہ تصویریں بنا لیا کرتے تھے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔

مسند احمد، مسلم، نسائی میں ابو محمد ہذلی حضرت امام علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ میں شریک تھے تو فرمایا تم لوگوں میں سے کون ہے کہ مدینہ میں جائے اور کوئی بت بغیر توڑے نہ چھوڑے اور کوئی قبر زمین کے برابر کیے بغیر نہ چھوڑے اور کوئی تصویر نہ چھوڑے جسے مٹا نہ دے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ شخص چل پڑا مگر کسی وجہ سے یہ کام کیے بغیر واپس آ گیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں جاتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اچھا تم جاؤ۔ حضرت علیؓ گئے۔ واپس آ کر عرض کی کہ میں نے کوئی بت بغیر توڑے نہیں چھوڑا، نہ کوئی قبر زمین کے برابر کیے بغیر چھوڑی، نہ کوئی تصویر مٹائے بغیر چھوڑی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اگر کسی شخص نے ان چیزوں میں سے کوئی چیز بنائی تو اس تعلیم سے کفر کیا جو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت ترین سزا پانے والے مصوّر (تصویر بنانے والے) ہوں گے

بخاری، مسلم، نسائی، مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔ ان کو کہا جائے گا کہ جو کچھ تم نے بنایا ہے۔ اس کو زندہ کرو۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ کی بات ہے کہ حضرت جبرائیل ہوتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا وعدہ کیا مگر بہت دیر لگ گئی اور وہ نہ آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے پریشانی ہوئی اور آپ گھر سے نکلے تو وہ مل گئے۔ آپ نے ان سے شکایت کی تو انہوں نے کہا ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو یا کتا۔

اسی طرح بخاری میں ہے کہ عبداللہ عباس رضی نے ابو طلحہ سے فرمانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ

مسلم نقل کیا ہے لاتدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورۃ رحمت کے فرشتے کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور یا تصویر ہو

ترمذی میں حضرت جابر رضہ کی روایت درج ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں کتا رکھنے سے بھی منع فرمایا اور تصویر بنانے سے بھی منع فرمایا۔

بخاری، مسلم، مسند احمد میں ابوزرعہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوہریرہ رضہ کے ساتھ ایک مرتبہ ایک مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک تصویر بنانے والا مکان کے اوپر (کی چھت میں) تصویریں بنا رہا ہے۔ اس پر ابوہریرہ نے فرمایا کہ میں نے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو میری تخلیق کے مانند تخلیق کی کوشش کرے، یہ لوگ ایک دانہ یا ایک چیونٹی تو بنا کر دکھائیں!

بخاری میں حضرت ابوجحیفہ رضہ کی روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مصور یعنی تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

صحابہ کرام رضہ کا یہ عمل رہا ہے کہ جن مکانوں میں تصویریں ہوتیں وہاں نہ جاتے تھے۔ بلکہ تصویریں مٹا دیا کرتے تھے اور لوگوں کو تصویریں مٹانے کے لیے بھیجا کرتے تھے؛

بخاری میں ہے کہ حضرت خلیفۂ برحق عمر بن خطابؓ نے عیسائیوں سے فرمایا کہ ہم تمہارے گرجوں میں اس لیے داخل نہیں ہوتے کہ ان میں تصویریں ہوتی ہیں۔

بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضہ گرجا میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے مگر اس گرجا میں نماز نہ پڑھتے تھے جس میں تصویریں ہوں۔

مسند احمد میں ہے حضرت علی رضہ نے اپنے کوتوال کو کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں کس مہم پر تمہیں بھیج رہا ہوں؟ اسی مہم پر جس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ میں ہر تصویر کو مٹا دوں اور ہر قبر کو زمین کے برابر کر دوں۔

مسلم و نسائی میں ہے حضرت علی رضہ نے ابوالہیاج اسدی سے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس مہم پر نہ بھیجوں جس مہم پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا اور وہ یہ ہے کہ تم کوئی تصویر مٹائے بغیر نہ چھوڑو اور کوئی اونچی قبر زمین کے برابر کیے بغیر نہ چھوڑو اور کوئی مجسمہ بغیر توڑے نہ چھوڑو۔

سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ
موطا امام مالک ص ۳۸۱ میں حضرت ابو سعید خدری رض
داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں
علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس گھر میں فرشتے
اور علامہ نووی رح نے شرح مسلم
علامہ عینی عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۷۰ میں
میں لکھا ہے کہ ہمارے فقہاء حنفیہ و شافعیہ و دیگر فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی جاندار چیز کی تصویر
بنانا حرام سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے خواہ تصویر بنانے والے نے کسی ایسے استعمال کیلیے
بنائی ہو جس میں اس کی تذلیل ہو یا کسی اور غرض کے لیے ۔ بہر حال تصویر کشی حرام ہے۔
کیونکہ اس میں اللہ کی تخلیق سے مشابہت ہے۔ اسی طرح تصویر خواہ کپڑے میں یا فرش میں
یا دینار یا درہم یا پیسے میں یا کسی برتن یا دیوار میں، بہر حال اس کا بنانا حرام ہے۔ البتہ
جاندار کے سوا کسی دوسری چیز مثلاً درخت وغیرہ کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے۔ ان تمام امور
میں تصویر کے سایہ دار ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ یہی مسلک امام مالک و
سفیان ثوریؒ، امام ابوحنیفہ اور دیگر علماء کرام رح کا ہے ۔ قاضی عیاض نے لڑکیوں کی
گڑیوں کو مستثنیٰ کیا لیکن امام مالکؒ ان کا خریدنا بھی ناپسند کرتے تھے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے مسلمان علماء ہی میں جو جوازِ تصویر کے قائل ہیں جیسے
بحر محیط میں ہے حکی مکی فی البدایۃ ان قوما اجازوا التصویر ۔ مگر خود مفسر نے اس کی تردید
میں لکھی وما احفظ من ائمۃ العلم من تجوزہ مجھے کسی عالم ربانی کا علم نہیں جس نے تصویر کو
جائز کہا ہو۔ روح المعانی والے نے بھی اسی کو نقل کرکے لکھا فلا یلتفت الی ھذا القول و
لا یصح الاحتجاج بالآیۃ نہ یہ قول قابلِ التفات ہے اور نہ آیت سے کوئی ایسا استنباط نکلتا ہے
بعض کا کہنا ہے کہ یہ تماثیل مجسمے تھے انبیاء، ملائکہ اور صالحین کے ۔ اور حضرت سلیمان
علیہ السلام کی دعا سے ان میں جان پڑ گئی تھی

لیکن صاحب روح المعانی نے فرمایا ھذا من عجب العجاب ولا ینبغی اعتقاد
صحتہ وما ھو الاحدیث خرافۃ یہ حکایت بہت ہی عجیب و غریب ہے، ہرگز یقین کرنے
کے قابل نہیں۔ یہ محض ایک لغو روایت ہے ۔

تماثیل کی لغوی اور شرعی تحقیق

التماثیل جمع ہے التمثال کی۔ تمثال ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی چیز کے مشابہ بنائی گئی ہو۔ خواہ وہ انسان کی شکل ہو خواہ پرند چرند کی خواہ درخت کی ہو یا پھول پتی کی دریا پہاڑ ہوں یا اور کوئی بے جان چیز۔ جیسے لسان العرب میں ہے التمثال اسم للشئ المصنوع مشبها بخلق من خلق الله تمثال نام ہے ہر اس مصنوعی چیز کا جو خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کی مانند بنائی گئی ہو۔ علامہ محمود زمخشری نے کشاف میں لکھا التمثال کل ما صور على صورة غيره من حيوان وغير حيوان تمثال ہر اس تصویر کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی صورت کے مماثل بنائی گئی ہو خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان

حضرت سلیمان علیہ السلام نبی تھے تورات پر عمل کرتے تھے اور تورات میں مجسمہ بنانے کی بڑی سختی سے ممانعت آئی ہے چنانچہ

خروج ۲۰ : ۴ میں ہے تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین میں یا زمین کے نیچے پانی میں ہے

اس لیے یہ کہنا کہ حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام کے عہد میں فرشتوں انبیاء اولیاء اور صلحاء کی تصویریں بنانا جائز تھا اب ہماری شریعت میں اس کی ممانعت ہو گئی ہے یہ قول مرجوح ہے۔ بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ مختلف مناظر کی سینریاں بنائی جاتی تھیں جن کی ممانعت نہ تو شریع موسوی وعیسوی میں تھی اور نہ ہی شریع محمدی (علی صاحبہا الف صلوۃ وتحیہ) میں ہے۔ جیسے ہماری حکومت پاکستان میں ڈاکخانہ کی ٹکٹوں پر شاہی مسجد قلعہ کی تصویر دی ہوئی ہوتی ہے

آیت قرآنی یعملون له ما یشاء من محاریب وتماثیل الآیہ میں تماثیل کے معنی ہمارے پیرو مرشد حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ القوی نے " بڑی بڑی چارپائیاں " کیے ہیں، جو حدیث پاک سے مستنبط فرماتے ہیں۔ اس طرح کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مجوزین کی دلیل بن سکتی ہے نہ ان کی تاویل چل سکتی ہے۔

فوٹو اور تصاویر کے بارے استاذی حضرت مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ کے چند فتوے

تصویر کھینچنا اور کھچوانا ناجائز ہے خواہ دستی ہو یا عکسی۔ دونوں تصویریں ہیں۔ اور تصویر کا حکم رکھتی ہیں۔ تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے خواہ انسان ہو یا حیوان۔ مکانات کے نقشے، درختوں کی تصویریں ناجائز نہیں ہیں۔

تحقیقاتِ جدیدہ سے درختوں میں جس قسم کی حیات دریافت کی گئی ہے وہ انسان و حیوان کی حیات سے مختلف ہے۔ دونوں زندگیوں کا تفاوت بدیہی اور مشاہد ہے۔ پس حکم کا اختلاف کچھ مستبعد نہیں

تصویر بنانے کا حکم جداگانہ ہے اور تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کا حکم جداگانہ ہے۔ تصویر بنانے اور بنوانے کا حکم تو یہ ہے کہ وہ مطلقاً حرام ہے خواہ تصویر چھوٹی بنائی جائے یا بڑی۔ کیونکہ علتِ ممانعت دونوں حالتوں میں یکساں پائی جاتی ہے۔ اور علتِ ممانعت مضاہات بخلق اللہ ہے

اور تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر تصویر چھوٹی ہو اور غیر مستبین الاعضاء ہو تو اس کو ایسے طور پر رکھنا کہ تعظیم کا شبہ نہ ہو جائز ہے۔ یا ضرورت کی وجہ سے استعمال کی جائے جیسے سکّہ کی تصویر، تو جائز ہے۔ باقی بڑی تصویریں بلا ضرورت استعمال کرنا یا ایسی صورت سے رکھنا کہ تعظیم کا شبہ ہو، ناجائز ہے۔

تصویروں کا خریدنا بیچنا ناجائز ہے۔ خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔ اور بچوں کے کھیلنے کی ہوں یا کسی غرض کے لیے۔ البتہ ایسی اشیاء جن میں تصویر کا بیچنا خریدنا مقصود نہ ہو جیسے دیا سلائی کے بکس کہ ان پر تصویر بنی ہوتی ہے۔ مگر تصویر کی بیع و شراء (خرید و فروخت) مقصود نہیں ہوتی۔ تو ایسی چیزوں کا خریدنا بیچنا مباح ہو سکتا ہے۔ باجے وغیرہ جن میں تصویر نہ ہو بچوں کے کھیلنے کے لیے خریدنا اور ان کا بیچنا مباح ہے

تصویر کھینچنا یا کھچوانا اگر کسی ضرورت پر مبنی ہو مثلاً پاسپورٹ کے لیے تو مباح ہے

فوٹو اور تصویریں قصداً مکان میں رکھنا حرام ہے اور بلاقصد کسی اخبار یا کتاب میں رہ جائے تو یہ حرام نہیں مگر مکروہ یہ بھی ہے

اوپر کے نصف حصہ جسم کی تصویر جس میں چہرہ اور سر ہو، جائز نہیں۔

مجسمہ یعنی انسان یا کسی جاندار کی تصویر تو شرع اسلامی میں جائز نہیں۔ اور اس کو مسجد یا مسجد کی متعلقہ عمارت میں رکھنا اور بھی بُرا ہے

جاندار کی تصویر کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سختی سے ممانعت فرمائی ہے صحیح حدیثوں میں موجود ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ فوٹو بھی تصویر ہی ہے۔ یہ قول غلط ہے کہ احادیث متعلقہ حرمت تصویر موضوع یا ضعیف ہیں کربلائے معلی۔ نجف اشرف۔ بغداد۔ شام وغیرہ کے سفر کے لیے فوٹو کھچوانا ناجائز ہے۔ ان مقامات کا سفر بھی فرض واجب نہیں۔ ان زیارات کو ترک کر دینا لازم ہے۔ جاندار کی تصویر بنانا اور بنوانا ناجائز اور حرام ہے

کتابت میں تصویروں کی شکل بنانا ناجائز ہے؛ اور خصوصاً بسم اللہ شریف جو قرآن پاک کی آیت ہے اس کی تصویر کی شکل بنانا بہت زیادہ مذموم ہے

تصویر کھینچنا کھنچوانا حرام ہے۔ اس کی تعزیر قاضی شرع کی رائے پر ہے۔ کوئی حد شرعی مقرر نہیں ہے

مسلمان کو تصاویر کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ اس میں دارالحرب اور دارالاسلام کا بھی کوئی فرق نہیں؛ اور ضرورت کے موقع پر فوٹو کھنچوانا کہ پاسپورٹ مل سکے مباح ہے۔ کپڑے کے تھان کہ جس پر کارخانہ کے رجسٹرڈ چھاپ کا لیبل چسپاں ہوتا جو جاندار کی تصویر ہو یا بکس کہ جس پر تصویر جاندار ہو اور اس میں اشیاء فروخت بند ہوتی ہیں، ان میں چونکہ تصویر کی خرید و فروخت مقصود نہیں ہوتی اس لیے ضرورۃً گنجائش ہے۔ اور یہی حکم ان اخبارات کا ہے کہ جن میں جابجا تصویریں ہوتی ہیں اور تاجروں

فوٹو کے ذریعے سے تصویر اتارنے اور اتروانے کو شامل ہے۔ جاندار کی تصویر خواہ کسی
طریقے سے بنائی جائے تصویر کا حکم رکھتی ہے۔ اس کو گھر میں رکھنا ممنوع ہے۔
تصویر سے مراد چہرہ یعنی سر کی تصویر ہے خواہ ہاف (نصف بدن کی) ہو یا پورے
قد کی۔ ہاں سر اور چہرہ نہ ہو تو باقی بدن کی تصویر مباح ہے۔
بعض علماء مصر فوٹو کی تصویر کو مباح قرار دیتے ہیں۔ بعض نصف بدن کی تصویر
کو مباح بتاتے ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں یہ دونوں قول مرجوح اور بے دلیل ہیں۔
تصویر یعنی مصوَّر اور صورت اور شبیہ اور مجسمہ سب ایک معنے رکھتے ہیں۔ اور
اس سے مراد اس قدر حصہ ہے جس سے پہچان اور تعارف حاصل ہو جائے۔ وہ
چہرہ اور سر ہے۔ اور تصویر کشی سے مراد چہرے اور سر کا منقوش کرنا ہے ممانعت و
حرمت کا حکم اسی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

اور بعض علماء نے جو نصف تصویر بنانے کو جائز قرار دیا ہے اس کے لیے کوئی مضبوط
اور قابلِ اعتماد دلیل نہیں ہے۔ مطلقاً تصویر کشی خواہ نصف تصویر ہو یا پوری ہمارے
نزدیک حرام ہے۔

کو اخبار بینی لازمی ہوتی ہے کیونکہ ان سے چیزوں کے نرخ معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہی حکم ہے کیلنڈر تاریخ دیکھنے کا

تصویر بنانا حرام ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ ہزاروں مسلمانوں نے اپنے تجارتی نشانات میں تصویریں بنائی ہیں۔ اور ان تصویروں کو ٹریڈ مارک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان ان ٹریڈ مارکوں کی تصویروں کو موقوف کرانے کے لیے کوئی اقدام خلوص کے ساتھ کرے تو اس کیلئے موجب اجر ہوگا۔

ایسے لفافے جن پر تصویریں بنی ہوتی ہیں' سینکڑوں روزمرہ کی استعمالی اشیاء پر موجود ہیں' ماچس مارکہ کاغذ، دیا سلائی کی ڈبیاں، کپڑے کے تھان، چینی کے برتن، اخبارات و رسائل اور ہزاروں چیزیں ہیں۔ ان کی خریداری کا حکم یہ ہے کہ اگر تصویر کی خریداری مقصود نہ ہو اور تصویر کو اس چیز کی قیمت میں دخل نہ ہو یعنی خود تصویر کی کوئی قیمت اس میں شامل نہ ہو' تو ایسی چیزوں کا خریدنا مباح ہے۔

قلم سے یا کسی دوسرے طریقے سے تصویر بنانا یا بنوانا ہرگز جائز نہیں۔ لیکن سخت ضرورت یا قانونی مجبوری کے وقت جائز ہوگا۔ کیونکہ شریعت کا ایک مسلّم قاعدہ ہے الضرورات تبیح المحظورات؛

فوٹوگراف کے ذریعے سے جانداروں کی تصویریں بنانا بنوانا۔ اس کا پیشہ کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ فوٹوگراف کی تصویر بھی تصویر ہی ہے۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کی کامل تصویر ہے۔ اس لیے تصویر کے احکام اس پر جاری ہوں گے؛

تصویر بنانا اور اس کو استعمال کرنا شریعت مقدسہ نے ناجائز قرار دیا ہے۔ فوٹو لینا بھی تصویر بنانے کا ایک طریقہ ہے۔ پس وہ ناجائز ہے جب کہ اس سے جاندار کی تصویر بنائی جائے۔ ہاں مکانات اور غیر ذی روح مناظر کا فوٹو لینا جائز ہے جیسے کہ ہاتھ سے ان کی تصویریں بنانی جائز ہیں۔ شریعت مقدسہ نے جانداروں کی تصویریں بنانا اور فوٹو لینا اس مصلحت سے حرام فرمایا ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم و توقیر کا شائبہ بھی مسلمانوں کو باقی نہ رہے۔

تصویر بنانے اور بنوانے کی جو ممانعت ہے وہ ہاتھ سے تصویر بناتے اور بنوانے یا

علماءِ مصر کے ساتھ مفتی اعظم ہند کا مختصر و مفید مکالمہ

دربارہ جواز و عدم جواز فوٹو

علماء مصر

ممنوع تو وہ تصویر ہے جو انسان کے عمل اور ہاتھوں کی کاری گری سے ہو فوٹو میں کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ یہ تو صورت کا عکس ہوتا ہے

حضرت مفتی اعظم سیدی سندی محمد کفایۃ اللہ علیہ رحمہ

یہ عکس کیمرہ کے لینس سے کاغذ پر کس طرح منتقل ہو جاتا ہے؟

علماء مصر

بہت کچھ کاری گری کرنی پڑتی ہے

حضرت مفتی اعظم

انسان کے عمل، ہاتھوں کی کاری گری اور بہت کچھ کاری گری میں کیا فرق ہے؟

علماء مصر

کوئی فرق نہیں۔ سب کا ایک ہی مفہوم ہے

حضرت مفتی اعظم

لہٰذا حکم بھی سب کا ایک ہے

علماء مصر، حضرت مفتی صاحب کی حاضر جوابی سے بے حد متاثر ہوئے اور کچھ ایسے خاموش ہوئے کہ جواب نہ دے سکے

(مفتی اعظم کی یاد ص ۱۳۶)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

المعارف

فی تحریم

المزامیر والمعازف

مؤلفہ:

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ من بعث لمحق المعازف والمزامیر وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین اما بعد

کچھ دنوں پہلے علاقہ کاغان سے ایک خط موصول ہوا جس میں ایک استفتاء درج تھا کہ اس کا جواب قرآن وسنت کی روشنی میں دیا جائے اور اس کی تائید مزید کتب حنفیہ اور اقوال سلف صالحینؒ و اولیاء کرامؒ و مجتہدینِ دین سے کی جائے۔ تاکہ ہم اس جواب کو افادۂ عام کے لئے شائع کر دیں۔ نیز ان امور کا جواب بھی دیا جائے جسے دوسرے لوگ اپنی دلیل سمجھتے ہیں۔

اس لئے ہم خود ہی رسالہ کی صورت میں وہ سوال و جواب پیش کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق گوئی کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سوال

علاقہ کاغان میں شادی بیاہ کے موقعہ پر مرد اور عورتیں جمع ہوتے ہیں اور گانے بجانے کے آلات لے کر ان سے گاتے بجاتے ہیں۔ مرد بھی اور عورتیں بھی۔ اور علاقے کے اہل علم منع نہیں کرتے۔ بلکہ اس کام کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اور ایک مولوی صاحب ہیں جو مرد و زن کے اجتماع اور خلط ملط ہونے کو اور بغیر پردے کے آمنے سامنے آنے کو اور غیر محرم مردوں کا اور اجنبی عورتوں کا گانا سننے کو اور ڈھول باجا شہنائی وغیرہ آلات کے استعمال کرنے کو حرام کہتا ہے۔ بتاؤ کونسا حق پر ہے اور کس کی بات قرآن و حدیث اور شرع شریف کے موافق ہے۔

جواب

یہ ایک سوال ہے مگر اس کے ضمن میں کئی سوال آگئے ہیں ۱ مرد و زن کا اختلاط ۲ عورت کا پردہ نہ کرنا نامحرموں سے ۳ عورت کی آواز خاص کر عورت کا گانا بجانا۔ اور غیر محرم کو اپنی آواز سنانا ۴ غیر محرم کا اجنبیہ کا گانا سننا ۵ گانا راگ ۶ ڈھولکی

بلسے بجانا۔ ہر ایک سوال کا جواب علی سبیل الاختصار لکھا جاتا ہے۔ واللہ الموفق وھو الہادی!

مرد و زن کا اختلاط اور پردہ کا حکم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطٰن یعنی عورت ذات سرتاپا پوشیدہ رہنے کے قابل ہے۔ جب وہ گھر سے باہر (بغیر شرعی عذر کے) نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔

حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ بھی اور حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھیں۔ اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا) آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ۔ دونوں پردہ میں ہو جاؤ! میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ تو نابینا ہیں۔ ہم کو تو دیکھتے بھی نہیں۔ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا، "تم بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھتیں۔"

پہلی حدیث عورت کو پوشیدہ رہنے اور رکھنے کی تاکید اور اس کا گھر سے نکلنا (بغیر عذر شرعی کے) موجب فتنہ شیطانی ہونا بیان کر رہی ہے اور دوسری حدیث بتا رہی ہے کہ باوجودیکہ یہاں کوئی قریب احتمال بھی خرابی کا نہ تھا کیونکہ ایک طرف ازواج مطہرات تھیں رضی اللہ عنہن جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور دوسری طرف ایک نیک صالح صحابی رضی اللہ عنہ پھر وہ بھی نابینا۔ لیکن اس پر بھی مزید احتیاط کے لئے یا امت محمدیہ کی تعلیم کے لئے آپؐ نے بیبیوں سے پردہ کروایا۔ تو جہاں ایسے موانع نہ ہوں وہاں پر کیوں نہ اہتمام ہوگا

حضرت امام ثانی خلیفہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مرد کسی عورت کے پاس تنہا جگہ میں بیٹھے گا تو وہاں تیسرا ان کا شیطان ضرور ہوگا۔

یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ نامحرم مرد اور عورت کا تنہا جگہ اٹھنا بیٹھنا منع اور حرام ہے

اور اگر پردہ نہ ہو تو عادت اور مشاہدہ اس بات کا شاہد ہے کہ ہرگز اس میں احتیاط نہیں کی جائے گی۔ بالخصوص آج کل کے بے باک اور آزاد طبائع سے یہ امر یقینی ہے۔ پس بے پردگی ذریعہ ہوگی اس تنہائی کی۔ اور یہ تنہائی ہے حرام۔ تو اس کا ذریعہ یعنی بے پردگی بھی حرام ہوگی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اس پر جو بری نظر سے دیکھے اور اس پر بھی جس کو دیکھے یعنی اگر وہ بے احتیاطی کرے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایاکم والدخول علی النساء یعنی عورتوں کے پاس آمد و رفت رکھنے سے بچا کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! بھلا دیور کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "دیور پوری موت ہے"

اس حدیث میں بے ضرورت و بے تکلف عورتوں کے پاس آمد و رفت رکھنے کو حرام فرمایا ہے۔ اور فطرت صحیحہ اور دلالت صریحہ سے ثابت ہے کہ اس آمد و رفت کا عمدہ انسداد پردہ ہی ہے۔

بخاری شریف میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ذکر ہے کہ آپؓ نے حبشیوں کی تلواروں کا تماشا دیکھا۔ وہ بھی از خود نہیں بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔

اس واقعہ سے آج کل کے بعض نوخواندہ حضرات یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ والعیاذ باللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نامحرم مردوں کو دیکھا اور والعیاذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نامحرموں کو دکھانے کے مجرم ہیں۔

لیکن ان عقل اور آنکھوں کے اندھوں نے یہ حدیث کی عبارت نہیں دیکھی کہ لانظر الی لعبھم (تاکہ میں ان کی کھیل کی طرف دیکھوں) یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ آپؓ ان کھیلنے والوں کے جسم کی طرف نگاہ نہیں فرما رہی تھیں نہ ان کے چہروں کی طرف اور نہ ان کے ہاتھوں کی طرف، بلکہ ان کی چلتی ہوتی ہوئی تلواروں اور تیروں پر نگاہ رکھ رہی تھیں۔ پھر

اس عبارت کی مزید وضاحت اور تشریح فرماتے ہوئے امام قسطلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے لَا أَنْظُرُ إِلَى لَعِبِهِمْ وَالْأَعْجَمِيُّ لَا إِلَى ذَوَاتِهِمْ إِذْ نَظَرُ الْأَجْنَبِيَّةِ إِلَى الْأَجْنَبِيِّ غَيْرُ جَائِزٍ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں ان کے کھیل کی طرف نظر کر رہی تھی یعنی ان کے آلاتِ حرب تلوار تیر وغیرہ کی طرف میری نگاہ تھی اور ان کی ذات اور بدن کی طرف میری نگاہ نہ تھی۔ کیونکہ اجنبیہ عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا ناجائز ہے۔

جو لوگ تلواروں کے کرتب دکھلاتے ہیں یا چھری گتکہ پٹا لکڑی کا کھیل کھیلتے ہیں ان کی نظریں تلواروں اور اطرافِ بدن پر پڑتی ہیں۔ اور دیکھنے والوں کی نظریں ان کی حرکات و آلات کی طرف۔ بلکہ اس وقت تو ان کا دیکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا لہو ولعب میں کیوں مصروف ہوئیں اور پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تکلیف دی۔ سو اس کا جواب بھی حضرت امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیا لعله عليه السلام ترکها تنظر الی لعبهم لتضبطه وتنقله ولتعلمه بعد یعنی وہ کھیل ایسا نہ تھا کہ جس میں وقت ضائع ہو بلکہ وہ کرتب تھے جہاد میں کام آنے والے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کرتب ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اس غرض سے دکھائے تاکہ آپؓ تلواروں اور تیروں کے ان کرتبوں کو ضبط اور حفظ کر لیں اور پھر اپنے بھانجیوں بھتیجیوں اور دیگر مستورات کو تعلیم دے سکیں۔

اور علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے فوائد واستنباط میں لکھا ہے فیه جواز اللعب بالسلاح للتدریب علی الحرب والتنشیط علیه، وجواز نظر النساء الی فعل الاجانب؛ واما نظرهن الی وجه الاجنبی فان کان بشهوة فحرام اتفاقا وان کان بغیرها فالاصح التحریم: وقیل کان هذا قبل نزول قل للمؤمنات یغضضن من ابصارهن یعنی اس واقعہ سے چند فوائد حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ تلوار وغیرہ آلاتِ حرب سے کھیلنے کا جواز' تاکہ شوق اور رغبت الی الجہاد پیدا ہو۔ دوسرے عورتوں

کو اجنبی اور بیگانے لوگوں کے کرتبوں کی طرف دیکھنا جائز ہوا۔ لیکن عورتوں کو اجنبی اور بیگانے مردوں کے چہروں کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنا تو بالاتفاق حرام ہے۔ اور بغیر شہوت کے بھی بنا بر قول اصح حرام ہی ہے: اور بعض علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ واقعہ (ام المؤمنین کا حبشیوں کے کرتب دیکھنے کا) تو پردہ کی آیت قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ پردہ کی آیت بعد میں اتری ہے۔

تو اب اس قول کی بنا پر تو سرے سے اس منسوخ حدیث کو استدلال میں پیش کرنا ہی باطل اور غلط ہوا

اور اگر امام قسطلانی رحمہ اللہ کا قول ہی اختیار کیا جائے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے تب بھی بے گانوں کی طرف نظر کرنے کا قطعی انکار اور ان کے آلات کی طرف نظر کرنے کا ثبوت اور اقرار ہے

بخاری شریف میں حضرت حبر الامۃ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

کان الفضل ردیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاءت امرأۃ من خثعم فجعل الفضل ینظر الیھا وتنظر الیہ فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصرف وجہ الفضل الی الشق الآخر یعنی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آپ کی سواری پر سوار تھے۔ اتنے میں خثعم قبیلہ کی ایک عورت حاضر آئی۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس عورت کی طرف دیکھتے اور وہ عورت ان کی طرف دیکھتی تھی۔ تو نبی اکرم صلی اللہ وسلم نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا۔

فائدہ:۔ اگر اجنبی مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنا منع نہ ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کا چہرہ کیوں پھیرتے

سوال

صحیح مسلم میں حضرت امام فی الدین ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی تزوجت امرأۃ من الانصار قال فانظر الیھا

فان فی اعین الانصار شیئا یعنی ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنے لگا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا پھر تجھے چاہیے کہ پہلے اس کو دیکھ لے۔ کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔

یہاں اس حدیث کا مطالعہ کرنے کے بعد قدرتی سوال ابھرتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو کنواری پردہ دار عورت سے بھی زیادہ شرم و حیا والے تھے۔ آپ کے متعلق تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ عورتوں کو دیکھتے ہوں اور پھر اُن کے بدن عیوب معلوم کرتے ہوں پھر آپ نے یہ کیسے فرمادیا فان فی اعین الانصار شیئا:

جواب

اس سوال کا جواب علماء کرام علیہم الرحمۃ نے کئی طرح سے دیا ہے
علامہ طیبیؒ نے تو یہ جواب دیا ہے کہ آپؐ نے انصار مردوں کو دیکھا۔ تو اُس پر آپؐ نے انصار کی عورتوں کو قیاس فرمالیا۔

اور بعض نے یہ جواب دیا کہ لوگ انصار کی عورتوں کے بارے ایسی بات کہتے تھے۔
اور بعض نے کہا کہ آپؐ تمام اُمّت کے حق میں بمنزلہ والد ماجد کے ہیں اور باپ سے بیٹی کا پردہ نہیں ہوتا۔

مگر ان تینوں جوابوں میں سے علامہ طیبی رحمہ اللہ کا جواب اظہر و احسن ہے۔ اور تیسرے جواب پر اعتراض کیا گیا ہے کہ آپؐ کا تمام امت کا باپ ہونا صرف آپؐ کے شفیق و ناصح اور واجب التوقیر والتعظیم والتکریم اور مفترض الطاعۃ ہونے کے لحاظ سے ہے۔ نہ ہر لحاظ سے من کل الوجوہ۔ ورنہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ آپؐ کے نکاح کی کوئی صورت نہیں بن سکتی اور وہ بھی امت محمدیہ علی صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیۃ میں داخل ہیں۔

مگر یہ جواب کسی نے نہیں دیا کہ جب اجنبیہ عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے تو سرے سے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ جواب دینے کی زحمت گوارا کرنی پڑے۔
بہرحال اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی مرد اجنبیہ عورت کی طرف نظر نہیں کر سکتا

مگر ہاں جس شخص کا ارادہ ہو اس عورت سے نکاح کرنے کا تو وہ اس عورت کے چہرے کی طرف نظر کر سکتا ہے۔

ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے اپنی اپنی سنن میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت بیان فرمائی ہے کہ ایک عورت کے ہاتھ میں خط تھا۔ وہ پردہ کے پیچھے کھڑی ہو کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دینے لگی۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے وہ خط لینے کے لئے ہاتھ آگے بڑھانے کی بجائے پیچھے روک لیا۔ اور فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ہاتھ مرد کا ہے یا عورت کا؟ عورت بولی یا رسول اللہ! یہ ہاتھ عورت کا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو عورت ذات ہے تو تو اپنے ناخنوں کو مہندی سے رنگ دیتی (مشکوٰۃ ص ۳۸۳)

اس حدیث پاک سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہو گئی کہ اس پاک عہد میں عورتیں شرع محمدی کے مطابق اس بات کی پابند تھیں کہ اجنبی مرد سے اپنا چہرہ چھپا رکھیں اگرچہ وہ خیر الخلق امت کے روحانی والد ماجد خاتم النبیین کی معصوم ذات ہی ہو جہاں خفیف سے خفیف احتمال بھی تصور میں نہیں آ سکتا بلکہ ایسا تصور انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

البتہ ایک دوسرے کو کوئی چیز دیتے لیتے وقت یا مجبوری ہاتھ کی ہتھیلی ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے حدیث سے واضح ہے۔

نیز یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ عورت کو ناخنوں اور ہتھیلی پر مہندی ضرور لگانی چاہیے ورنہ مردوں کے ساتھ مشابہت آئے گی جو حرام ہے اور موجب لعنت کا۔

نیز یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ سامنے آنا پیر و مرشد کے مستورات کو حرام ہے ہرگز ہرگز کسی صورت میں جائز نہیں۔ کلام کرنا اگر خوف فتنہ نہ ہو تو جائز ہے۔ اگر خوف فتنہ ہو تو حرام و ممنوع ہے۔ اور خلوت اجنبیہ کے ساتھ حرام ہے۔ اس کے ہاتھ سے ہاتھ مس کرنا اور کسی جزو بدن کو ہاتھ لگانا ہرگز درست نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل یہ تھا واللہ ما مست یدہ ید امرأۃ قط یعنی تمام عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بیعت کرتے وقت بھی عورت کے ہاتھ کو اپنا دستِ مبارک نہیں لگایا صلی اللہ علیہ وسلم؛

راگ گانا اور ڈھول باجے بجانا

حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ سے اس بارے میں ایک استفتاء کے ذریعہ یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تھا جس کا آپ نے جواب دیا۔ سوال جواب ہر دو دیکھو

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرعِ متین اس صورت میں کہ شادی کی تقریب پر تاشوں کا بجوانا کیسا ہے؟ تحفۃ المشتاق میں جواز لکھا ہے اور تحفۃ الزوجین میں عدم جواز کے متعلق درج ہے۔ ایک مرتبہ یہاں پر مولانا مولوی شیخ حسین صاحب انصاری بھوپال سے تشریف فرما ہوئے تھے۔ اس موقعہ پر تاشے پیش کر کے دریافت کیا گیا تھا، جواز ہی کا حکم فرمایا تھا۔ آپ اس کے متعلق کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ چونکہ میرے خصوصاً اور یہاں کے لوگوں کے نزدیک عموماً آپ کا فتویٰ معتبر ہے۔ فلہٰذا اس کے متعلق جواب شافی تحریر فرمائیں

الجواب

چونکہ مجھ کو کبھی اہتمام کے ساتھ اس مسئلہ کی تحقیق کا اتفاق نہ ہوا تھا اس لئے بنا بر قولِ مشہور مذکور علی لسان الجمہور یہ سمجھتا تھا کہ شادی میں دف بجانا جائز ہے۔ دوسرے ناجائز۔ مگر تھوڑا زمانہ ہوا کہ ایک مضمون جو ضمیمہ اخبار الفقیہ امرتسر ۵ نومبر ۱۹۱۹ء میں بعنوان "باجوں پر تحقیق کی بردست چوٹ" شائع ہوا ہے نظر سے گذرا تب سے متعارف ضربِ دف کے جواز میں بھی شبہ ہو گیا۔ اور احتیاطاً ترک اور منع کا عزم کر لیا۔ افادۂ عام کے لئے اس کی نقل کی جاتی ہے

باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ

کس قدر افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ حضور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام تو فرمائیں کہ خدا نے مجھے ہدایت کے واسطے رسول بنایا اور حکم دیا کہ تمام جہان سے راگ باجا مٹا دوں (رواہ ابوداؤد والطیالسی واللفظ لہ و احمد بن منیع و احمد بن محمد بن حنبل والحارث)

اور یہ بھی فرمایا کہ میری امت سے ایک قوم آخر زمانہ میں مسخ ہو کر سؤر اور بندر ہو جائیں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے یا کون؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں یہ سب مسلمان ہوں گے۔ خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کی شہادت دیتے ہوں گے اور روزے بھی رکھتے ہوں گے۔ مگر آلات لہو ولعب یعنی باجہ اور دف بجائیں گے اور گانا سنیں گے اور شراب پئیں گے۔ تو مسخ کر دیئے جائیں گے (رواہ ابن منذر و ابن حبان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

ان احادیث کی رُو سے تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ حضرات علماء جو شریعت کے حامل اور نائب رسول ہیں، یہ لوگ پوری کوشش کر کے کل راگ و باجہ اٹھا دیتے۔ مگر بجائے اس کے الٹی کوشش کی۔ کسی نے ڈھولک و سارنگی کو قوالی کے ساتھ جائز کیا۔ اور کسی نے دُف کو مطلقاً جائز سمجھا۔ اور تحریراً و تقریراً اس کا جواز شائع کیا؛ اور مولوی وحید الزمان سرگروہ غیر مقلدین نے تو اور غضب ڈھایا۔ اپنی کتاب "نزل الابرار" جو باہتمام مولوی ابو القاسم بنارس میں چھپی ہے۔ اس کے صفحہ ۳ میں صاف لکھ دیا ہے "شادیوں میں ہر طرح کا باجہ و گانا بہتر ہی نہیں بلکہ واجب اور ضروری ہے۔ اور جو حرام کہتا ہے وہ گمراہ ہے" انتہٰی انا للہ وانا الیہ راجعون: اہل حدیث ہونے کا دعویٰ اور حدیث کی یہ قدر کی۔ اور کھلم کھلا مخالفت پر کمربستہ ہے چونکہ ہمارے علمائے احناف کل باجے و گانے کو حرام کہتے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ سماع کے ساتھ ڈھولک اور شادیوں میں دف بجانے میں اختلاف ہے، لہذا ضرورت معلوم ہوئی کہ اس مسئلہ پر تحقیق کی پوری روشنی ڈالی جائے تاکہ حق و باطل میں فیصلہ ہو جائے۔ اور برادران سنی حنفی کو اپنا مذہب معلوم ہو جائے

پہلی روشنی

مذہب حنفی میں کل باجے حرام ہیں۔ ہدایہ شریف میں ہے ان الملاھی کلھا حرام حتی التغنی بضرب القصب (تمام کھیلیں حرام ہیں۔ حتیٰ کہ نے بجانے کے ساتھ گانا) نیز خزانۃ و درمختار میں ہے استماع صوت الملاھی کضرب قصب ونحوہ حرام (آلات لہو کی آواز

سننا حرام ہے۔ جیسے نے وغیرہ کی ضرب۔ بخلاف مذہب شافعیؒ کے کہ ان کے ہاں مباح ہے اور ترک اولیٰ ہے۔ چنانچہ آگے معلوم ہوتا ہے۔

دوسری روشنی

دف بھی چونکہ باجہ ہے لہٰذا حنفیہؒ نے تصریح و تشریح کر دی کہ دف بھی حرام ہے شامی میں ہے استماع ضرب الدف والمزمار وغیر ذلک حرام (دف مزمار وغیرہ کی چوٹ کی آواز سننا حرام ہے)

۲ شرح نقایہ میں ہے اما الاستماع فکاستماع ضرب الدف والمزمار والغناء وغیر ذلک حرام (دف و مزمار کی چوٹ اور گانا وغیرہ سننا حرام ہے۔

۳ ابوالمکارم میں ہے کرہ (تحریما) لہو کضرب الدف والمزمار (یعنی کھیل مکروہ تحریمی ہے جیسے دف اور مزمار کو چوٹ لگانا

۴ مجموعہ فتاوٰی عزیزی رسالہ غناء میں کئی عبارتیں منقول ہیں غناء و ضرب بربط و دف واوتار و طنبور است وآں ہمہ باین نص حرام اند من استحلہ فقد کفر (گانا اور بربط بجانا، دف بجانا، اوتار بجانا، اور طنبور بجانا جو ہے یہ سب اسی نص کی وجہ سے حرام ہیں۔ جو اس کو حلال سمجھے وہ یقیناً کافر ہو چکا۔

۵ وفی فتاوی البیہقی التغنی واستماع ضرب الدف وجمیع انواع الملاھی حرام و مستحلھا کافر (یعنی فتاویٰ بیہقی میں ہے کہ گانا اور دف بجنے کی آواز سننا اور ہر قسم کی کھیلیں حرام ہیں۔ اور ان کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔

۶ وفی النہایۃ التغنی والطنبور والبربط والدف وما یشبہ ذلک حرام (نہایہ میں ہے کہ گانا اور طنبور، بربط اور دف بجانا اور ان کی مانند سب کے سب حرام ہیں۔

۷ مالابد منہ میں ہے ملاہی و مزامیر و طنبور و دہل و نقارہ و دف وغیرہ باتفاق حرام اند۔ یعنی کھیل تماشے کی تمام چیزیں اور گانے بجانے کے آلات اور طنبورہ اور ڈھول اور نقارہ اور دف اور اس کے ماسوا باتفاق حرام ہیں

تیسری روشنی

مذہب شافعی رح میں بموقعہ شادی وختنہ دف بجانا مُباح ہے۔ اور سوائے شادی وختنہ کے حرام کہا؛ چنانچہ

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ اپنی کتاب کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع مطبوعہ مصر مطبوعہ برحاشیہ "الزواجر" میں لکھتے ہیں۔ القسم الرابع فی الدف : المعتمد من مذھبنا انہ حلال بلاکراھۃ فی عرس وختان۔ وترکہ افضل وھذا حکمہ فی غیرھما فیکون مباحا ایضا علی الاصح؛ وفی المنھاج وغیرہ وقال جمع من اصحابنا انہ فی غیرھما حرام یعنی ہم شوافع کے ہاں معتمد علیہ مسئلہ یہ ہے کہ شادی اور ختنہ کے موقع پر دف وغیرہ بجانا بلاکراہت مباح اور حلال تو ہے مگر اس کا ترک کرنا ہی افضل ہے اور ہمارے شوافع کی جماعت نے کہا کہ ان دو موقعوں کے علاوہ دف وغیرہ بجانا حرام ہے۔

اور پیشوائے طریقت سہروردیہ عارف باللہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی شافعی علیہ الرحمۃ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں فاما الدف والشبابۃ وان کان فیھما فی مذھب الشافعی فسحۃ فالاولی ترکھا والاخذ بالاحوط والخروج من الخلاف یعنی باوجودیکہ ہمارے مذہب شافعی میں دف کو مع بانجھ کے ساتھ بھی بجانا مباح ہے اور ہمارے مذہب میں اس میں بڑی وسعت اور گنجائش ہے مگر اس کا ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ اور بہتری اور احتیاط اسی میں ہے کہ دف بجانا بالکل ہی ترک کر دیا جائے۔

دیکھو شیخ سہروردی علیہ الرحمۃ کا یہ کتنا نفیس خیال ہے کہ جب ہمارے مذہب میں مباح ہے۔ نہ مستحب کہ بجانے سے ثواب ملے۔ اور نہ واجب کہ ترک کر دینے سے گناہ ہوتا ہے تو بس خیریت اس کے ترک کر دینے میں ہے۔ کیونکہ اور مذاہب جیسے حنفیہ وغیرہ میں حرام ہے اور حرام سے گناہ ہوتا ہے۔ تو خطرہ اور شبہ سے خالی نہیں اور شبہ کی چیزوں کا ترک کر دینا تاکیدی حکم ہے۔ قال علیہ السلام فمن اتقی الشبہات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ وقال علیہ الصلوۃ والسلام دع ما یریبک الی ما لا یریبک؛

پھر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دف بجانا مسلمانوں کا طریقہ نہیں۔ عن الحسن انہ قال لیس الدف من سنۃ المسلمین

چوتھی روشنی

مذہب شافعیؒ میں جو بہ تقریب نکاح و ختنہ دف کا بجانا مباح لکھا ہے وہ مطلقاً مباح نہیں ہے۔ بلکہ چند قیود و شرائط کے ساتھ مقید و مشروط ہے۔ ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے ورنہ اباحت نہ رہے گی۔ اور صاف حرمت آجائے گی۔

علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ نے ان شرائط کو اپنے رسالہ کف الرعاع عن محرمات اللہو والسماع میں مفصلاً تحریر فرمایا ہے۔ اس کا ضروری خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ احناف کے نزدیک بھی یہ شرائط قابل لحاظ ہیں۔

اول شرط یہ ہے کہ خاص عورتیں اور لڑکیاں دف کے بجانے والی ہوں۔ اور حکم اباحت خاص انہیں کے بجانے میں ہے، نہ مردوں کے۔ پس اگر تقریب نکاح یا ختنہ میں مرد بجائیگا تو جائز نہ ہوگا۔ بلکہ وہ مرد بوجہ تشبہ بالنساء کے ملعون ہوگا (عورتوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے) کیونکہ سلف میں کسی مرد کا بجانا ثابت نہیں ہوا۔ چنانچہ عبارت یہ ہے انا اذا ابحنا الدف فانما نبیحہ للنساء خاصۃ وعبارۃ منہاجہ وضرب الدف لا یحل الا للنساء لانہ فی الاصل من اعمالھن وقد لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبھین بالنساء (الی قولہ) لم یحفظ عن احد من رجال السلف انہ ضرب بہ وبان الاحادیث والآثار انما وردت فی ضرب النساء والجواری بہ انتہی۔ ملخصاً

دوسری شرط یہ ہے کہ جھانجھ نہ ہو اور بجانے میں کوئی تکلف اور تصنع نہ کیا جائے۔ کہ طرب یعنی خوش آوازی نہ معلوم ہو۔ بلکہ بالکل سادگی کے ساتھ ہاتھوں کے ساتھ پیٹا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں وخلاعن الصنج ونحوہ وعن التانق والتصنع فی الضرب بان یکون لضرب بالکف پھر لکھتے ہیں کہ دف اسی طریقہ سے مباح ہے جیسا عرب لوگ بجاتے ہیں کہ اس میں رقص و سرود نہ پایا جائے کہ اس میں بھی ایک طرح کی صنعت طرب ہے۔ عبارت یہ ہے وانما یباح الدف

ــــ صنج جھانجھ ــــ اچھے دلکش انداز سے ــــ تکلف اور بناوٹ

الذی تضرب بہ العرب من غیر زفن ای رقص، فاما الدف الذی یزفن بہ وینقر ای بجرس الانامل ونحوھا علی نوع من الانغام فلا یحل الضرب بہ

تیسری شرط یہ ہے کہ وقتِ نکاح یا وقتِ زفاف یا اس کے بعد تھوڑی دیر تک محدود قیمتی دف بشرائط مذکورہ بجائیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں والمعھود عرفا انہ یضرب بہ وقت العقد او وقت الزفاف او بعدہٗ بقلیل

پانچویں روشنی

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ماوردی کا قول لکھا ہے کہ اب ہمارے زمانہ میں استعمالِ دف مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں بے وقوفی اور سفاہت پائی جاتی ہے۔ عبارت یہ ہے واما فی زماننا فقال الماوردی: فیکرہ فیہ لانہ ادی الی السخف والسفاھۃ اس پر علامہ نے لکھا ہے کہ ماوردی کے زمانہ میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔ اب تو اس میں اس سے زیادہ خرابی آگئی ہے میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن حجرؒ کو بھی گذشتے ہوئے قریب چار سو برس ہوئے۔ سوائے شر و فساد کے خیر و صلاح کا نام نہیں ہے۔ اب تو باوجود لحاظِ شرائطِ مذکورہ ترک کر دینا چاہئے

چھٹی روشنی

اصل مذہب حنفیوں کا تو پہلی اور دوسری روشنی کے ذیل میں جو عبارات لکھی گئی ہیں ان سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ عموماً باجہ اور خصوصاً دف بھی حرام ہے۔

اب بعض علمائے حنفیہ جو اپنی کتابوں میں اعلانِ نکاح کے واسطے دف بجانا لکھتے ہیں تو اصل میں یہ قول ظاہر روایت کے خلاف ہے اور کچھ تعجب نہیں جو علمائے حنفیہ کو علمائے شافعیہ کی روایات سے دھوکا ہو گیا ہو۔ اور اس کے نظائر و امثال کتب حنفیہ میں بکثرت سے ملتے ہیں کہ کسی ایک کتاب میں کوئی قول دوسرے مذہب کا کسی مصنف نے لکھا اور دوسروں نے اس کی دیکھا دیکھی اعتماد کر کے اپنی تصنیف میں درج کر دیا اور وہ یونہی نقل ہوتا چلا آیا حتیٰ کہ دس بیس کتب میں منقول ہوا۔ اب کسی عالم کو شبہ ہو سکتا ہے کہ مذہب حنفی کا یہ مسئلہ نہیں ہے۔ مگر بوقتِ تحقیق معلوم ہو جاتا ہے

کہ یہ قول خلاف مذہب نقل در نقل ہوتا چلا آیا ہے۔

دیکھو علامہ ابن ہمام فتح القدیر باب نکاح الرقیق میں فرماتے ہیں فھذا ھوالوجہ۔ وکثیرا ما یقلد الساھون الساھین یعنی ایسا بہت ہوتا رہتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی پیروی کرلیتے ہیں البحرالرائق کتاب البیوع باب المتفرقات میں لکھتے ہیں وقد یقع کثیراً ان مؤلفاً یذکر شیئا خطأً فی کتابہ فیاتی من بعدہ من المشایخ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولا تنبیہ فیکثر الناقلون لہا واصلہا الواحد مخطی، یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک مؤلف کسی مسئلہ کے لکھنے میں غلطی کرجاتا ہے۔ اس کے بعد علماء و مشایخ اس کی دیکھا دیکھی لکھتے چلے آتے ہیں حالانکہ غلطی کرنے والا ایک ہی تھا۔

دیکھو صاحب در مختار نے بہ تبعیت صاحب نہر الفائق و بحر الرائق لکھ دیا کہ اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ قرآن میں ۸۲ جگہ ہے۔ حالانکہ یہ شمار غلط ہے۔ صرف اعتماداً یہ غلط شمار منقول ہوتا چلا گیا۔ قرآن عظیم موجود ہے دیکھ لیجئے صرف ۳۲ جگہ یہ جملہ ملے گا۔

پس ہماری کتب حنفیہ میں جو دف کا جواز اعلانِ نکاح کے واسطے لکھا ہوا ہے وہ اصل مذہب اور ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے۔ پس منشا تقلید یہ ہرگز نہیں کہ دف کو جائز سمجھا جائے پس کسی عالم حنفی کی تصنیف یا فتاویٰ میں لکھنا اسی پر محمول ہوگا۔ یہ ایک غلطی ہے جو نقل در نقل ہوتی گئی جس کا اصل مذہب میں پتہ نہیں۔ اسی وجہ سے علامہ توربشتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دف اکثر مشایخ کے نزدیک حرام ہے۔ اور اس حدیث کا جس میں اعلانِ نکاح کے واسطے دف بجانے کا ذکر آیا ہے ہمارے مشایخ حنفیہ

جواب

دیتے ہیں کہ دف بجانے سے مراد اعلان ہے نہ حقیقت میں باجہ دف بجانا۔ چنانچہ شرح نقایہ، نصاب الاحتساب، دبستان العارفین میں یہ جواب مذکور ہے۔ عبارت شرح نقایہ کی یہ ہے قال التورپشتی انہ حرام علی قول اکثر المشایخ؛ وما ورد من ضرب الدف فی العرس کنایۃ عن الاعلان؛

جب حدیث میں ضرب دف سے مراد اعلان وتشہیر ہے تو پھر متاخرین علماء حنفیہ کا جائز کہنا اور اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا صحیح نہیں بلکہ بے محل ہے۔

اور ضرب دف سے اعلان اور تشہیر مراد ہونے پر یہ زبردست قرینہ ہے کہ اب تک کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہ ہوا کہ زمانۂ رسالت میں کسی صحابیؓ نے اعلانِ نکاح کے لئے دف بجاکر اس حدیث کی تعمیل کی ہو۔ حالانکہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو اتباعِ سنت میں وہ شغف تھا جو علماء سے مخفی نہیں۔

اس سے زیادہ عجیب ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح اپنے اور اپنی صاحبزادیوں کا فرمایا۔ کبھی کسی نکاح میں آپؐ نے دَف بجانے کا حکم نہیں دیا وَمَن ادّعٰی فعلیہ البیان۔

زیادہ سے زیادہ بخاری شریف کی حدیث ربیع بنت معوذ سے ثابت ہوتا ہے کہ چند نابالغ بچیوں نے بعد زفاف کے دف بجایا تھا۔ اس حدیث سے بالغ کے دف بجانے کا جواز کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ لڑکیاں غیر مکلف تھیں

اگر کسی روایت سے بالغ عورتوں کا بجانا ثابت ہو بھی جائے تو اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کافی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن ضرب الدف ولعب الصنج وضرب الزمارۃ یعنی اس حدیث کی رُو سے یہ کہا جائے گا کہ اگر آپؐ نے اجازت دی ہوگی تو پھر منع فرمادیا۔ جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ظاہر فرمادیا۔

علاوہ اس کے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دَف کو مزمور الشیطان فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ خیال فرمائیے کہ اگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا دف کو مزمور الشیطان فرمانا صحیح نہ ہوتا تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور منع فرماتے۔ پس بموجب اس روایت کے جب دف مزمور الشیطان ٹھیرا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے اعلانِ نکاح کرتے۔ پس اکثر مشائخ حنفیہ کا حدیث سے ضرب دف سے اعلان اور تشہیر مراد ہوا کرتی ہے

زبانِ عربی کا حال تو ابھی علامہ توربشتیؒ اور ہمارے فقیہ امام الہدیٰ ابو اللیثؒ سمرقندیؒ اور

مہ صنج جھانجھ عہ زمارہ بانسری ۱۲

علامہ عمر بن محمد بن عوض سلامی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے اقوال سے معلوم ہو چکا۔ فارسی میں بھی "دف زدن" کے معنے اعلان کردن شہرت دادن کے ہیں۔ نظیر کے طور پر حضرت شیخ (مصلح الدین) سعدی علیہ الرحمۃ کا شعر جو "بوستان" میں ہے ملاحظہ فرمائیے ؎

کسے را چو من دل بدست کسے ... گرو بود و می برد خواری بسے
پس از ہوشمندی و فرزانگی ... بدف بر زدندش بہ دیوانگی

مصرع اخیر کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کی دیوانگی کا دف بجایا۔ یعنی اس کو دیوانہ مشہور کیا۔ پس جس طرح یہاں دف بجانے سے مشہور کرنا مراد ہے۔ اسی طرح حدیث کا مطلب ہے کہ نکاح کو علانیہ کرو اور خوب مشہور کرو۔

ساتویں روشنی

تنزل کے درجہ پر اگر بعض علماء احناف متاخرین کا استدلال صحیح مان لیا جائے کہ اعلانِ نکاح کے واسطے دف بجانا کچھ مضائقہ نہیں بلکہ مباح ہے۔ تو ان شرائط و قیود کا لحاظ ضروری ہے جن کو مباح سمجھنے والوں نے بیان کیا ہے شرط ۱ جھانجھ نہ ہو۔ شرط ۲ تطریب نہ ہو۔ چنانچہ شامی اور فتاویٰ سراجیہ اور شرح ابو المکارم اور شرح نقایہ چاروں میں ہے هٰذا اذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطريب؟ شرط ۳ یہ ہے کہ بہت تھوڑی دیر تک بجایا جائے لمعات میں ہے دل الحديث على اباحة المقدار اليسير۔ مجمع البحار میں ہے اقرّ على العدد اليسير في نحو العرس والعيد الخ

پس آج کل جو جائز سمجھا جاتا ہے کہ متعدد دف برات کے ساتھ لے چلتے ہیں اور بجانے والے بھی کاریگر ہوتے ہیں جو کچھ دنوں تک بجانا سیکھتے ہیں جس میں صاف تطریب ہوتی ہے۔ یہ کیونکر جائز ہو گا

جائز ہونے کی صورت حسب تصریحات ان علما کے صرف یہ ہو سکتی ہے کہ بعد نکاح ہو گیا پس قبل نکاح کے برات کے ساتھ دف لے جانا اور اس کو شرعی برات قرار دینا نہایت قبیح اور مذموم ہے اور اس میں شرعاً چند قباحتیں ہیں۔ اول لغو کیونکہ نکاح ابھی ہوا نہیں یہ اعلان کیا۔

دوسرے نمائش۔ کیونکہ برات کے ساتھ دف لے جانے میں سوائے نمائش کے دوسری غرض شرعی نہیں ہو سکتی اور نمائش خود حرام ہے۔ تیسرے اسراف۔ کیونکہ بے محل بجایا۔ محل اس کا بعد نکاح ہے۔ لہٰذا ناجائز۔ پس جس صورت کے ساتھ علماء متأخرین نے خلاف مذہب دف کے جواز کی صورت لکھی ہے۔ وہ صورت طریقہ مروج نہیں۔ اور جو مروج ہے وہ خود ان کے نزدیک جائز نہیں۔ علاوہ اس کے سب سے زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ اعلانِ نکاح کے واسطے صرف دف کو لوگ جائز سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے باجوں کو ناجائز جانتے ہیں یہ ایک نہایت نامعقول بات ہے

جن علمائے متأخرین نے اعلانِ نکاح کے واسطے اپنے مذہب کے خلاف دف کی اجازت دی ہے وہی علماء لکھتے ہیں کہ اعلانِ نکاح کے واسطے دف کی تخصیص نہیں جس باجہ سے ممکن ہو اعلان کر سکتے ہیں۔ مگر جو باجہ ہو تینوں شرائط مذکورہ جو ابھی لکھی گئی ہیں ان کا لحاظ بہرحال لازم ہے اب ان عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیے جن سے دف کی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ رسالہ سماع میں فرماتے ہیں "چوں ضربِ دف برائے اعلانِ نکاح حلال یا مستحب باشد دہل وطنبورہ ونقارہ را از دف چہ تفاوت است، برائے لہو ہمہ حرام است وبرائے غرضِ صحیح ہمہ حلال باشد۔ اعلان از ہر یک می شود۔ فرق کردن در دف وغیر آن امریست غیر معقول۔"

اور اسی عدم خصوصیت کی وجہ سے علامہ طحطاویؒ نے طبلہ کو اعلانِ نکاح کے واسطے جائز لکھا ہے۔ عبارت یہ ہے وطبل العرس فیجوز (شادی میں ڈھول بجانا جائز ہے)

حضرت شاہ احمد سعید صاحب نقشبندی مجددیؒ تحقیق الحق المبین میں فرماتے ہیں "پس بر قولِ مجیب حکم دہل وتاشہ وغیرہ نیز موافقِ طبل قیاس کن"

علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں ایک قاعدہ کلیہ تحریر فرمایا ہے جس سے کل باجوں کا اعلانِ نکاح کے واسطے ان شروطِ ثلاثہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے بجانا ثابت ہے۔ عبارت یہ ہے ان آلۃ اللہو لیست محرمۃ بعینہا بل بقصد اللہو۔ دیکھو آلۃ اللہو عموماً لکھا ہے کہ بقصدِ لہو حرام اور بغرضِ صحیح جائز۔ کیونکہ دف اور غیر دف باجہ ہونے میں برابر ہیں پس خلاصہ تحریر یہ ہے کہ اصل مذہب حنفی یہ ہے کہ دف وغیرہ کل باجے حرام ہیں

شادی اور غیر شادی میں کسی وقت جائز نہیں۔ ہاں مذہب شافعیؒ میں صرف عقد و نکاح و غیرہ بعض مواقع سرور میں بہ پابندی شرائط مذکورہ ذیل جو تھی روشنی مباح اور ترک اولیٰ۔ اور جو علماء احناف متاخرین خلافِ مذہب جائز لکھتے ہیں وہ دف کی خصوصیت نہیں کرتے بلکہ کل باجوں کو بقصدِ لہو حرام اور بقصدِ صحیح مباح کہتے ہیں۔ اور جن صور تول کے مباح ہے وہ مروّج نہیں۔ اور جو طریقہ دف بجانے کا جائز سمجھ کر مروّج ہے وہ ہرگز جائز نہیں۔ پس مقلدینِ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے لئے خیریت اسی میں ہے کہ ہرگز اس کو اختیار نہ کریں۔ ورنہ سخت خطرہ میں مبتلا ہوں گے (احقر ابو اسحاق انصاری محمد آبادی)

بزرگانِ عظام اور مزامیر

نیلوی کہتا ہے کہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اخبار الاخیار میں تذکرہ حضرت شیخ نصیر الدینؒ چراغ دہلی اعظم خلفائے حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کے تحت قول نمبر ۸ میں لکھا ہے "نقل است کہ روزے بعض از مریدانِ شیخ نظام الدین اولیاء مجلسے داشتند و از دف زنان سرودے می شنیدند شیخ نصیر الدین محمود در مجلس بود برخاست تا بر آید یاران تکلیف نشستن کردند۔ گفت خلافِ سنت است۔ گفتند از سماع منکر شدی و از مشربِ پیر برگشتی۔ گفت حجت نمی شود۔ دلیل از کتاب و حدیث می باید۔ بعضے از غرض گویان این سخن بخدمتِ شیخ رسانیدند کہ شیخ محمود چنین می گویند شیخ را صدق معاملۂ او معلوم بود فرمود راست می گویند۔ می گوید حق آن است کہ او می گوید۔ و در سیر الاولیاء می نویسد کہ در مجلس شیخ نظام الدین مزامیر نہ بودے و تصفیق نہ کردندے۔ و اگر کسے از یاران چیزے بہ خدمتِ او می رسانیدند کہ مزامیری شنود منع می کرد۔ و می گفت خوب نمی کند۔ و در خیر المجالس می گوید عزیزے بخدمتِ شیخ نصیر الدین محمودؒ در آمد۔ آغاز کرد کہ کجا روا باشد کہ مزامیر در جمع باشند و دف و نائے و رباب۔ و صوفیان رقص کنند۔ خواجہ فرمودند کہ مزامیر باجماع مباح نیست اگر کسے از طریقت بیفتد بارے در شریعت باشد۔ از شریعت ہم بیفتد کجا رود۔ اول در سماع اختلاف است نزد علماء باچندین شرائط مباح از اہلِ آن را۔ اما مزامیر باجماع حرام است (یعنی

نقل ہے کہ ایک روز سلطان نظام الدین اولیاء کے بعض مرید کسی مجلس میں جمع تھے اور قوالوں سے گانا سن رہے تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود مجلس میں تھے۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ باہر چلے جائیں۔ یاران طریقت نے بیٹھنے پر زور ڈالا۔ تو کہا کہ یہ سنت کے خلاف ہے۔ لوگوں نے کہا کہ سماع کا انکار کرتے ہو اور پیر کے طریقہ کو چھوڑتے ہو؟ کہا کہ پیر کا طریقہ دلیل اور حجت نہیں۔ قرآن اور حدیث سے دلیل بیان کرنی چاہئے۔ بعض مخالفوں نے اس واقعہ کی خبر شیخ کو دی کہ شیخ محمود ایسا کہتے ہیں۔ شیخ کو ان کا صدق معاملہ معلوم تھا فرمایا شیخ محمود درست کہتے ہیں۔ حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں: کتاب سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ نظام الدینؒ کی مجلس میں مزامیر نہ ہوتے تھے۔ اور تالی نہ بجاتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص احباب کی طرف سے ان کی خدمت میں عرض کرتا کہ مزامیر سنتے ہیں تو ان کو منع کرتے اور فرماتے کہ یہ اچھا نہیں: خیر المجالس میں لکھا ہے کہ ایک عزیز شیخ نصیر الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ کہاں جائز ہے یہ بات کہ مزامیر اور دف اور بانسری اور رباب یہ سب موجود ہیں۔ اور صوفی لوگ رقص کریں؟ خواجہ نے فرمایا کہ مزامیر بالاجماع جائز نہیں۔ اگر کوئی طریقت سے نکل جائے تو اس کا شریعت میں ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ اگر شریعت سے بھی گر جائے تو پھر کہاں جائے۔ پس مزامیر کے پاس بھی نہ جانا چاہئے کہ شریعت کے خلاف ہے رہا سماع تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اہل کے لئے کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے لیکن مزامیر بالاجماع حرام ہیں (السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیہ ص ۵۵ و ۵۶)

فوائد الفواد (ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاء جمع کردہ حضرت علاؤ الدین سنجری) چوتھی فصل قول نمبر ۲۷ میں ہے "پھر آپؒ نے فرمایا کہ اے درویش! اے جو شنوائی (سننے کی قوت) دی ہے تو اسی لئے دی ہے کہ خدا کا ذکر سنے۔ جہاں کلام اللہ پڑھا جاتا ہو وہاں کان لگائے کہ کیا فرمان الٰہی ہے نہ اس لئے کہ ہر ایک کی برائی اور تمسخر اور راگ باجا اور نوحہ کی آواز سنے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو اس قسم کی آوازوں پر کان لگائے گا قیامت کو سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں بھرا جائے گا۔

اسرار الاولیاء یعنی ملفوظات حضرت شیخ فرید الدین رحمۃ جمع فرمودہ بدر اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ

ف: دیکھئے راگ باجہ سننے کو کس سختی سے منع فرماتے ہیں اور کسی طرح کا تسامح نہیں فرماتے۔

مجلس ۲ صفر ۱۱۴۸ھ قول ۳۲: اتنے میں ایک شخص آیا اور جماعت کی کیفیت بیان کی کہ اب فلاں موضع میں آپ کے یاروں نے مزامیر کی جماعت مرتب کر رکھی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے یہ بات پسند نہ فرمائی۔ اور کہا کہ میں نے تو بالکل منع کر دیا ہے کہ مجلس میں مزامیر اور محرمات نہ ہوں۔ انہوں نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا۔ اس بارہ میں بہت غلو فرمایا۔ اور سخت تاکید کی۔ اور فرمایا کہ اگر امام نماز میں ہو اور مقتدی اس کے پیچھے ہوں اور جماعت میں عورتیں بھی ہوں اور امام کو سہو ہو جائے تو مرد سبحان اللہ کہیں اور اگر کوئی عورت اس خطا پر واقف ہو تو ہاتھ مارے۔ مگر ہتھیلی پر ہتھیلی نہ مارے کہ وہ لہو ہے۔ چاہئے کہ ہتھیلی کی پشت پر مارے۔ غرضیکہ لہو و لعب اور اس طرح کی اور سب چیزوں سے احتراز کرنے کا حکم ہے پس سماع میں بطریق اولیٰ۔ یعنی جب کہ دستک میں اتنی احتیاط ہے تو مزامیر کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ہے۔ پھر آپؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی مقام سے گرے گا تو شرع میں رہیگا۔ اور جو وہاں سے بھی گر گیا تو پھر وہ کہاں کا رہا: پھر آپؒ نے فرمایا کہ مشائخ کبار نے سماع سنا ہے اور ان لوگوں نے جو اس کام کے اہل اور صاحب ذوق ہیں جسے کچھ درد ہے وہ تو کہنے والے کے ایک ہی بیت کے سننے میں رقت لے آتا ہے خواہ مزامیر ہوں یا نہ ہوں۔ ہاں جو شخص عالم ذوق سے بالکل خبر ہی نہ رکھے اگر اس کے آگے کتنے ہی قوال اور کتنے ہی قسم کے مزامیر ہوں جب بھی کچھ فائدہ نہیں کیونکہ وہ اہل درد ہی نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ کام درد سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ مزامیر وغیرہ سے۔

ف: دیکھئے اس میں مزامیر و محرمات پر کس درجہ ناراضی ظاہر فرمائی۔ اور احکام شرعیہ کو کتنا مہتم بالشان فرمایا۔

ف: جس طرح اس ملفوظ میں حضرت سلطان جیؒ سے مزامیر پر نکیر منقول ہے اسی طرح اقتباس الانوار میں بذیل تذکرہ حضرت شیخ داؤد گنگوہی رحمۃ اللہ بسلسلۂ مناظرۂ مُلّا عبدالقویؒ حضرت شیخ موصوفؒ کا قول نقل کیا ہے جس میں اباحت مزامیر کا مرجوح ہونا اور جائز

تمام مشائخ سے مزامیر سننے کی نفی اور دلالت النص سے اس کا عدم جواز مصرح ہے۔ اس کی یہ عبارت ہے" بر اباحت مزامیر صاحب اشتاع بعضے روایات مرجوح نقل کردہ است برائے استماع آنہا نیز وجہے پیدا می شود اگرچہ پیران ما مزامیر نہ شنیدہ اند۔ بلکہ تصفیق ہم روا نداشتہ" یعنی مزامیر کی اباحت پر صاحب اشتاع نے بعض مرجوح روایتیں نقل کی ہیں مزامیر سننے کی وجہ بھی ان سے ظاہر ہوتی ہے۔ اگرچہ ہمارے پیروں نے مزامیر نہیں سنے۔ بلکہ تالی بجانے کو بھی جائز نہ سمجھتے تھے۔

اور انیس الارواح یعنی ملفوظات حضرت عثمان ہرونی رہ مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری
تیسری مجلس قول نمبر ۱ خواجہ عثمان ہرونی رہ سے ایک ملفوظ حضرت خواجہ مودود چشتی کا نقل کیا ہے کہ خوارزم اور چند شہر گرد اس کے ہیں راگ اور باجوں کی شامت سے اور بعض گناہوں کی وجہ سے خراب اور ویران ہوں گے اور سب آپس میں لڑ مریں گے۔ اور ہلاک ہو جائیں گے۔

ف:۔ دیکھئے اس میں گانے بجانے کی کس قدر مذمت کی گئی ہے۔ اس کے عموم میں سماع متعارف بھی داخل ہے

راگ گانا اور ڈھول باجے اور مفسرین و فقہاء احناف وغیرہ

حضرت امام الہند شاہ عبد العزیز صاحب محدث و مفسر دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حرمت غنا پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ جس میں آپؒ فرماتے ہیں کہ غنا (گانے) کی حرمت کلام خدا اور احادیث سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی لوگوں میں سے ایسا شخص بھی ہے جو خرید کرتا ہے یعنی اختیار کرتا ہے لہو حدیث کو تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائے۔
تفسیر معالم التنزیل میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ و عبد اللہ بن عباسؓ و حسن البصری رہ و عکرمہؓ و سعید بن جبیرؓ سے منقول ہے کہ لہو الحدیث سے غناء و مزامیر و آلات لہو مثلاً رباب وغیرہ مراد ہے۔ اور تفسیر مدارک میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ و عبد اللہ بن مسعودؓ قسم کھا کر کہتے

تھے کہ لہو الحدیث سے مراد غناء ہے؛ روح المعانی میں لکھا ہے کہ لہو الحدیث سے غناء و مزامیر مراد ہے
اور کشاف میں ہے کہ لہو الحدیث جیسے غناء اور تعلیم موسیقیات۔ اور مُغنی میں ہے کہ لہو الحدیث غنا
اور مزامیر ہے اس کی حرمت اس نص سے یعنی آیت مذکورہ سے ثابت ہے اور جو شخص اس کو حلال
جانے وہ کافر ہے۔ اور تفسیر تعلیمی میں ہے کہ لہو الحدیث سے مراد غنا اور بجانا بربط اور دف اور اوتار
اور طنبور کا ہے اور یہ سب اس نص سے یعنی آیۃ مذکورہ سے حرام ہے۔ جو شخص ان چیزوں کو حلال جانے
وہ کافر ہے اور آیۃ کریمہ ان چیزوں کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ نے غناء کو
لہو الحدیث سے تعبیر فرمایا اور سوائے تین قسموں کے سب لہو حرام ہیں۔ لہو کی حرمت قرآن مجید
اور احادیث سے ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بطور توبیخ کے فرمایا۔ فحسبتم انما خلقنٰکم
عبثا یعنی کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بطور عبث کے پیدا کیا ہے یعنی کیا ہم نے یہ فعل
عبث کیا ہے اور اس سے ہم کو لہو و لعب مقصود ہے؟ قرطبیؒ نے کہا کہ لہو الحدیث یہی گانا ہے
اور یہی صحابہؓ اور تابعینؒ کا قول ہے۔ بعض مفسرینؒ نے اس کی تفصیل میں بیان کیا کہ لہو الحدیث ہر
ایسی چیز ہے جو نیکی سے لہو اور غفلت میں ڈالے جیسے گانا اور مزامیر اور کھیل کود کی چیزیں اور لغو
کہانیاں اور حکایتیں اور لغو پہیلیاں اور لغو اشعار اور مضحکہ کی باتیں اور ناول اور افسانے اور
بے اصل خرافات حکایات اور گانے بجانے والیاں چھوکریاں وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔

احمدؒ ترمذیؒ ابن ماجہؒ طبرانیؒ بیہقیؒ وغیرہم نے حضرت ابو امامہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گانے والی چھوکریاں خرید یا فروخت مت کرو اور ان کی تجارت میں بہتری
نہیں اور ان کے دام حرام ہیں اور ایسے ہی معاملہ میں اللہ پاک کا فرمان ومن الناس من یشتری لہو
الحدیث نازل ہوا ہے۔

ابن ابی الدنیا اور ابن مردویہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے گانے والی چھوکریاں اور ان کا بیچنا اور ان کے دام اور
ان کو سکھلانا اور ان کے گانے کو کان لگا کر سننا سب حرام کیا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ومن الناس
من یشتری لہو الحدیث

بیہقیؒ ابن ابی الدنیا اور ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی جس طرح ساگ اگاتا ہے، گانا اسی طرح دلوں میں نفاق اگاتا ہے۔

ابن ابی الدنیا اور ابن مردویہ نے حضرت ابو امامہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی شخص گانے کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دو شیطان مسلط کرتا ہے وہ اس کے دونوں کندھوں پر بیٹھتے ہیں اور اس کے سینے پر اپنی ایڑیوں سے ٹھوکر لگاتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ خاموش ہو۔

اور اسی کی مانند امام ترمذیؒ نے بھی مرفوع روایت بیان فرمائی ہے اور معنے یہ ہیں کہ جب تک وہ گاتا رہتا ہے اس وقت تک یہ دونوں شیطان اس کے سینے پر ایڑیوں کی ٹھوکر مار کر ناچتے اور نچاتے رہتے ہیں

ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت بیان کی ہے کہ آدمی جو چیز لہو و لعب کی خریدے وہ سب لہو الحدیث میں ہی شامل ہے۔

حضرت نافع مولیٰ ابن عمر رضؓ نے فرمایا کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کے ساتھ جا رہا تھا، کہ ناگاہ راستہ میں مزمار کی آواز سنی تو ابن عمر رضؓ نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور راستہ سے پھر گئے اور برابر مجھ سے پوچھتے جاتے تھے کہ اے نافع! کیا تجھے آواز آتی ہے یا نہیں؟ جب میں نے کہا کہ آواز نہیں آتی ہے تو اس وقت اپنے کانوں سے انگلیاں نکالیں اور فرمایا کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اسی طرح کیا تھا جس طرح میں نے کیا۔ اور میں بھی اس وقت تیری طرح چھوٹی عمر کا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تو انہیں دو آوازوں احمقوں فاجروں سے منع کیا گیا ہے۔ ایک آواز وقت نغمہ لہو و مزمار شیطان کی ہے اور دوسری آواز وقت مصیبت کے شیطان کی راگنی نکالنا یعنی نوحہ اور بین کرنا واویلا کرنا اور منہ نوچنا اور کپڑے پھاڑنا ہے۔

بہر حال مجموعہ روایات کثیرہ سے گانا صاف حرام ہے اور امام ابن جریرؒ نے فرمایا ہے کہ علماء امصار اس پر متفق ہیں کہ گانا حرام ہے اور اس سے منع کرنا نہایت ضروری ہے۔

مسند امام احمدؒ میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہان والوں کے لئے رحمت اور ہدایت بنا کر مبعوث فرمایا اور مجھے حکم بھی فرمایا کہ گانے بجانے کے تمام آلات کو اور بتوں کو مٹا ڈالوں

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی جگہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو شرمگاہ، ریشم، شراب، نشہ آور چیزیں اور گانے بجانے کے آلات حلال سمجھیں گے (جیسے متعہ، ریشم، بھنگ، افیون اور ڈھول باجے ہارمونیم وغیرہ بکثرت ہیں)

اور اس حدیث کو سہل بن سعد ساعدیؓ، عمران بن حصینؓ، عبداللہ بن عمروؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، ابو امامہ باہلیؓ، علی بن ابی طالبؓ، انسؓ بن مالک، عبدالرحمٰنؓ بن سابط، الغازیؓ بن ربیعہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت سہل بن ساعد الساعدی رضؓ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں خسف قذف اور مسخ کے عذاب آئیں گے۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! کب؟ فرمایا جب گانے بجانے کے آلات اور گانا عام باہر نکل آئیں گے

عمران بن حصین رضؓ سے امام ترمذیؒ نے مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ میری امت میں خسف و مسخ و قذف ہوگا۔ مسلمانوں میں ایک مرد نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! یہ کب ہوگا۔ فرمایا جب گانے والی عورتیں ظاہر ہوں گی اور گانے بجانے کے آلات ظاہر ہو جائیں گے اور شرابیں پی جائیں گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے امام احمد اور ابو داؤد نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی یہ چیزیں حرام فرما دی ہیں۔ شراب۔ جوا۔ بجانا طبلہ گانے والیاں اور ہر نشہ آور چیز ہے حرام ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے یہی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کی

امام ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان فرمائی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ نشانیاں بھی ہیں کہ باہر نکل آئیں گی گانے والیاں اور گانے بجانے کے آلات (چنانچہ اب مشاہدہ ہے کہ ریڈیو ٹیلیویژن سینما بائیسکوپ وی سی آر وغیرہ بکثرت ہیں

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت بیان کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب' جوا' اور ڈھولک بجانے سے منع فرمادیا ہے

ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی بیان کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (بحکمِ خدا) شراب' جوا اور ڈھولک سے امت محمدیہ کو منع فرمادیا ہے

امام احمد رح نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے رب عزوجل نے گانے بجانے کے آلات اور بتوں اور صلیبوں کے بارے حکم دے دیا کہ ان کو محو کر دو۔ ختم کر دو

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جرس (گھنگرو اور گھنٹی) بھی شیطان کا مزمار ہے (ذکر اللہ وفکر آخرت سے ہٹاتا ہے)

نیز فرمایا کہ فرشتے اس جماعت کے ساتھ ساتھ نہیں چلتے جس جماعت میں کتا ہو یا گھنٹی گھنگرو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے جو قرآن پاک میں فرمایا واستفزز من استطعت منهم بصوتك اور بہکا کر جدا کر جس کو تو استطاعت پائے ان میں سے اپنی آواز کے ساتھ) اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خصوصی شاگرد رشید حضرت مجاہد رح فرماتے ہیں کہ بصوتک کا مطلب ہے کہ گانے اور لہو کے ساتھ یعنی شیطان کے وسوسہ سے ان لوگوں نے گانا سیکھا اور لہو کے مزامیر وغیرہ بنائے اور ان کی شہوات میں مشغول ہو کر حق سے منقطع ہو گئے۔

شیخ محمد سفارینی حنبلی رحمہ اللہ نے غذاء الالباب لشرح منظومۃ الآداب ج۱ ص ۱۴۸ میں لکھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کے تلمیذ حضرت قتادہ رحؒ نے فرمایا کہ جب ابلیس کو اتارا گیا تھا تو اس نے خدا پاک سے کہا کہ اے رب! تُو نے مجھے ملعون کر دیا۔ اب میرا کیا کام ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا سحر (جادو)۔ کہا میرا قرآن کیا ہے؟ فرمایا شعر! کہا میرا طعام کیا ہے؟ فرمایا ہر مردار اور جس پہ اللہ پاک کا نام نہ لیا گیا ہو! کہا میں کیا چیز پیا کروں؟ فرمایا ہر مدہوش کرنے والی چیز! کہا میری رہائش گاہ کہاں ہے؟ فرمایا بازار! کہا میری آواز کیا ہوگی؟ فرمایا آلات گانے بجانے کے یعنی مزامیر! کہا میری شکار گاہیں کیا ہیں؟ فرمایا عورتیں!

اور طبرانی نے بھی حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ مرفوعًا بیان کی ہے۔

اور ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب مصاید الشیطان وحیلتہ میں فرمایا کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ابلیس نے اس موقعہ پر کہا تھا کہ میرا موذن کون ہوگا؟ تو رب تعالیٰ نے فرمایا مزمار (گانا بجانے کا اوزار)

اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس اثر کے شواہد بہت ہیں۔ پھر فرمایا شیطان کا موذن مزمار ہونا نہایت مناسب وموزوں ہے۔ کیونکہ گانا شیطان کا قرآن ہے اور ناچ اور تالیاں بجانا اس کی نماز ہے۔ اور امام گویا ہے۔ اور حاضرین اس کے مقتدی ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھونک سے مراد ہے گانا اور کھیل تماشا

ابوبکر رازی جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مجاہد کا قول نقل فرمایا ہے کہ بھونک سے مراد گانا اور کھیل تماشا ہے

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے الزواجر میں امام ابو العباس قرطبی کا قول نقل فرمایا ہے کہ گانے بجانے کی چیزیں اور ڈھولک کی آواز قصداً سننا حرام ہے اس میں سلف وخلف میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے

غذاء الالباب ص ۱۵۳ میں ہے امام خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ نے اپنی اولاد کے اتالیق واستاذ کو یہ بات لکھ بھیجی کہ جو آداب بچوں کو تعلیم دیں گے ان میں سے پہلی بات یہ ہو کہ ان کے ذہن میں کھیل تماشے کے آلات کا بغض بٹھائیں جس کی ابتداء شیطان سے ہے اور اس کی انتہا رحمٰن کی ناراضی ہے کیونکہ پختہ کار علماء ثقات کے ذریعے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ گانے بجانے کی آواز اور اس کا سننا اور اس کا شوق ایسی چیز ہے جس سے دل میں نفاق اگتا ہے جیسے پانی سے گھاس

اور ص ۱۵۸ میں لکھا کہ اقناع ومنتہی وغایۃ ورعایہ وانصاف وغیرہ کتب میں ہے کہ بغیر آلات کے گانا گانا اور گانا سننا مکروہ داخل لہو ہے اور آلات کے ساتھ تو صریح حرام ہے۔

اور ص ۱۶۳ میں کہا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے گانا گانے اور گانا سننے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ اگر کسی نے باندی خریدی ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ باندی مغنیہ (گانا گانے والی) ہے تو چونکہ اس کے اندر یہ عیب ہے اس واسطے وہ باندی بیچنے والے کو واپس کر سکتا ہے۔ اور پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ گانا گانا فاسقوں اور فاجر لوگوں کا کام ہے۔

اور حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ بھی گانا گانے اور گانا سننے کو ناپسند جانتے ہیں اور گناہوں کے کاموں میں سے ایک گناہ کا کام سمجھتے ہیں۔ اور امام صاحب کے علاوہ بھی تمام علماء

کو فہ والے مثلاً سفیان ثوری، حماد، ابراہیم نخعی اور شعبی وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس سلسلہ میں ان میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ اور بصرہ کے علماء میں سے بھی کسی ایک عالم کا اس مسئلہ میں ہمیں اختلاف نظر نہیں آتا۔ وہ سب کے سب گانا گانے اور سننے سے منع ہی کرتے رہے ہیں۔ روح المعانی میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

اغاثۃ اللہفان میں علامہ امام ابن قیم حنبلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حرمتِ غناء کے مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب تمام مذاہب سے شدید تر ہے اور ان کا قول "اغلظ الاقوال" ہے۔ اور ان کے اصحابؒ نے تمام گانے بجانے کے آلات اور ان کی آواز کی حرمت کو بڑی صراحت اور وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اور پھر یہ بھی تصریح کی ہے کہ گانا گانا اور سننا معصیت اور موجبِ فسق ہے، جس سے وہ گانا گانے والا اور گانا سننے والا مردود الشہادت ہو جاتا ہے۔ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر کہا کہ گانا سننا تو فسق ہے اور اس سے تلذذ حاصل کرنا کفر ہے (ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ) اور امام ابو یوسفؒ (تلمیذِ رشید امام ابو حنیفہؒ) نے فرمایا کہ جس گھر میں گانے بجانے اور اس کے آلات کی آواز سنائی دے رہی ہو اس گھر میں گھر والوں سے اجازت لئے بغیر چلے جاؤ۔ کیونکہ بُرے کام سے روکنا فرض ہے۔ اور اگر اس کو اندر جانا بغیر اجازت کے جائز نہ ہو تو اس فرض کی ادائیگی سے رکاوٹ بن جائیگی۔

اور حضرت امام شافعیؒ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ادب القضاء میں فرماتے ہیں کہ گانا ایک مکروہ اور ناپسندیدہ فعل ہے مشابہ باطل اور محال کے۔ جو اس کی کثرت کرے وہ سفیہ (کم عقل) ہے اور اس کی شہادت مردود ہے۔ قرطبی نے بھی تفسیر ص ۵۵ میں امام شافعیؒ کا یہ قول لکھا!

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی معرفت رکھنے والے ان کے اصحاب نے گانا گانے اور گانا سننے کی حرمت کو صراحت سے بیان کیا ہے اور قاضی ابو الطیب طبری اور شیخ ابو اسحٰق اور ابن الصبّاغ نے ان لوگوں کے قول کو منکر اور مردود کہا ہے جنہوں نے جھوٹ موٹ حضرت امام شافعیؒ کی طرف گانا مباح ہونے کی نسبت کر دی ہے۔ چنانچہ

شیخ ابو اسحاق رحمہ اللہ "تنبیہ" کا عنوان دے کر لکھتے ہیں۔ کہ حرام منافع پر اجارہ صحیح نہیں جیسے گانا بجانا، شراب اٹھانا۔ اور اس بارہ میں کوئی نہیں بتایا کہ اس مسئلہ میں کسی

کا اختلاف ہے (اس سے معلوم ہوا کہ گانے کی حرمت کا مسئلہ شافعیہ کے ہاں بھی اتفاقی ہے اور اس میں کسی شافعی عالم کا کچھ اختلاف نہیں ہے)

نیز لکھا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اری الزنادقۃ وضعوا ھذا التغبیر لیصدوا الناس عن ذکر اللہ تعالیٰ وقراءۃ القرآن (میرا خیال ہے کہ بے دینوں نے یہ ناچ گانا اس لئے وضع کیا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور قرآن شریف پڑھنے سے باز رکھیں

نیز غذاء الالباب ص ۱۵۲ میں ہے کہ قاضی علاؤ الدین رحمہ اللہ نے ان گانے بجانے کے آلات کی تحریم والے حکم کی تصویب فرمائی ہے کہ یہ ٹھیک ہے اور یہی مذہب ہے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے گانے بجانے کو بدعت اور محدث فرمایا ہے۔ اور ابو داؤد سے یہ بات منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ چیزیں مجھے خوش نہیں لگتیں۔

اور ص ۱۵۳ میں ہے امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد صاحب سے گانے کی بابت دریافت کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ گانا تو دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ نیز فرمایا مجھے یہ اچھا نہیں لگتا اور امام مالکؒ نے فرمایا انما یفعلہ عندنا الفساق، یعنی ہمارے یہاں تو یہ کام فاسق اور فاجر ہی کرتے ہیں۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے ایسے ہی گانا دل میں نفاق کو اگاتا ہے۔ اور جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے ایسے ہی ذکر الٰہی دل میں ایمان کو اگاتا ہے۔

اور بعض عارفین کا قول ہے کہ گانا سننے سے بعض کے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے اور بعض میں بے حیائی اور بعض میں جھوٹ اور بعض میں فسق و فجور، اور بعضوں میں رعونت پیدا ہوتی ہے۔ اور زیادہ تر یہ دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں خوبصورتی کا عشق اور فحش اور بے حیائی کی پسندیدگی۔ اور گانے پر مداومت کرنے سے قرآن پاک جیسی نعمت دل سے نکل جاتی ہے۔ اور قرآن پاک کا سننا اس کو پسند نہیں آتا۔ اور یہی تو نفاق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گانا شیطان کا قرآن ہے اور ایک دل میں رحمان کا قرآن اور شیطان کا قرآن جمع نہیں ہو سکتے۔

نیز ص ۱۵۰ میں ہے وقد حکی ابو عمرو بن الصلاح الاجماع علی تحریم السماع الذی جمع الدف والشبابۃ یعنی حضرت ابو عمرو بن الصلاح رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے سماع کی تحریم پر اجماع نقل فرمایا ہے جس میں

دف اور شبابہ بھی جمع ہوں

اور ص ۱۵۱ میں ہے نقل ابن منصور الطبل لیس فیہ رخصۃ یعنی ابن منصور رحمہ اللہ تعالٰے نے علماء کرام سے یہ بات نقل فرمائی ہے کہ ڈھول بجانے و سننے کی شریعت میں کوئی رخصت نہیں ہے

نیز فرمایا جزم ابن عبدوس فی تذکرتہ بالتحریم یعنی حضرت ابن عبدوس رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں ڈھول وغیرہ کی تحریم کو قطعی طور پر ثابت فرمایا ہے۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت شعبیؒ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعن اللہ المغنی والمغنی لہ یعنی اللہ تعالٰی نے گانے والے پر بھی لعنت کی ہے اور اس پر بھی جس کے لئے گانا گایا جائے۔

اور طبرانی اور خطیب بغدادی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے گانا گانے سے بھی اور گانا سننے سے بھی۔

اور سنن الہدیٰ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا ہے کہ نہی النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم عن الغناء والاستماع الی الغناء (معنے وہی اوپر والے ہیں)

اور مغنی میں ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الغناء ینبت النفاق کما ینبت الماء النبات یعنی غناء نفاق کو اس طرح اُگاتا ہے یعنی پیدا کرتا ہے جس طرح پانی گھاس کو

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف احیاء العلوم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذھب الاسلام اللھو والباطل والغناء اسلام لہو باطل اور غناء کو لے گیا یعنی اسلام نے ان تینوں کو باطل کر دیا

اور طبرانی نے حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا القینۃ سحت وغناؤھا حرام یعنی لونڈی گانے والی غضب النبی کا سبب ہے اور اس کا گانا حرام ہے۔

اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غنا نفاق کو ایسا ہی اگاتا ہے یعنی پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے الغناء ینبت النفاق کما ینبت الماء الزرع

اور الحقائق میں لکھا ہے کہ مجرد الغناء والاستماع الیہ معصیۃ یعنی نفس غنا راگ گانا اور اس کا سننا گناہ ہے

غذاء الالباب ص ۱۶۲ میں ہے کہ امام احمد بن حنبل رح نے بھی ان یتیموں کے بارے کھول کر مسئلہ بتایا جو مغنیہ (گویا) باندی کے وارث ہوئے اب اسے بیچنا چاہتے ہیں کہ اس کو سادہ یعنی غیر مغنیہ باندی کی قیمت پر بیچا جائے۔ مثلاً مغنیہ باندی کی قیمت بیس ہزار ہو اور سادہ کی دو ہزار ہو تو دو ہزار پر ہی بیچا جائے۔

اب خود ہی غور فرمائیے کہ اگر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک گانے کا منافع مباح ہوتا تو ان یتیموں کے حق میں اتنے بڑے خسارے کا حکم کیوں دیتے۔

ذیل طبقات حنابلہ ج ۲ ص ۱۳ میں عبد الغنی بن عبد الواحد الحافظ تقی الدین کا قول نقل ہے ذلک (الدف والشبابۃ) عندی حرام

اور ص ۱۰۱ میں ہے قال الشیخ (العماد ابراہیم بن عبد الواحد عند سماع صوت طنبور) لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یعنی حضرت شیخ العماد ابراہیم بن عبد الواحد رحمہ اللہ تعالی نے طنبور کی آواز سن کر لاحول پڑھی۔

اور مضمرات میں ہے من اباح الغناء ویکون فاسقا یعنی جو راگ کو مباح سمجھے وہ فاسق ہے

اور اختیار میں ہے انہ کبیرۃ فی جمیع الادیان یعنی راگ ہر دین میں گناہ کبیرہ ہے

اور محیط میں ہے التغنی والتصفیق واستماعہا کل ذلک حرام ومستحلہا کافر یعنی راگ گانا اور تالی بجانا اور ان دونوں یعنی گانے اور تالی کی آواز سننا یہ سب حرام ہے اور ان دونوں امروں کو حلال اور مباح سمجھنے والا کافر ہے

اور اختیار الفتاوٰی میں ہے ویکرہ الترجیع بقراءۃ القرآن والاستماع الیہ لانہ یشبہ بفعل الفسقۃ حال فسقہم والتغنی یعنی قرآن مجید پڑھتے وقت حلق میں آواز گھمانا اور پھرانا مکروہ اور ناپسندیدہ کام ہے اور اس آواز کی طرف کان دھر کے سننا بھی مکروہ ہے، کیوں کہ ان دونوں کاموں میں فاسقوں کے کام کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے جو وہ اپنے فسق کی حالت میں کرتے ہیں۔ اور وہ ہے فعل تغنی یعنی راگ گانا۔

اور جامع الفتاویٰ میں ہے استماع الملاہی والجلوس علیہا وضرب المزامیر والرقص کلہا حرام ومستحلہا کافر یعنی لہو ولعب اور کھیل تماشا والوں کا کلام سننا اور وہاں بیٹھنا اور مزامیر بجانا اور رقص کرنا (ناچنا) یہ سب باتیں حرام ہیں۔ اور جو شخص ان کاموں کو حلال اور مباح سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔

اور حمادیہ میں نافع سے منقول ہے اعلم ان التغنی حرام فی جمیع الادیان یعنی یہ بات یاد رکھو کہ راگ گانا ہر دین میں حرام ہے

ہدایہ ج ۳ ص ۴۷۲ میں ہے ہٰذا غیر جائز لانہ معصیۃ فی حقنا وفی حقہم یعنی راگ ناجائز ہے کیونکہ یہ ہمارے حق میں بھی گناہ ہے اور ان کفار کے حق میں بھی گناہ ہے

نہایہ میں ہے کہ التغنی والطنبور والبربط والدف واشباہ ذٰلک کل ذٰلک حرام و معصیۃ لقولہ تعالیٰ ومن الناس من یشتری لھو الحدیث یعنی راگ گانا، اور طنبور، بربط، دف اور جو آلات اس طرح کے ہیں وہ سب کے حرام ہیں اور ان کا استعمال گناہ کا کام ہے اور یہ حکم اللہ تعالیٰ کے کلام ومن الناس من یشتری لھو الحدیث سے ثابت ہے۔

تاتارخانیہ میں تیمیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے سُئِلَ الحلوائی عن قوم سموا انفسہم بالصوفیۃ واختصوا بنوع لبس واشتغلوا باللہو والرقص وادعوا لانفسہم منزلۃ فقال افتروا علی اللہ کذبا؛ وسئل ان کانوا زائغین من الطریق المستقیم ہل ینفون من البلاد لقطع فتنتہم عن العامۃ؟ فقال اماطۃ الاذیٰ ابلغ فی الصیانۃ وامثل فی الدیانۃ وتمییز الخبیث من الطیب ازکیٰ واولیٰ یعنی شمس الائمہ حلوائی رحمۃ اللہ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جنہوں نے اپنا نام صوفیہ رکھ رکھا ہے اور اپنے لئے ایک خاص نوعیت کا لباس اختیار کر کے دوسروں سے اپنے آپ کو ممتاز کر رکھا ہے اور ساتھ ہی یہ لوگ لہو رقص اور وجد میں مشغول ہیں۔ اور اپنی شان میں عالی اور بلند مرتبہ اور مقام کا دعویٰ کرتے ہیں؟۔ تو شمس الائمہ حلوائی رحمۃ اللہ نے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ایسے لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے۔ اور پھر اس کے بعد شمس الائمہ حلوائی سے یہ بھی دریافت کیا گیا کہ اگر یہ لوگ راہ مستقیم سے کج روی اختیار کئے ہوئے ہیں تو کیا ان کو شہر بدر

کر دینا چاہیے تاکہ عوام الناس ایسے لوگوں کے فتنہ سے بچ جائیں؟ تو اس سوال کے جواب میں شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ جو چیز تکلیف کا باعث ہو اس کو دور کر دینا بھی بہتر ہوتا ہے تاکہ لوگ اس سے محفوظ رہیں اور دیانت میں بھی یہی بہتر ہے۔ اور فرق و امتیاز کر دینا خبیث اور طیب کے مابین اور بھی بہتر ہے اور خوب ہی ستھرائی ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اخبار الاخیار کے حاشیہ پر مکتوبات ص ۹۹، ۹۸ و ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ مزامیر باتفاق حرام است۔ نیز اخبار الاخیار ص ۸۲ میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء از مزامیر منع می کرد (خواجہ نظام الدین اولیاء مزامیر سے منع کرتے تھے

فتاویٰ بیہقی میں ہے التغنی و استماعہ و ضرب الدف و جمیع انواع الملاہی حرام و مستحلہا کافر ہدے اللہ تعالیٰ الزہاد و الجہلۃ الذین ابتلوا بہ خیف علیہم الکفر یعنی راگ گانا اور راگ سننا اور دف بجانا اور ہر قسم کا کھیل حرام ہے اور جو ان کاموں کو حلال اور مباح سمجھے وہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے ان زاہدوں اور جاہلوں کو جو گانے بجانے میں مبتلا ہیں۔ ان کے حق میں کفر کا خطرہ ہے۔

ترمذی، ابن ماجہ، دارمی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کل شئ یلہو بہ الرجل باطل الا رمیہ بقوسہ و تادیبہ فرسہ و ملاعبتہ امرأتہ و انہن من الحق یعنی جو چیز کھیل بنائے کوئی آدمی تو وہ باطل ہے مگر ۱ تیر اندازی اور ۲ پھیرنا یعنی اپنے گھوڑے کو سکھانا اور ۳ اپنی بیوی سے کھیلنا یہ تین قسم کے کھیل حق ہیں یعنی جائز ہیں۔

امام الہند حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عالم متقی کامل شیخ محمد فرخ صاحب سرہندی رحمہ اللہ نے اس بارہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے کہ ستر (۷۰) فقہاء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ غنا یعنی راگ حرام ہے اور شیخ موصوف نے اس رسالہ میں ان فقہاء کرام کے نام تفصیل سے لکھے ہیں۔

مگر منع غنا ایک فرقہ اباحیہ ہے جو شیعہ، خوارج، معتزلہ وغیرہ کی طرح بتدریج فرقہ ہے اور اہل السنۃ والجماعت سے الگ ہے۔ اس فرقہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت کریمہ ومن الناس من یشتری لھو الحدیث سے ہر قسم کے گانے کی حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف وہ گانا حرام ہے جو بطریق لہو ہو۔ اور جو گانا لہو کے طریق پر نہ ہو وہ حرام نہیں ہے۔

مگر یہ قول باطل اور مردود ہے۔ کیونکہ جب لھو الحدیث کی تفسیر غناء کے ساتھ ہوئی جیسے اسی آیت کی تفسیر محقق طریق پر بیان کی جا چکی ہے یعنی لہو الحدیث مفسَّر ہے اور غناء مفسِّر ہے۔ اور خود غناء ہی لہو الحدیث ہے۔ پھر مفسِّر کو مفسَّر کے ساتھ مقید کرنے کے کوئی معنے نہیں ہیں اور قواعد علمیہ کے بالکل خلاف ہے

اسی طرح فرقہ اباحیہ کی ایک دوسری جماعت ہے وہ کہتی ہے کہ آیت کریمہ ومن الناس من یشتری لھو الحدیث کی ظاہر عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مطلقاً اور ہر حال میں غناء حرام نہیں ہے۔ بلکہ وہ غناء حرام ہے جو اِضلال کا باعث ہو یعنی اس غناء سے دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنا منظور و مقصود ہو۔

لیکن اباحیہ کی اس جماعت کا بھی یہ قول اور تاویل باطل مردود اور غلط ہے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ غناء لہو الحدیث ہے تو اس کی حرمت ثابت ہو گئی۔ اور دوسرے لوگوں کے اِضلال کی قید جو فرقہ اباحیہ کی اس جماعت کے باطل وہم و مردود خیال کا نتیجہ ہے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اس تقیید کی مثال ایسی ہے جیسے حدیث پاک میں وارد ہے قال ان تقتل ولدک خشیۃ ان یطعم معک قال ثم ای؟ قال ان تزنی حلیلۃ جارک (مشکوٰۃ ص ۱۶ و ۱۷) نیز وارد ہے والمحد فی الحرم وان تزنی حلیلۃ جارک یعنی کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ یہ ہے اولاد کو اس ڈر کے مارے قتل کرنا کہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا اور حرم کے اندر دین سے پھرنا۔ اب ظاہر ہے کہ دین سے پھرنا مطلقاً حرام ہے جس جگہ بھی ہو۔ لیکن الحاد فی الحرم یعنی حرم کے اندر رہ کر دین سے پھرنا اور بھی زیادہ بُرا ہے۔ اسی طرح زنا مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔ لیکن ہمسایہ کی بیوی

سے زنا کرنا نہایت ہی برا ہے۔ اسی طرح اولاد کا قتل کرنا مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔ پھر غربت کے ڈر سے قتل کرنا کہ اگر یہ زندہ رہا تو میری روزی میں کمی ہو جائے گی بہت ہی بدترین حرام ہے۔ بالکل اسی طرح اس آیۂ کریمہ میں لیضل عن سبیل اللہ کی وہی حیثیت ہے جو خشیۃ ان تطعم معک اور حلیلۃ جارک اور فی الحرم کی حیثیت ہے۔ تو آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی نہایت مذمت فرمائی ہے جنہوں نے لہو الحدیث یعنی گانے بجانے کو ہم اپنی جگہ خود بھی حرام اور قبیح امر ہے دوسرے لوگوں کے گمراہ کرنے کی غرض سے اختیار کر لیا ہے۔ بہر حال اصل غناء کی اباحت اس آیت کریمہ سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی اور نیز سلف صالحین میں سے کسی ایک خدا ترس عالم نے اس آیت کریمہ سے اباحتِ غنا نہیں سمجھی۔

جواہر الفتاویٰ سے نقل کرتے ہوئے فتاوٰے عالمگیریہ میں لکھا ہے الرقص والقول و الرقص الذی یفعلہ الصوفیۃ فی زماننا حرام لایجوز القصد الیہ والجلوس علیہ وھو والغناء و المزامیر سواء یعنی راگ گانا اور راگ سننا اور وجد جیسے ہمارے زمانہ کے صوفی لوگوں نے معمول بنا لیا ہے یہ حرام ہے نہ اس کا قصد کرنا جائز ہے اور نہ وہاں بیٹھنا جائز ہے۔ اور صوفیہ کا یہ کام اور راگ گانا اور ساز بجانا یہ سب حرمت میں ایک سے ہیں۔

ضروری فائدہ

گزشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ روئے زمین پر سب سے پہلا گانے والا ابلیس تھا گانے کے بعد اس نے تالیاں بجائیں پھر روڑا اور چیخا۔

عرب میں سب سے پہلے دو لونڈیوں نے قوم عاد کے لئے راگ اور گانا گایا اور اسلامی عہد میں طویس نے راگ گانا گایا جس کے متعلق یہ مشہور عام بات ہے کہ وہ منحوس ترین آدمی تھا۔ نحوست میں ضرب المثل ہے چنانچہ عرب کسی کی نحوست بیان کرتے وقت کہا کرتے ہیں فلانٌ اشأم من طویس یعنی فلاں آدمی تو طویس نامی منحوس سے بھی زیادہ تر منحوس آدمی ہے۔

تواریخ میں یہ بات ملتی ہے کہ سب سے پہلا شخص جس نے علم موسیقی ایجاد کیا ہے اس کا

نام فیثا غورث ہرمس تھا۔ اور اسی نے الحان کے اصول وضوابط وضع کئے تھے۔ اور سب سے پہلا شخص جس نے گانے کے لئے بانسری ایجاد کی ہے اس کا نام لامک بن قانیان تھا۔ اور بہجۃ التواریخ میں لکھا ہے کہ بانسری کا موجد حکیم بطلیموس موسیقی والا ہے اور زیادہ ظاہر بات یہی معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب ؎

ابن حجر مکی رح نے کتاب الزواجر ج ۲ ص ۱۷۱ میں فرمایا ہے اوّل من اتخذ المزامیر بنو اسرائیل سب سے پہلے بنی اسرائیل نے گانے بجانے کے ساز باجے بنائے ہیں۔

بائبل میں مزمور ۱۵۰ میں ہے "خداوند کی اس کے مقدس میں حمد کرو..... ترہی کی آواز کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ سارنگی اور بربط کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ خنجریوں اور رقص کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ تار دار سازوں اور ارغنوں کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ جھانجھوں کی آواز کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ جھانجھوں کی جھنجھناہٹ کے ساتھ اس کی حمد کرو۔ ہر متنفس خداوند کی حمد کرے

اور مزمور ۱۴۹ گیت اور تلوار سے خدا کی حمد۔ ہللویاہ۔ خداوند کے لئے ایک نیا گیت گاؤ مقدسوں کی جماعت میں اس کی حمد گونج اٹھے۔ اسرائیل اپنے خالق سے شادماں ہو..... کے ساتھ اس کی حمد کریں۔ خنجریوں اور بربط کے ساتھ اس کی مدح سرائی کریں الخ

مزمور ۱۴۷: خداوند کی حمد کرو کیونکہ وہ نیک ہے..... شکرگزاری کے ساتھ خداوند کے لئے گاؤ۔ بربط کے ساتھ ہمارے خدا کی مدح سرائی کرو الخ

مزمور ۱۴۳: اے خداوند میں تیرے لئے ایک نیا گیت گاؤں گا۔ میں دس تاروں کی سارنگی کے ساتھ تیری مدح سرائی کروں گا تو جو بادشاہوں کو فتح بخشتا ہے۔

مزمور ۹۸: خداوند کے لئے بربط کے ساتھ مدح سرائی کرو۔ بربط اور ستار کی آواز کے ساتھ۔ بادشاہ خداوند کے روبرو۔ نرسنگوں اور ترہی کی آواز سے للکارو۔

مزمور ۹۱: اے حق تعالیٰ خداوند کا شکر ادا کرنا اور تیرے نام کی مدح سرائی خوب ہے..... دس تاروں کے ساز اور سارنگی پر اور بربط کے نغمے کے ساتھ کیونکہ تو اے خداوند اپنی صنعت سے مجھے خوش کرتا ہے۔ میں تیرے ہاتھ کے کاموں کے سبب سے شادمانی کرتا ہوں۔

اسی طرح کثرت سے یہ مضمون انجیل میں ہے مگر ہمارے نبی نے فرمایا امرنی ربی بمحق المعازف و

المزامیر یعنی میرے رب نے مجھے ساز بجانے اور گیت کے آلات کو مٹانے کا حکم فرمایا ہے۔
بلکہ ہمارے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ساز باجوں کے ساتھ قرآن پاک پڑھنے والا کافر
چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح فقہ اکبر ص ۲۰۵ میں لکھا ہے
ہو جاتا ہے۔
وفی الخلاصۃ من قرأ القرآن علی ضرب الدف والقضیب یکفر قلت ویقرب منہ
ضرب الدف والقضیب مع ذکر اللہ تعالیٰ ونعت المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و
آلہ وسلم وکذا التصفیق علی الذکر یعنی خلاصۃ الفتاوی میں ہے کہ جو شخص دف یا نے بانسری
وغیرہ بجا بجا کر قرآن کریم پڑھے وہ کافر ہو جاتا ہے اور اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جو کہ
دف یا نے بجا بجا کر ذکر الٰہی کرے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کی
نعت پڑھے اور اسی طرح جو ذکر کرتے وقت تالیاں بجائے۔

قدیم مصر میں دو بت تھے ایک سیت جسے خداوند شر سمجھا جاتا تھا اور دوسرا اس کا بھائی اوسیرز
جسے خداوند خیر سمجھا جاتا تھا۔ وہاں اوسیرز کا سالانہ تہوار نہایت دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔
عورتیں باجے گاجے کے ساتھ اوسیرز کا بت لے کر نکلتی تھیں اس کے بعد فحش حرکات کرتی تھیں
بحیرۂ روم کے مشرقی سواحل کے ممالک میں بیریاپس کا بت برہنہ بنایا جاتا تھا اور جن لڑکیوں کی
شادی ہونے والی ہوتی تھی یا عورتیں بانجھ ہوتی تھیں وہ اس بت ...... پر پھول چڑھاتی تھیں
سالانہ تہوار کے دن اس بت کو رتھ میں بٹھا کر عورتیں گاتی بجاتی ہوئی بصورت جلوس نکلتی تھیں

تحفۃ الہند ص میں ہے کہ ہندو لوگ اپنے معبود کشن جی کی عبادت میں گانا راگ گاتے
ہیں تاشے باجے بجاتے ہیں ناچتے اور کودتے ہیں۔ تالیاں بجاتے ہیں

برہما کے بالائی حصہ میں رواج ہے کہ ہر سال فصل بہار کے وقت لوگ ایک بت کا جلوس نکالتے
ہیں.... اور جلوس نکالنے والے بہت فحش قسم کا مذاق کرتے ہوئے اور گالیاں گاتے ہوئے ساتھ
ساتھ چلتے ہیں

یونان میں ابتدائے اپریل و مئی میں فلوریلیا دیوی کے نام سے جو میلہ آٹھ روز تک ہوا کرتا تھا
اس موقعہ پر کسبی عورتیں سب کے سامنے برہنہ ہو کر نہایت ہیجان انگیز ناچ ناچا کرتی تھیں۔

عورتوں کی آواز کا شرعی حکم اور گانا بجانا

در مختار۔ طبع ہند ص ۳۰۴ میں لکھا ہے وکیرہ (الظاہران الکراہۃ تحریمیۃ) اذان جنب و اقامتہ ...... واذان امرأۃ وخنثیٰ۔ یعنی جنبی کی اذان و اقامت ہر دو مکروہ تحریمی ہیں۔ اور عورت اور خنثیٰ کی اذان بھی مکروہ تحریمی ہے۔

اسی طرح عالمگیری ص ۳۳ میں بحوالہ خلاصۃ الفتاویٰ وکافی وغیرہ تمام کتب میں موجود ہے اب علماء کرام نے اس کراہت تحریمیہ کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں جیسے ہدایہ ص ۵۷ میں حاشیہ ۳۵ پر مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے نہایہ شرح ہدایہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ عورت کی اذان مکروہ تحریمی ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے لان اذان النساء لم یکن فی المتقدمین فکان من جملۃ المحدثات (کہ عورتوں کی اذان متقدمین یعنی صحابہؓ تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے میمون ومبارک عہد میں نہ تھی۔ اس لئے عورت کی اذان تو یہ کہ وہ بدعتوں میں سے ایک بدعت ہوگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔

دوسری وجہ عورت کی اذان مکروہ تحریمی ہونے کی یہ ہے ولان المؤذن مندوب الیٰ رفع صوتہ حتی یستحب لہ ان یعلو المنارۃ او اعلی المواضع عند الاذان۔ والمرأۃ منھیۃ عن رفع الصوت لان فی صوتھا فتنۃ ولذا جعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم التسبیح للرجال والتصفیق للنساء ولکنہا منھیۃ عن تشہیر النفس بان یکون فی بیتہا وراء الحجاب فلذا یستحب اعادۃ اذانہا (یعنی مؤذن کو حکم ہے کہ اذان میں اپنی آواز کو بلند کرے حتیٰ کہ اس کیلئے پسندیدہ اور مستحب طریقہ یہ ہے کہ منارہ یا اور کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر اذان کہے (نیز اپنے کانوں میں انگلیاں دے تاکہ اور اونچی آواز ہو) لیکن عورت کو بلند آواز کرنا منع ہے اس لئے کہ اس کے بلند آواز کرنے میں فتنہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جماعت ہو رہی ہو اور امام کو بھول ہو جائے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ تسبیح یعنی سبحان اللہ تم کہیں اور عورتوں کو حکم دیا کہ تصفیق کریں یعنی ایک ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ ماریں مگر مردوں کی طرح تم سبحان اللہ مت کہو نیز عورت کو اپنا آپ ظاہر کرنا شریعت میں ممنوع ہے۔

عورت کو تو یہ حکم ہے کہ وہ اپنے گھر میں پردہ کے اندر رہے (اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ) یہی تو وجہ ہے کہ اگر عورت اذان کہہ بھی دے تو مردوں کو چاہیے کہ دوبارہ اذان دیں۔

اور ہاتھ پہ ہاتھ مارنے کا حکم جو سہو امام کے وقت عورت کو ہے اس کا وہ طریقہ نہیں ہے جو کھیل کی صورت بن جائے یعنی تالی بجے۔ بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں (ج ۱ ص ۹۶ و ۹۷) البحر الرائق کے حوالے سے لکھا ہے قالوا ہٰذا فی حق الرجال، اما فی حق النساء فانہن یصفقن وکیفیتہ ان تضرب بظہور اصابع الیمنیٰ علی صفحۃ الکف من الیسریٰ یعنی تسبیح کہنے کا حکم تو مردوں کے حق میں ہے۔ اور رہیں عورتیں تو وہ ہاتھ پہ ہاتھ ماریں جس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پیٹھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پہ مارے۔

اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے فان اذان المرأۃ لا یکون علی وجہ السنۃ بل علی وجہ البدعۃ لانہا لو رفعت صوتہا فی اعلیٰ موضع ارتکبت بدعۃ والا لم تؤذن علی وجہ السنۃ وترک وجہ السنۃ بدعۃ یعنی عورت کی اذان مسنون طریقہ پہ نہیں ہوتی بلکہ بدعت کے طریقہ پہ ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ عورت اونچی جگہ پہ بلند آواز سے اذان کہتی ہے تو بدعت کی مرتکب بنتی ہے اور اگر ایسا نہیں کرتی تو سنت طریق پہ اس کی اذان نہ ہوئی اور سنت طریقہ کا چھوڑنا ہی بدعت ہے۔ رات کی نماز اکیلا مرد پڑھے تو بلند آواز سے قرآن پاک کی قراءت کرسکتا ہے۔ مگر عورت کسی نماز میں کوئی لفظ اونچی آواز سے نہیں پڑھ سکتی۔ سب نماز پست آواز سے پڑھے

۹ ذی الحجہ کی نماز فجر سے ۱۳ ذی الحجہ کی نماز عصر تک ۲۳ نماز پنج فرض: نماز کا سلام پھیر کر شہر میں رہنے والے مقیم مردوں پہ واجب ہے کہ ایک بار بلند آواز کے ساتھ تکبیرات تشریق پڑھیں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد بشرطیکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہو۔ اگر اس باجماعت نماز میں مسافر بھی ہے وہ بھی بلند آواز سے پڑھے۔ مسبوق بھی پڑھے بآواز بلند۔ لیکن اگر ان نمازوں میں عورت بھی شریک تھی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی تو فتجب علیہا بالتبعیۃ لکن لا تجہر بل تقولہا سرا اس عورت پر بھی مردوں کی اتباع میں تکبیرات تشریق واجب تو ہوگئی ہیں لیکن بلند آواز سے نہ کہے بلکہ آہستہ اور پست آواز

اور پست آواز سے کہے (عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ از مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ)
حج یا عمرہ کا جب احرام باندھتے ہیں تو بلند آواز کے ساتھ مردوں کو تلبیہ کہنے کا حکم ہے۔
یعنی یہ الفاظ پڑھے لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک و
الملک لک لاشریک لک لبیک۔

مگر عورت کو یہ حکم ہے کہ لاتلبی جہرا بل تسمع نفسہا لان فی جہرہا احتمال الفتنۃ بلند آواز
کے ساتھ تلبیہ نہ کہے بلکہ صرف اپنے آپ کو سنائے اس لئے کہ عورت کا بلند آواز کے ساتھ تلبیہ
کہنے میں فتنہ کا احتمال ہے (شرح وقایہ مع عمدۃ الرعایۃ ص ۳۳۹)

زبدۃ النہایہ لعمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ از مولانا محمد عبدالحمید اخی مولانا محمد عبدالحی ج ۳
ص ۱۱۳ میں ان لوگوں کی فہرست میں جن کی شہادت نامقبول و نامنظور ہے نائحہ اور مغنیہ بھی
ہیں نائحہ کہتے ہیں بین کرنے والی عورت یعنی وہ عورت جو رو رو کر بلند آواز سے مردہ آدمی
کی خوبیاں بیان کرے۔ اور مغنیہ کہتے ہیں راگ سے گانے والی عورت کو۔

اس پر محشی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں والتغنی باللھو معصیۃ فی جمیع الادیان خصوصًا ان کان
الغناء من المرأۃ فان نفس رفع الصوت منہا حرام فضلاً من ضم الغناء الیہ یعنی لہو کے طریقے سے
راگ گانا تمام دینوں اور سب مذہبوں میں حرام اور گناہ ہے خاص کر جب کہ گانے والی عورت
ہو۔ کیونکہ عورت کا صرف اپنی آواز کو اونچا کرنا ہی حرام ہے اور پھر راگ کا اس کے ساتھ منضم
ہونا مزید برآں گناہ ہے جیسے مثل مشہور ہے ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا۔

اسلامی نکاح کے شرعی احکام

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے بارے مختصر طور پر کچھ ضروری باتیں لکھ دی جائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس پر عمل کیا جا سکے

سو یاد رہے کہ نکاح وہ عقد ہے جس کو شارع نے عورت سے صحبت حلال ہونے کے لئے مقرر فرما دیا ہے

نکاح صرف دو لفظوں سے ہو جاتا ہے جب کہ دو گواہوں کے رو برو لے جائیں۔ پہلے لفظ کو ایجاب کہتے ہیں اور دوسرے لفظ کو قبول کہتے ہیں

مثلاً کوئی شخص کسی مرد کو مخاطب کر کے دو گواہوں کے سامنے کہے "میں نے اپنی چھوٹی بیٹی جمیلہ کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا"۔ دوسرے نے کہا "میں نے قبول کیا" بس نکاح ہو گیا، اور دونوں میاں بیوی ہو گئے۔ یا دولہا نے دولہن کے باپ سے کہا "میرا نکاح اپنی فلاں بیٹی رقیہ سے کر دو" اس نے کہا "میں نے نکاح کر دیا" ان دونوں کا ایجاب قبول دو گواہوں نے سنا۔ بس نکاح ہو گیا۔

نکاح ہوتے وقت میاں بیوی دونوں کو اس کا علم ہونا ضرور ہے کہ فلاں کے ساتھ نکاح ہوتا ہے

اگر نکاح کی مجلس میں خود عورت موجود ہے نکاح کرتے وقت اس کی طرف صرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہے۔ اس عورت کا نام لینا اب ضروری نہیں۔

مجلس نکاح سے دولہا دولہن میں سے جو غیر حاضر ہو اس کے نام کے ساتھ اس کے والد کا نام بھی لینا چاہئے

ایجاب قبول کے الفاظ اتنی اونچی آواز سے بولے جائیں کہ گواہ بخوبی سن لیں اور ان کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کا نکاح فلاں عورت کے ساتھ ہوا ہے۔

دو گواہوں کا مسلمان مکلف عاقل بالغ ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں اکٹھے ایک ساتھ ایجاب و قبول کو سنیں۔ ورنہ نکاح نہ ہوگا

گواہ اگر دو مرد مسلمان نہ ہوں بلکہ ایک مرد گواہ ہو اور دو عورتیں مسلمان ہوں تو بھی نکاح ہو جاتا ہے۔
اور اگر مجلس نکاح میں غیر مسلم (کافر) ہی ہیں اور دو مسلمان نہیں تو نکاح نہیں ہوا۔
اسی طرح ایک گواہ مرد جوان ہے اور دوسرا نابالغ لڑکا گواہ ہے تب بھی نکاح نہیں ہوا۔
اسی طرح ایک مرد جوان گواہ ہے اور دو نابالغ لڑکیاں یا ایک جوان عورت اور دوسری نابالغہ لڑکی ہے اس صورت میں بھی نکاح نہیں ہوا کیونکہ صحت نکاح کی شرط نہیں پائی جاتی۔
دو گواہ اندھے ہوں مگر کانوں سے سنتے ہوں بہرے نہ ہوں ان کی گواہی پر نکاح ہو جاتا ہے بشرطیکہ گواہوں میں باقی شرطیں سب پائی جاتی ہوں

نکاح کے واسطے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مجمع عام میں کیا جائے پھر سب سے بہتر یہ ہے کہ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کر چکنے کے بعد مجمع عام میں کیا جائے تاکہ نکاح کی شہرت ہو جائے

نکاح کا مسنون طریقہ

مشہور بہتر اور مسنون طریقہ نکاح کا یہ ہے کہ پہلے عورت کا ولی (باپ۔ بھائی۔ تایا چچا۔ دادا۔ چچازاد بھائی۔ بھتیجا وغیرہ) عورت سے دو گواہوں کے سامنے اجازت لے۔ مہر کا بھی ذکر ہو جائے تو بہتر ہے۔ مثلاً جس عورت کا نکاح ہونے لگا ہے اس کو اونچی آواز سے سُنا دے کہ میں نے تمہارا نکاح فلاں کے بیٹے فلاں کے ساتھ اتنی مقدار مہر کے عوض میں کر دیا ان الفاظ کو گواہ بھی سُن لیں۔ عورت اگر کنواری ہے اور یہ الفاظ کہنے والا اس کا باپ ہے تو صرف اس عورت کا خموش ہو رہنا ہی ایسا سمجھا جائے گا جیسے اس نے اپنی زبان سے نکاح کی اجازت دے دی ہے اور اگر اجازت لینے والا والد کے سوا کوئی دوسرا شخص ہے۔ یا اس عورت کا یہ دوسرا نکاح ہونے لگا ہے تو پھر اس عورت کا خموش ہو رہنا کافی نہ ہوگا بلکہ زبانی اجازت دے اور صاف صاف کہے "مجھے منظور ہے" یا "میں نے اجازت دی"۔ پھر ولی اور گواہ مجلس عقد میں آکر قاضی صاحب کے سامنے بیان کریں کہ ہم فلاں عورت سے اجازت لے آئے ہیں۔

بہتر تو یہ ہے کہ اگر ولی خود خطبہ نکاح پڑھ سکتا ہو تو وہ آپ ہی خطبہ نکاح پڑھے

اور آپ ہی نکاح پڑھائے۔ اور اگر ولی کو نکاح کا خطبہ پڑھنا نہیں آتا تو قاضی صاحب یہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھیں

خطبۂ نکاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا نَسْاَلُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنَا مِمَّنْ يُّطِيْعُهٗ وَيُطِيْعُ رَسُوْلَهٗ وَيَتَّبِعُ رِضْوَانَهٗ وَيَجْتَنِبُ سَخَطَهٗ فَاِنَّمَا نَحْنُ بِهٖ وَلَهٗ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَنَاتِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

پھر ولی انہی دو گواہوں کے سامنے دولہا سے کہے کہ "میں نے فلاں نام کی عورت جو میری بیٹی ہے (اگر ولی باپ ہو) اس کا نکاح بدلے اتنے قدر مہر کے تمہارے ساتھ کر دیا۔ تم نے قبول کیا؟" دولہا اونچی آواز سے کہے "میں نے قبول کیا" تاکہ گواہ یہ الفاظ اپنے کانوں سے سن لیں۔ ایک ہی دفعہ کہہ دینے سے نکاح ہو جاتا ہے تین بار کہلانا کوئی ضروری نہیں ہے۔

اور اگر ولی خود نکاح نہیں پڑھا سکتا تو قاضی صاحب کو نکاح پڑھانے کی اجازت دیدے کہ میری طرف سے آپ نکاح پڑھا دیں۔ تب قاضی صاحب ولی کی طرف سے ہو کر یہ الفاظ کہے کہ میں اس ولی کی طرف سے اجازت پا کر فلاں نام کی لڑکی جو فلاں کی بیٹی ہے اس کا نکاح بعوض اس قدر مہر کے تمہارے ساتھ کر دیا۔ تم نے قبول کیا؟" دولہا کہے "میں نے قبول کیا"۔ اونچی آواز سے کہے۔

اس کے بعد چھوہارے یا بادام یا اور کوئی شیرینی لوگوں (حاضرین) میں لٹا دیوے پھر قاضی صاحب دولہا سے متوجہ ہو کر یہ کہے اور سب حاضرین بھی یہی کہیں کہ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي الْخَيْرِ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو مبارک کرے اور برکت دے اور تم دونوں میاں بیوی بہ خیر و خوبی و الفت تمام عیش کرو۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

تنبیہ :- اکثر جگہوں میں دیکھا گیا ہے کہ نکاح خوان حضرات پہلے ہی ایجاب و قبول کروا لیتے ہیں اور خطبۂ نکاح بعد میں پڑھتے ہیں حالانکہ صحیح سنت طریقہ یہی ہے کہ خطبۂ نکاح ایجاب و قبول سے پہلے ہو جیسے مسند داری میں صریح الفاظ ہیں کہ خطبۂ نکاح کے بعد نکاح کیا جائے "ثُمَّ يَتَكَلَّمُ بِحَاجَتِهِ" دیکھو مشکوٰۃ ص ۲۷۲۔

ہدایت نکاح کی بعض مجلسوں میں چھوہارے لٹاتے وقت لوگ اس طرح طباق پر ٹوٹ پڑتے ہیں کہ دو چار کے زخمی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بعضوں کے کپڑے پھٹ جاتے ہیں۔ اور بعضے قاضی صاحب کی ایک پیالی شکر پر اس طرح گرتے ہیں جیسے شہد پہ مکھیاں۔ لوگوں کو چاہیے کہ ایسی دھینگا مشتی سے پرہیز کریں۔ بلکہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو چار منٹھی چھوہارے بغرض ادائے سنت لٹا دیا کریں۔ اور باقی اہل مجلس کو تقسیم کر دیئے جائیں تاکہ سب کو پہنچ جائیں اور لوٹا لوٹی کی نوبت نہ آنے پائے

ہدایہ ۲ :- شیعی مذہب میں یہ طریقہ ہے کہ ان کا نکاح خوان قادر یا دوسرا ہو تو وہ ایجاب و قبول کروانے کے بعد خطبۂ نکاح پڑھتا ہے اور پھر وعظ و نصیحت کرتا ہے۔

ہندوؤں کے نکاح کا طریقہ

ہندوؤں کے نکاح کا طریقہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ مگر میرا مقصد اس طرح سے مسلمانوں کو متنبہ کرنا ہے کہ آج کل ہم مسلمانوں نے شرعی اور مسنون طریقہ کا چھوڑ کر بہت سے امور میں ہندوؤں کی تقلید کرنے میں فخر محسوس کیا ہوا ہے۔ اگر کوئی سمجھانے والا سمجھاتا ہے تو اس کی بات کو بُرا محسوس کرتے ہیں۔ مال بھی برباد کرتے ہیں ایمان بھی برباد ہم کو چاہیئے کہ مسلمان بن کر اسلامی طریقہ اپنائیں ہندوانی رسوم سے اجتناب کریں۔

اصل مدعا مطلب: ہندوؤں کا نکاح مشہور وہ چیز ہے کہ عورت کے ولی جیسے باپ وغیرہ اس عورت کو سنکلپ کر کے کسی مرد کو دیدے اور مرد اس عورت کو قبول کرے اس لفظ سے "سونت" پھر اس اقرار کے واسطے آگ گواہ پکڑتے ہیں یعنی آگ جلا کر دولہا دولہن کو آگ کے گرد پھیرے دیتے ہیں

مسلمان آگ تو بے جان ہے۔ آگ کو گواہ بنانے کا کیا مطلب

ہندو: آگ کا موکل ہے بسنتر دیوتا۔ اور وہ باشعور ہے۔ اور وہ گواہ ہے۔

مسلمان: آدمیوں کے گواہ کرنے سے (جیسے مسلمانوں کا شرعی طریقہ ہے) تو فائدہ ہے اگر جھگڑا ہو جائے تو حاکم کے سامنے گواہ کام آویں۔ اور دیوتا کی گواہی ایک امر موہوم ہے۔ اور نظر سے غائب ہے۔ اس کی گواہی کس کام آنے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان بھی اس طرح نکاح کرے کہ میرے گواہ رسول اور فرشتے ہیں تو نکاح نہیں ہوگا بلکہ علماء مسلمین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی نے بوقت نکاح کے وقت کہ میں نے خدا اور رسول اور فرشتوں کو گواہ کیا تو یہ کفر ہے کیونکہ اس میں رسول اور فرشتوں کی غیب دانی کا اعتقاد پایا جاتا ہے۔

ہندوؤں کی رسمیں نکاح میں

دولہا اور دولہن کے کنگنا (ہاتھ میں باندھنے کا تاگا۔ چھننا۔ گانی) باندھنا۔ سہرا باندھنا برادری کی عورتوں کا جمع ہو کر سات یا پانچ یا تین دن تک سات سہاگنوں کے ہاتھ سے دولہا اور

دولہن کے بٹنا لگانا۔ تیل چڑھانا۔ اور تنی کڑاہی اور سانت کا کرنا۔ اور چوک پورنا (دائرہ بناکر بندہ کو بیچ میں بٹھانا نظر وغیرہ کے لئے) اور نام آوری کے واسطے ڈھکاؤ کرنا۔ باڑا دینا بے ضرورت ہاتھی گھوڑوں پر سوار ہوکر چلنا (آج کل سجائی ہوئی کاروں میں بیٹھ کر جانا) طوائف کا ناچ کروانا۔ آتش بازی چھڑوانا۔ ڈھول نفیری نقارہ تاشا وغیرہ باجے بجوانا۔ بند وقیں سر کرنا۔ فوٹو لینا۔ اور سمدیوں کا آپس میں مل کر ہنسی اور ٹھٹھا کرنا۔ اور میٹھا اور کھٹا بجات منقر کرنا۔ بلکہ بعضے کھتریوں میں رسم ہے کہ جب برات کی ضیافت کرتے ہیں تو شیرینی کی گھرلی بناکر براتیوں کو اس کے گرد بٹھا کر کھلاتے ہیں (اور آج کل کھڑا کر کے کھلاتے ہیں) اور چھلنی میں چراغ رکھ کر دروازے پر لٹکانا۔ اور نوشہ کا اس کو تلوار سے گرا دینا۔ اور نوشہ سے عورتوں کا چھد کھلانے اور لونگ الائچی مانگنی اور نامحرم عورتوں کا نوشہ کے گرد جمع ہوکر چہل اور مزاح کرنا۔ اور طرح طرح کی پہیلیاں اور بیہودہ امردوں (بے ریش بچوں) اور عورتوں کا کہنی اور عورتوں کا مردوں کا راگ میں فحش گالیاں دینا جس کو سیٹھنا کہتے ہیں۔ اور دولہن کی جوتی کا دولہا سے سجدہ کروانا۔ اور نائن کا دولہا کا بدن سرخ ڈورے سے ناپنا۔ اور عورتوں کے سر کے بال دولہا سے گندھوانے جس کا نام دھوریاں ہے۔ اور کنگنا کھیلنا اور گوت کنالا کرنا۔ یعنی قوم کے مرد اور عورتوں کا ایک پاس میں کھانا۔ اور دولہا کی ماں کا کانسے میں پاؤں ڈالنا۔ اور براسوھی اور کھٹ نام آوری کے لئے کرنی۔ اور نام اور فخر کے لئے طرح طرح کے باجے۔ اور برادری کی روٹی کرنی۔

اور سوائے اس کے اور بہت سی رسوم باطلہ ہیں کہ ان سب کا بیان کرنا سبب طوالت کا ہے۔

اب معلوم نہیں کہ ان رسوم میں کیا فائدہ ہے۔ بلکہ ظاہر مال کا ضائع کرنا ہے۔ اور اکثر بے حیائی کے کام ہیں (ماخوذ از تحفۃ الہند ص ۱۱۱ مصنفہ شیخ عبید اللہ سابق اننت رام ولد کوٹے مل)

مسئلہ: دولہا دولہن کو عقد نکاح کے وقت کرسیوں پر بٹھانا اسلامی رواج کے خلاف ہے اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

مسئلہ: نکاح پڑھانے والے کو نکاح خوانی کی اجرت دینا جائز ہے اور نکاح خوان پہلے اجرت مقرر کر کے نکاح پڑھائے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اس کو مقررشدہ اجرت جبراً وصول کرنے کا حق ہے (کفایت المفتی ج ۵ ص ۱۵۴)

لیکن اگر نکاح خوان بغیر اجرت کے نکاح پڑھائے تو ثواب کا مستحق ہوگا۔ اور اگر نکاح خوان قاضی صاحب نکاح نہ پڑھائے تو مجلس میں سے کوئی اور شخص ولی یا ولی کی طرف سے جسے بھی اجازت مل جائے نکاح پڑھانے کی وہ ہی ایجاب قبول کرادے نکاح ہو جائے گا۔ ضروری نہیں کہ قاضی صاحب ہی نکاح پڑھائیں

مسئلہ: شیعہ لوگ سنی کے نکاح میں گواہی میں نہ لئے جائیں۔

مسئلہ: اگر مہر معجل مقرر ہوا تھا تو بیوی کو اس کے مطالبہ کا حق ہے۔ اور جب تک شوہر مہر ادا نہ کرے۔ بیوی اس کے گھر جانے سے انکار کر سکتی ہے

مہر مؤجل میں اگر اجل معین کر دی گئی ہے مثلاً دس برس یا بیس برس یا یہی کہہ دیا گیا ہو کہ موت یا طلاق کے بعد حق مطالبہ ہوگا تو اس صورت میں تو تصریح کے موافق عمل ہوگا۔ اور اگر یہ تصریح نہیں کی گئی صرف مہر کہہ دیا گیا یا لکھ دیا گیا تو مؤجل بھی معجل کے حکم میں ہے۔ اور عورت کو ہر وقت مطالبہ کا حق ہے۔

مسئلہ: مہر دولہا کی حیثیت کے موافق باندھنا چاہئے۔ محض نام و نمود کیلئے بڑے بڑے مہر باندھنا بری بات ہے

جہیز بھی حیثیت کے موافق ہونا چاہئے۔ بڑے بڑے جہیز نہ ملنے کی وجہ سے لڑکیوں کو زیادہ عمر تک بٹھائے رکھنا گناہ کی بات ہے۔

مہر اور جہیز کے علاوہ دولہن والے جو سو دو سو روپے دولہا سے لے لیتے ہیں جب لڑکی دیتے ہیں یہ رشوت ہے اور حرام ہے اور کھانا اس کا قطعاً ناجائز ہے

مسئلہ: لڑکی والوں سے روپیہ لے کر برادری کو کھانا کھلانا ناجائز ہے۔ وہ رشوت

لڑکی والا واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔ قاضی ہو یا کوئی اور جس کو معلوم ہو کہ لڑکی والے نے روپیہ لے کر کھانا دیا ہے ان سب کو کھانا ناجائز ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۵ صفحہ ۱۴۱)

مسئلہ پیروں میں آوازدار زیور پہننا جیسے جھانجھ ناجائز ہے۔ اسی طرح سوائے پیروں کے کسی جگہ بھی آوازدار باجے والا زیور پہننا نہ چاہئے۔ کان کا زیور احادیث سے ثابت ہے جس سے چھیدوانا بھی ثابت ہے اور ناک کا چھدوانا اور زیور اہل ہند کا ایجاد ہے۔ بہت سے علماء ناک میں نتھ کو منع فرماتے ہیں اور بعض جائز کہتے ہیں۔ اور کیل و بلاق میں کچھ ممانعت شرعی نہیں ہے۔ یہ امور زینت اور رواج پر موقوف ہیں۔ شرعاً نہ ضروری ہیں نہ حرام ہیں۔ ہاتھوں میں کانچ و پتھر کی چوڑیاں یا چاندی وغیرہ کی چوڑیاں درست ہیں

عورتوں کے لئے سوتی اور ریشمی لباس درست ہے لیکن ستر عورت کا لحاظ مقدم ہے۔ جس قسم کا کپڑا بھی ہو ایسا باریک نہ ہو کہ جس میں ستر نہ ہو۔

بڑے پائنچوں کا پاجامہ بھی شرعاً درست ہے جب کہ اس میں کشف عورت نہ ہو لیکن چھوٹے پائنچوں کا پاجامہ بہتر ہے کہ اس میں ستر بھی پورا ہے اور کفایت بھی ہے (ف د)

مسئلہ عوام میں یہ جو عام مشہور ہے کہ سوا بتیس روپیہ حق مہر شریعت میں ہوتا ہے پھر وہی مہر مقرر کر کے نکاح کر لیتے ہیں۔ خدا معلوم اس مسئلہ کی اصل کیا ہے کس نے یہ مسئلہ بتایا اور کیوں کر مشہور ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مہر کی مقدار کم از کم دس درہم ہے اور درہم شرعی کا اندازہ انگریزی کے حساب سے ۳ ماشہ ایک رتی ۲ جو

درہم شرعی از این سکیں شنو کال سہ ماشہ بہت یک سرخ و دو جو

موجودہ دور میں چاندی کا حساب کر کے اندازہ لگایا جائے

اور فاطمی مہر جو مشہور ہے وہ تو ساڑھے بارہ اوقیہ کا تھا جیسے حدیث شریف میں وارد ہے۔ اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا اور درہم اوپر بتایا جا چکا ہے پس کل فاطمی مہر پانچ سو درہم ہوا۔ اور سوا بتیس روپیہ مہر نہ فاطمی ہے نہ وہ مہر جو کم از کم شرع محمدی میں مقرر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی دور میں دس درہم مساوی سوا بتیس روپے کے ہوتے

ہوں گے مگر اس دَور میں یہ حساب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس دَور میں شاید سوا تیس روپے کر عوض میں ایک تولہ چاندی بھی نہیں مل سکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ آج کل شادی بیاہ میں شو اور دکھلاوے میں بطور فخر ہزاروں روپیہ فضول خرچی میں پانی کی طرح بہاتے ہیں طبلچیوں کو اور نغولیوں اور بینڈ بجانے والے نخاگانیوں میں پیسہ لٹاتے ہیں مگر رفیقہ حیات کو خوش کرنے کے لئے صرف سوا تیس روپے ٹلاتے ہیں۔ جو ایک دن کی روٹی بھی نہیں بنتی۔ شرع میں انسان کی خصوصاً مسلمان کی بڑی عزت اور قدر و منزلت ہے مگر ہمارے معاشرہ میں انسان کی کچھ قدر نہیں۔

میں نے باوثوق ذرائع سے سنا ہے کہ زمیندار لوگ جو مربوں کے مالک ہیں یورپ سے کتوں کی جوڑی تیس ہزار روپے میں مول لاتے ہیں۔ معلوم ہوا ان کے نزدیک کتوں کی شان بلند و بالا ہے بعض ایسے ہیں جو فخریہ طور پر مہر ہزاروں لاکھوں کی مقدار میں لکھتے لکھاتے ہیں۔ مگر یہ صرف کاغذی کارروائی ہوتی ہے کون دیتا ہے اور کون لیتا ہے۔ مگر ہماری شرع شریف میں مرد کی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اگر مقرر کر دیا تو پھر دینا ضروری ہو جاتا ہے اور اگر نہ دیا تو قیامت کو دینا ہوگا یا اپنی خوشی سے عورت خود معاف کر دے سارا یا بعض، بغیر مجبور کرنے کسی کے۔

مسئلہ کوئی شخص اپنی برادری کو کسی شادی میں مقفٰی مسجع عبارات و اشعار کے خطوط لکھ کر بلاوے تو جائز ہے شرعاً اس میں کچھ حرج اور کچھ مواخذہ نہیں ہے (بشرطیکہ غیر شرع فقرے نہ ہوں)

سوال ایک شخص نے اپنی بیٹی کا رشتہ کر دیا کچھ دنوں کے بعد وہ مر گیا۔ مرتے وقت یہ وصیت بھی کر گیا کہ میری لڑکی کا نکاح اس جگہ کرنا جہاں میں نے اس کا رشتہ کیا ہے۔ اب دادا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہتا ہے۔ آیا سابق رشتہ کی بناء پر لڑکی کی والدہ اس کا نکاح اسی جگہ کر سکتی ہے یا نہ؟

الجواب فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ نکاح کے بارہ میں وصیت معتبر نہیں۔ اور باپ کے مرنے کے بعد ولایت نکاح نابالغہ دادا کی طرف منتقل ہو جاتی ہے پس صورت مذکورہ میں دادا جو نکاح نابالغہ کا کرے گا وہی صحیح ہوگا۔ والدہ کا کیا ہوا نکاح بدون دادا کی رضا و اجازت کے صحیح نہ ہوگا (ف۔ د۔ عزیز الرحمٰن)

مسئلہ تخمیناً مہینہ سوا مہینہ شادی کے قبل دولہا اور دولہن کو ابٹن ملا جاتا ہے۔ اس کے لئے اپنے خویش و اقارب اور برادری کی عورتیں بلائی جاتی ہیں۔ دولہا خواہ بالغ ہو یا نابالغ ان کو اکثر وہ عورتیں جن سے رشتہ مذاق کا ہوتا ہے وہی ران وغیرہ سارے بدن پر ملتی ہیں۔ جو اس کے سب کو گڑ کا تقسیم ہوتا ہے۔ یہ رسم بطریق مذکور قبیح مذموم اور قابل ترک ہے۔

مسئلہ اکثر لوگ ۳-۱۳-۲۳-۸-۲۸- وغیرہ تاریخ کو اور پنجشنبہ و یکشنبہ و چہارشنبہ وغیرہ ایام کو شادی وغیرہ نہیں کرتے۔ اعتقاد ہے کہ سخت نقصان پہنچیگا۔ یہ عقیدہ غلط اور باطل ہے۔ اس رسم و رواج کو توڑا جائے۔

سوال جس کی بارات میں کثرت سے باجے اور روشنی اور گھوڑے وغیرہ ہوں ان کا نکاح شرعاً ہوتا ہے یا نہیں اور ایسی بارات میں شریک ہونے سے گناہ ہوگا یا نہیں۔ بعض تو شرکت میں کچھ گناہ نہیں سمجھتے۔ اور بعض گناہ تو سمجھتے ہیں مگر بوجہ خاص عقد یا خاص قرابت داری بارات میں اس مجبوری سے شریک ہوتے ہیں کہ شریک نہوں گے تو باعث رنج و ملال ہوگا۔ ان کا عذر قابل قبول ہے یا نہ؟

الجواب نکاح تو ہوجاتا ہے مگر ارتکاب معصیت ہوتا ہے اور شرکاء میں قسم اول سخت گنہگار ہیں اور غلطی پر ہیں۔ اور قسم دوم کا عذر بھی شرعاً قابل قبول نہیں ہے۔

مسئلہ شادی میں دولہا کو سہرا نہ باندھا جائے۔ کہ یہ رسم ہنود کی ہے اور مشابہت ان کے ساتھ ممنوع و حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوائے ہندوستان (و پاکستان) کے اور کہیں اس کا نام نشان نہیں۔ اور رسوم کفر و جاہلیت کو جاری رکھنا ناجائز ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جہاں اور مہمات اسلامیہ کے متعلق خاص شان سے بیان فرمایا ہے۔ انہیں میں ایک جزو یہ بھی تھا کہ کل شئی من امر الجاهلیۃ موضوع تحت قدمی (ترجمہ) (مشکوۃ ۲۲۵ عن مسلم) اس کے علاوہ اس میں تشبہ ہے ہندؤں کے ساتھ۔ اور کفار کی مشابہت اختیار کرنا احادیث کثیرہ اور بعض آیات قرآنیہ سے ناجائز ہے۔ قال تعالیٰ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (ذکرہ السخاوی فی المقاصد الحسنۃ وحسنہ) یعنی جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے اور بعض روایات میں ہے کہ جو کسی قوم کی جماعت

کو پڑھا جائے وہ اسی قوم میں شمار ہوتا ہے۔ اس لئے اس رسم کا چھوڑ دینا ضروری ہے۔ محض گناہ بے لذت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ کتبہ بندہ محمد شفیع غفرلہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

جبکہ زوجین مسلمان ہیں اور کلمہ گو ہیں تو قبل ایجاب قبول کے ان کو کلمہ طیبہ اور امنت باللہ پڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اور جیسا کہ عوام جہال میں رواج ہے کہ اس کو ضروری سمجھتے ہیں یہ بدعت ہے۔ خیر القرون میں اس کا رواج نہ تھا۔ اور ائمہ دین نے اس کا حکم نہیں کیا نہ یہ علماء سلف کا فتویٰ ہے۔ اور عوام الناس کا بسبب جہالت کے اس کا التزام کرنا یہ اجماع نہیں ہے۔ اجماع سلف کا معتبر ہے۔ باقی یہ کہ رواج کس وقت سے پڑا اس کا حال معلوم نہیں۔ ہمارے بلاد میں تو اس کا بالکل رواج نہیں ہے۔ جس جگہ یہ رواج ہو وہاں کے لوگوں سے دریافت کرنا چاہئے کہ یہ رواج خلافِ شرع کب سے ہے الخ۔ (عزیز الرحمٰن ص)

تالی بجانا اور کفارِ یورپ سے مشابہت

تالیاں بجانا لہو و لعب میں داخل ہے۔ شریعت مقدسہ نے عورتوں کو جب کہ وہ نماز پڑھ رہی ہوں اور کوئی ضرورت پیش آئے اجازت دی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ پہ مار کر اپنا نماز میں مشغول ہونا ظاہر کر دیں۔ لیکن ہاتھ کو ہاتھ پہ مارنے کی صورت یہ تعلیم فرمائی کہ ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے ہاتھ کی پشت پہ ماریں۔ کیونکہ ہتھیلی کو ہتھیلی پہ مار کر بجانا لہو و لعب کی صورت اور رقاصوں (یعنی ناچنے والوں) کا فعل ہے۔ نیز اظہارِ مسرت کے لیے مجامع میں تالیاں بجانا کفارِ یورپ کا خاص طریقہ ہے۔ لہٰذا اہل اسلام کو اول اس وجہ سے کہ لہو و لعب کی صورت ہے دوم اس وجہ سے کہ کفارِ یورپ کی مشابہت ہے" تالیاں بجانے سے باز رہنا چاہئے

یہ کہنا کہ شریعت میں اس کی ممانعت نہیں آئی لاعلمی پر مبنی ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف ارشاد موجود ہے کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت پیدا کرے گا وہ اسی قوم میں سے ہوگا

اور اچکن وغیرہ پر اس کو قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ اچکن اس لئے جائز ہے کہ اس میں صورتِ لہو نہیں اور نہ اب وہ کسی قوم کفر کا خاص لباس ہے

کفایت ص ۱۹۲

مساجد شعائر اللہ میں داخل ہیں اور شعائر اللہ کا احترام مسلمانوں پر لازم ہے۔ جلوس نکالنا

غیر اللہ کا اور شان و شوکت کے ساتھ ان کو منوانا۔ (امام شرکونسا) گشت کرنا غیر شرعی شعار ہے۔ مسجد کے سامنے شور کرنا، نعرہ تکبیر نعرہ رسالت لگانا، باجے بجانا، مسجد کی اہانت یا اس کے احترام کے خلاف کوئی فعل کرنا یہ سب حرام ہیں۔ پھر نماز اور جماعت کے اوقات میں حقوق عامہ اور احکام نماز کے منافی ہے کہ اس سے نماز و عبادت میں خلل آتا ہے۔ ان کے انسداد کے لئے مسلمانوں کو قانونی سعی کرنی چاہئے۔ جہاں تک ممکن ہو اس قضیے کو باہم تصفیے سے سلجھانا چاہئے

لڑکیوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا جائز ہے۔ حساب اردو وغیرہ پڑھانے اور سینا پکانا کاتنا وغیرہ سکھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں پردے اور صلاحیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

لڑکیوں کو کتابت کی تعلیم دینے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض فقہاء نے سداً للذریعۃ الفساد (فساد کے سبب کو بند کرنے کے طور پر) منع کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ جائز ہے۔

پردہ شرعی کے مسائل

عورتوں کو غیر محرم کے سامنے جانا خواہ شادی میں ہو یا ماتم پرسی میں یا اور کسی تقریب میں ناجائز ہے۔ اسی طرح غیر محرموں کے سامنے گانا حرام ہے۔ اگر عورت مجبوری کی وجہ سے سودا وغیرہ لینے جائے

مسئلہ عورت کا چہرہ نماز میں پردہ کا حکم نہیں رکھتا۔ مگر غیر محرموں کے سامنے آنے جانے میں پردہ کا حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ چہرہ ہی اصل شے ہے جو جاذب نظر اور مہیج جذبات ہے۔

مسئلہ سوائے محارم کے اور رشتہ داروں سے پردہ ضروری ہے۔ پردے سے مراد یہ ہے کہ عورت کا بدن غیر محرم نہ دیکھے

مسئلہ جن لوگوں سے نکاح جائز ہے وہ سب غیر محرم ہیں اور ان سے پردہ کرنا لازم ہے۔ حدیث شریف میں شوہر کے بھائی کو عورت کے لئے موت سے تعبیر فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پردہ کرنا لازم ہے

مسئلہ بیٹے کی ساس کا باپ کے سامنے بے پردہ آنا درست نہیں۔ ہر شخص اپنی ساس کے سامنے بے پردہ آ سکتا ہے۔ مگر داماد کا بھائی اس کے سامنے بے پردہ نہیں آ سکتا۔

مسئلہ بھائی۔ باپ۔ دادا۔ پردادا۔ چچا۔ تایا۔ ماموں۔ نانا۔ پرنانا۔ داماد۔ خسر۔ بھتیجا۔ بیٹا۔ پوتا

بھانجا۔ ان (بھتیجا بھانجا) کے بیٹے (فرزند کے بیٹے) پوتا۔ نواسہ پڑنواسہ ان سب سے عورت کا پردہ نہیں
بیٹی پوتی مسئلہ بہن۔ ماں۔ دادی پردادی۔ پھوپھی۔ خالہ۔ نانی پرنانی۔ ساس۔ بہو۔ سوتیلی ماں
بھتیجی۔ بھانجی (ان (بھتیجی۔ بھانجی) کی بیٹیاں) نواسی۔ پرنواسی ان سب سے مرد کا پردہ نہیں
جیسے سگے بھائی سے پردہ نہیں ایسے ہی جو باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے جو بھائی
ہو ان سے اور ان کی اولاد سے عورت کا کوئی پردہ نہیں ہے۔ ایسے ہی چچاؤں اور ماموؤں
کا حال ہے

جیسے سگی بہن سے پردہ نہیں ایسے ہی صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے جو بہن
ہو اس سے اور اس کی بیٹیوں سے مرد کا کوئی پردہ نہیں ہے ایسے ہی پھوپھیوں و خالاؤں کا حال ہے

مسئلہ جو حکم نسبی بہن بھائیوں ماں باپ چچاؤں ماموؤں وغیرہ کا ہے بالکل اسی طرح
رضاعی بہن بھائیوں ماں باپ چچاؤں ماموؤں وغیرہ کا حکم ہے۔ البتہ چند مسئلے ایسے جو مطولات میں
درج ہیں۔

مسئلہ چچا زاد بھائی تایا زاد بھائی پھوپھی زاد بھائی خالہ زاد بھائی ماموں زاد بھائی۔ دیور
جیٹھ اور ان سب کے بیٹے پوتے۔ شوہر کا بھائی بھتیجا شوہر کا بھانجا۔ بہنوئی۔ دور کے رشتہ میں جو چچا
تایا یا ماموں لگتا ہو۔ نندوئی۔ پیر۔ استاد۔ نوکر۔ چاکر۔ شاگرد۔ آقا۔ دکاندار۔ پڑوسی سے عورت کا پردہ ہے

مسئلہ جوان عورت کو غیر مرد کے سامنے اپنا منہ کھولنا درست نہیں۔ نہ ایسی جگہ کھڑی ہو
جہاں کوئی دوسرا دیکھ سکے۔ پس نئی دلہن کی منہ دکھائی کا جو دستور ہے کہ کنبے کے سارے مرد آکر
منہ دیکھتے ہیں یہ ہرگز جائز نہیں اور بڑا گناہ ہے۔

مسئلہ جس طرح خود مردوں کے سامنے آنا اور بدن کھولنا درست نہیں۔ اسی طرح جھانک
تاک سے مردوں کو دیکھنا بھی درست نہیں۔ عورتیں یوں سمجھتی ہیں کہ مرد ہم کو نہ دیکھیں، ہم ان
کو دیکھ لیں تو کچھ حرج نہیں ــــ یہ بالکل غلط ہے۔ کواڑ کی دراڑ یا کوٹھے پر سے مردوں کو دیکھنا
دولہا کے سامنے آجانا اور کسی طرح دولہا کو دیکھنا یہ سب ناجائز ہے

سالی اور اس کی بیٹیوں پوتیوں نواسیوں اور اس کی نند۔ ساس وغیرہ سے مرد کا پردہ ہے
نندوئی اور اس کے بیٹوں پوتوں نواسوں اور نندوئی کے بھائی باپ دادا وغیرہ سے عورت کا پردہ ہے

چچی، تائی، ممانی اور ان کی بہنوں بھتیجیوں بھانجیوں خالاؤں اور پھوپھیوں سے مرد کو پردہ ہے
بھانجے کی بیوی اور اسی طرح بھتیجے کی بیوی سے مرد کو پردہ ہے۔
پڑوسی کی بیوی سے مرد کو پردہ ہے اور پڑوسن کے خاوند سے عورت کو پردہ ہے۔
پوتے اور نواسے کی بیوی سے مرد کو پردہ نہیں۔ پوتی اور نواسی کے شوہر سے عورت کو پردہ نہیں
رشتہ کے بھانجے بھتیجے سے عورت کو پردہ ہے اور رشتہ کی بھانجی بھتیجی سے مرد کو پردہ ہے
کافر عورتیں جیسے بھیرن، تنبولن، تیلن، کولن، بھنگن، چمارن وغیرہ جو گھروں میں آتی جاتی رہیں ان کا حکم یہ ہے کہ جتنا پردہ نامحرم مرد سے ہے اتنا ہی ان عورتوں سے بھی واجب ہے سوائے منہ اور گٹے تک ہاتھ اور ٹخنے تک پیر کے اور کسی ایک بال کا کھولنا بھی درست نہیں۔ بڑھیا کو بھی بڈھے سے اتنا ہی پردہ فرض ہے جوان عورت کو غیر محرم کے سامنے بدن کی کسی جگہ کا کھولنا بھی درست نہیں۔ بلکہ سب بدن ڈھک کر بھی اس کے سامنے نہ آئے جب کہ زینت کے کپڑے پہنے ہوئے ہو۔

تمت

التعبیر لمن اجاز التصویر

ازقلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال آج سے تقریباً نصف صدی قبل میں نے علامہ نیاز فتحپوری کا مضمون پڑھا تھا کہ سایہ دار تصاویر یعنی بُت اور مجسمے (Statue) بنانا تو شرعاً جائز نہیں۔ لیکن غیر سایہ دار تصاویر کاغذ، کپڑے یا دیوار وغیرہ پر دستی یا کیمرہ کی مدد سے بنانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ ٹیلی ویژن اور فوٹو گرافی سے تعلق رکھنے والے اکثر لوگ اسی بنیاد پر ان چیزوں کو جائز سمجھتے ہیں۔

○ لیکن آج کل ویڈیو کیمرہ کی مدد سے بنائی جانے والی متحرک فلم کے بارے میں بعض علماء تو کہتے ہیں کہ دینی مقاصد مثلاً علماء کی تقاریر اور درسِ قرآن وغیرہ کی ویڈیو فلم بنانا جائز ہے۔ کیونکہ یہ دوسروں تک دین کی بات پہنچانے کا آسان ذریعہ ہے۔ لیکن بعض علماء اسے جائز نہیں سمجھتے۔

○ بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ ویڈیو فلم تو محض ایک عکس ہے جو سرے سے تصویر کے حکم میں ہی نہیں آتا۔ اس لیے مطلقاً ویڈیو فلم بنانا جائز ہے۔

○ نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ ساکت (Still) اور متحرک (Move) تصویر میں عملاً کیا فرق ہے۔ نیز یہ کہ پوجاپاٹ کی غرض سے بنائی جانے والی تصاویر ہی شرعاً ممنوع ہیں یا محض یادگار کے طور پر بنائی جانے والی تصاویر بھی حرام ہیں؟ جبکہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے واقعہ میں مجسمہ سازی کا ذکر بھی موجود ہے۔

○ مساجد و مدارس و دیگر وقف شدہ مقامات پر ویڈیو فلم بنانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مسجد کی بجلی بھی مفت میں استعمال کی جاتی ہو۔

(سائل: نواب احمد خان محسوز، ۹۸۔ حسن کالونی ناظم آباد کراچی)

جواب کسی جاندار کی تصویر بنانا خواہ وہ سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار، ہتھیاروں کی مدد سے دستی تصویر بنائی جائے یا کیمرہ وغیرہ جدید آلاتِ مصوری کی مدد سے بہرصورت حرام ہے۔ اور کتبِ حدیث میں حرمتِ تصویر پر بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً روایتیں موجود ہیں۔ مثلاً:

① سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ان اشد الناس عذاباً عند اللہ المصورون۔ کہ قیامت کے دن تصویریں بنانے والے سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (بخاری صفحہ ۸۸۰ و مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵ بحوالہ بخاری و مسلم)

② سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی فلیخلقوا حبۃ ولیخلقوا ذرۃ۔ کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو میری طرح پیدا کرتا ہے۔ بھلا وہ ایک دانہ تو بنا دکھائے اور ایک ذرہ تو بنا دکھائے۔ (بخاری صفحہ ۸۸۰ و مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵)

③ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل البیت فرأی صوراً فدعا بماء فجعل یمحوھا و یقول قاتل اللہ قوماً یصورون مالا یخلقون۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر میں تشریف لے گئے تو کچھ تصویریں نظر آئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر ان کو مٹا دیا۔ اور فرمایا: اللہ کی لعنت ہے اس قوم پر جو ان چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں جن کو وہ پیدا نہیں کر سکتے۔ (معجم کبیر للطبرانی جلد ۱ صفحہ ۱۶۷)

○ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصویر کسی پتھر یا دیوار پر کھدی ہوئی نہ تھی۔ بلکہ اس مکان کی دیوار یا ستون پر کسی رنگ یا ایسے مسالے سے بنائی گئی تھی جسے پانی سے مٹایا جاسکتا تھا۔ اس حدیث سے ان لوگوں کے نظریہ کا رد بھی ہوگیا جو غیر سایہ دار تصاویر کو جائز قرار دیتے ہیں۔

④ امیر المؤمنین سیدنا امام علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: انہ صنع طعاماً فدعا رسول

الله ﷺ فجاء فرأى فی البیت سترا فیه تصاویر فرجع قال فقلت، یارسول اللہ ما رجعك بابی و امی؟ قال ان فی البیت سترا فیه تصاویر وان الملائکۃ لا تدخل بیتا فیه تصاویر. کہ انھوں نے کھانا پکا کر حضرت رسول اللہ ﷺ کو بھی دعوت دی تو آپ ﷺ تشریف لے آئے۔ گھر میں آ کر دیکھا کہ اس میں تصویروں والا پردہ لٹکا ہوا ہے۔ اسی وقت آپ ﷺ واپس ہو لیے۔ تو میں نے عرض کی یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، آپ ﷺ واپس کیوں جارہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس گھر میں تصویروں والا پردہ ہے۔ اور ایسے گھر میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے جس گھر میں تصویریں ہوں۔ (مسند ابی یعلی جلد ۱ صفحہ ۳۴۳ بسند صحیح و صفحہ ۳۹۹ و ۳۴۳ جلد ۱ نسائی، ابن ماجہ، مسلم، احمد)

○ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں کسی رنگ سے یا کشیدہ کاری کے ذریعے تصاویر سے مزین پردہ لٹکا ہوا تھا۔ اور یہ تصاویر بھی غیر سایہ دار تھیں۔ جنھیں دیکھ کر حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی کے گھر میں ٹھہرنا بھی پسند نہ فرمایا۔

⑤ سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نھی (رسول اللہ ﷺ) عن ثمن الدم و ثمن الکلب و کسب البغی و لعن اٰکل الربٰوا و موکله و الواشمة و المستوشمة و المصور. کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے خون اور کتے کی قیمت اور حرامکاری کی آمدنی سے منع فرمایا ہے۔ اور سود کھانے والے، کھلانے والے، بالوں میں مصنوعی بال ملانے والی، بالوں میں مصنوعی بال ملوانے والی، اور تصویر بنانے والے پر لعنت (یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کی بد دعا) فرمائی ہے۔

(بخاری صفحہ ۸۸۰ و مسند ابی یعلی جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ بسند صحیح مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۱)

○ اس حدیث شریف میں مطلق تصویر بنانے والے کے متعلق ذکر ہوا ہے۔ خواہ وہ کسی طرح سے بھی بالارادہ تصویر بنائے۔ لیکن پانی اور آئینہ وغیرہ کے سامنے آنے والی کسی چیز کے عکس کو بالارادہ نہیں بنایا جاتا۔ البتہ کسی چیز کے عکس کو ارادۃً کسی تدبیر

سے کسی دھات، پتھر، لکڑی، کپڑا، دیوار، شیشہ، فلم، یا کمپیوٹر کی ڈسک پر محفوظ کر لیا جائے اور اسے بعد میں کسی طریقہ سے دیکھا جا سکتا ہو تو وہ عکس اگر کسی جاندار چیز کا ہوگا تو اس کا بنانا، اپنے پاس رکھنا اور اس کا دیکھنا شرعاً ممنوع ہے۔

⑥ سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تصاوير. کہ اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے جس میں کتا ہو یا تصویر۔ (مسند ابی یعلیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۰۹، ۲۱۰ بسند صحیح و مسلم و بخاری باب التصاویر صفحہ ۸۸۰، و نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۹۹)

○ اس حدیث شریف میں بھی مطلق تصویر کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے بنائی جائے۔

⑦ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی کہ اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے جس میں بت ہوں یا تصویر۔
(مسند ابی یعلیٰ جلد ۲ صفحہ ۲۰۷ بسند صحیح و موطا امام مالک، و ترمذی و قال حسن صحیح، و مسند احمد)

⑧ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الذين يصنعون هذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم احيوا ما خلقتم. تصویر بنانے والوں کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا اور انھیں کہا جائے گا کہ تم نے جو تصویریں بنائی تھیں ان میں جان ڈالو۔ (بخاری صفحہ ۸۸۰ مسند عبدالرزاق جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۸، ۳۹۹ و صحیح مسلم)

⑨ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے گئے سنا ہے: من صوّر صورة في الدنيا كلف يوم القيامة ان ينفخ فيها الروح وليس بنافخ. کہ جو شخص تصویر بنائے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا حتیٰ کہ اس میں روح پھونکے۔ اور وہ اس میں کبھی روح نہ پھونک سکے گا۔
(معجم کبیر للطبرانی جلد ۱۲ صفحہ ۲۶۳ و بخاری صفحہ ۸۸۱)

⑩ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يكن

يترك في بيته شيئا فيه تصاوير الا نقضه. کہ حضرت رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں بغیر توڑے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑتے تھے جس میں تصویریں ہوں۔ (بخاری صفحہ ۸۸۱ و مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵ بحوالہ بخاری و مصنف عبدالرزاق)

○ نیز روایت کی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان الملائكة لا تدخل بيتا فيه الصور. کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵ متفق علیہ)

(۱۱) ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: ..... ولكن لا ندخل بيتا فيه الصور. ...... لیکن ہم ایسے گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا تصویر۔ (بخاری صفحہ ۸۸۰ و مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵ بحوالہ مسلم)

(۱۲) اسی طرح امیر المؤمنین سیدنا امام عمرؓ اور

(۱۳) حضرت عمار بن یاسرؓ سے بھی مروی ہے۔

○ ان کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث اس سلسلے میں آئی ہیں۔ جو تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ جن سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ ہر جاندار کی تصویر بنانا اور ان کو اپنے پاس رکھنا حرام ہے۔ اور اس پر عذاب جہنم کی وعید آئی ہے۔

فائدہ تصویر یا بت اور مجسمہ (Statue) کی حرمت تو تواتر سے ثابت ہو گئی۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا فوٹو بھی تصویر ہی ہے یا محض عکس، جیسے آئینہ یا پانی میں انسان کو اپنا عکس نظر آتا ہے۔ جسے دیکھنا حرام نہیں ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ عکس میں انسانی عمل کا دخل نہیں ہوتا۔ اور نہ یہ کوئی مستقل چیز ہوتی ہے۔ جب کوئی چیز آئینہ کے سامنے آئے گی تو اس کا عکس آئینہ میں بھی ظاہر ہوگا۔ اور جب اسے آئینہ کے سامنے سے ہٹا لیا جائے تو آئینہ میں وہ چیز نظر نہیں آئے گی۔ اور نہ اس پر کچھ خرچ ہوتا ہے جبکہ فوٹو ایسے عکس کو کہا جاتا ہے جسے کاغذ یا فلم پر مستقلاً منتقل کرنے کے لیے کیمرہ اور دیگر آلات اور مختلف قسم کے مسالے استعمال کیے

جاتے ہیں۔ اور عرف میں اس کو تصویر کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے۔ اور جب کاغذ پر تصاویر بنانے کا آغاز ہوا تو اسے فنِ مصوری کی ترقی یافتہ صورت قرار دیا گیا۔ جس میں انسان یا کسی دوسری چیز کا عکس مستقل طور پر قائم ہو جاتا ہے۔ اور اسے ساکت (Still) کیمرہ کے ذریعے بنایا جاتا تھا۔ اس کے بعد اس فن نے مزید ترقی کی تو متحرک (Move) کیمرہ وجود میں آیا۔ جس کی مدد سے مختلف انسانی حرکات کو متحرک کیمرے پر محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ اور فلم پروجیکٹر کے ذریعے انسان کو چلتا پھرتا ہوا دیکھا جا سکتا ہے۔ اور وڈیو (Video) فلم اسی ارتقائی عمل کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہے۔ جس میں تصویر کے ساتھ ساتھ آواز بھی آتی ہے۔ اور عرف میں اسے بھی تصویر ہی کہا جاتا ہے اور یقیناً یہ تصویر ہی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن مجید ابتداء میں کاغذوں پر نہیں بلکہ پتھروں، پتوں، چمڑے، لکڑی کی چری ہوئی پھٹیوں وغیرہ پر لکھا جاتا رہا۔ پھر کاغذوں پر لکھا جانے لگا۔ پھر مطابع میں چھپنے لگا۔ باریک سے باریک، جو بطور تعویذ گلے میں لٹکایا جا سکے۔ اور موٹے سے موٹے، بیسیوں من وزنی، جنھیں سیاحوں کی دلچسپی کے لیے عجائب خانوں کی زینت بنایا جائے۔ وہ کسی نے خلوصِ نیت کے ساتھ محض رضائے الٰہی کے لیے، یا فنِ خطاطی کی خدمت کے طور پر، یا بوڑھوں کے لیے لکھا ہو، یا اپنی نیک نامی، اور شہرت کی خاطر لکھا ہو۔ وہ کسی نیک و صالح آدمی نے لکھا ہو یا کسی فاسق یا کافر نے۔ اسے سونے کی تاروں سے کشیدہ کاری کے ذریعے لکھا جائے یا سادہ روشنائی سے۔ اس کو اپنی آنکھ سے دیکھا جا سکے یا خوردبین کی مدد سے دیکھا جا سکے۔ اور اگر اسے کمپیوٹر کے ذریعے دیکھنا ممکن ہو تب بھی وہ قرآن مجید ہی کہلاتا ہے۔ اس کو بے وضو ہاتھ لگانا حرام ہے۔

○ نیز ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویر عموماً بے ڈھنگی سی ہوتی ہے۔ اس میں کسی چیز کی پہچان خوب اچھی طرح غور سے دیکھنے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ جب کہ کیمرہ کے ذریعے کھینچی ہوئی تصویر میں ہو بہو وہی چیز نظر آتی ہے جس کی تصویر لی گئی ہو، ذرہ

برابر فرق نہیں ہوتا۔ استاذی حضرت مفتی اعظم ہند کے بقول "اعلیٰ درجہ کی کامل تصویر" ہے۔ اس لیے جب حضرت نبی کریم ﷺ نے ہاتھ سے بنی ہوئی بے ڈھنگی سی تصویر کو بھی حرام قرار دیا ہے تو کیمرہ کی مدد سے بنی ہوئی "اعلیٰ درجہ کی کامل تصویر" کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر دستی تصویر کے مقابلے میں کیمرہ کے ذریعے بنائی ہوئی تصویر کے جواز کا فتویٰ دیا جانے لگے تو کوئی باغی دہشت گرد یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ کسی بے گناہ انسان کو زہر دے کر یا تیر اور تلوار سے قتل کرنا تو واقعی شرعاً حرام ہے، مگر موجودہ زمانے کے جدید ترین بارودی اور ایٹمی اسلحہ سے یا اس سے مختلف کسی اور جدید طریقے سے قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حالانکہ بے گناہ انسان کو قتل کرنا خواہ کسی طرح سے ہو حرام ہے۔ اسی طرح تصویر خواہ کسی طرح سے بنائی جائے، کسی کے حکم یا اجازت سے بنائی جائے یا بدون اجازت۔ اس تصویر کی شخصیت سے محبت ہو یا عداوت۔ وہ بہر صورت حرام اور یضاھئون بخلق اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق کی نقل اتارنے) کے زمرے میں داخل ہے۔ اور جب اس حرام کام کو نہ صرف جائز سمجھ کر کیا جائے، بلکہ اس حرام کام کا ارتکاب مسجد میں کیا جائے۔ اور اس مقصد کے لیے مسجد میں چندہ دینے والے بعض افراد کی مخالفت کو نظر انداز کرتے ہوئے مسجد کی بجلی بھی استعمال کی جاتے۔ تو اس گناہ میں مزید کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔ اس لیے کئی وجوہ سے اس کی حرمت ہاتھ کی بنی ہوئی تصویر سے بڑھ کر ہے۔ مثلاً:

① حرام کام کا قصد کرنا۔

② حرام کام کرنے والوں سے تعاون کرنا۔

③ حرام کام پر پیسہ لگانا۔

④ حرام کام کا ارتکاب مسجد میں کرنا۔

⑤ حرام کام کے لیے مسجد کی بجلی اور دیگر اشیاء استعمال کرنا۔ یعنی مال وقف کو غیر مصرف میں خرچ کرنا۔

⑥ حرام کام میں اپنے ساتھ دوسروں کو شریک کرنا۔

⑦ حرام کام کا حکم دینا۔

⑧ حرام کام پر راضی ہونا۔

⑨ حرام کام پر تبذیر یعنی فضول خرچی کرنا۔

⑩ مضاہاۃ بخلق اللہ یعنی ہو بہو خدائی صفت خلق کی نقل اتارنا۔

⑪ فرمانِ نبوی کی خلاف ورزی اور عملاً انکار جو مفضی الی الکفر ہے۔

○ پھر ٹیلویژن اور وڈیو مضاہاۃ بخلق اللہ میں کاغذ وغیرہ پر بنی ہوئی فوٹو سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کیونکہ فوٹو میں تو تصویر ساکت (Still) ہوتی ہے۔ اور وڈیو میں وہ تصویر متحرک (Move) نظر آتی ہے۔ جس کی وجہ سے آدمی چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ گویا وہ بھاگ رہا ہے، ناچ کود رہا ہے، اٹھ بیٹھ رہا ہے۔ بولتے ہوئے اسی طرح اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جس طرح واقعی یہ تصویر باتیں کر رہی ہے اور اس کی آواز بھی آتی ہے۔ اس لیے ساکت کیمرہ کی تصویر کی نسبت متحرک فلم بطریق اولیٰ حرام ہے۔ کیونکہ اس کے مضاہاۃ بخلق اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور جب سرے سے یہ کام ہی حرام ہوا تو اس کام کو شرعی کام کا ذریعہ یا پیش خیمہ بنانا بھی حرام ہوگا۔ مثلاً:

○ ایک شخص اس ارادہ سے سود یا رشوت لیتا ہے کہ میں رشوت یا سودی روپیہ سے قرآن مجید اور حدیث کی کتابیں خرید کر طالب العلموں کو دوں گا یا مسجد میں لگاؤں گا۔ یا کوئی شخص لہو و لعب کے کسی کام یا کھیل کود کا اہتمام کر کے دیکھنے والوں کو اس مقصد کے لیے ٹکٹ بیچتا ہے کہ اس سے حاصل ہونے والا پیسہ مسجد میں لگاؤں گا۔ اس طرح کی تمام صورتیں حرام ہیں۔ اسی طرح وڈیو کیمرہ کے ذریعے علماء کی تقریروں کی فلم بنانا اور ان کا دیکھنا اور سننا سب حرام ہے۔

○ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بڑے عالم کی تقریر سنانے کے لیے کسی گویے کو بھی بلائے تاکہ لوگ اس کا گانا سن کر جمع ہو جائیں گے اور پھر خوش ہو کر عالمِ دین کی

تقریر بھی سُن لیں گے تو ہوسکتا ہے لوگوں کو فائدہ ہو جائے گا۔ حالانکہ درحقیقت ایسا کام ضرر رساں ہے۔ کیونکہ:

(ضرب) جو آلہ شرعی طور پر ناجائز ہونے کے علاوہ فحش اور غیر اخلاقی فلموں کے حوالے سے پوری دنیا میں بدنام ہو اس آلہ کے ساتھ علماء کی نسبت علیم دین اور علمائے دین کی توہین ہے۔ کیونکہ پاک چیز پر نجاست لگ جائے تو وہ پاک چیز بھی پلید ہو جاتی ہے۔ اور اس کا واحد علاج یہی ہے کہ پلیدی کو ہٹایا جائے، نہ کہ پلیدی کو قائم رکھتے ہوئے بھی اسے پاک سمجھا جانے لگے۔

○ اس موقع پر میسر سے استاذ محترم معظم و مکرم مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک نہایت سبق آموز واقعہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ آپؒ نے مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت قاری محمد یوسف صاحب کو بحیثیت مجود مقرر فرمایا ہوا تھا۔ جو کہ بہت بڑے جید اور خوش الحان قاری تھے۔ اپنی اسی خوبی کے باعث انھیں آل انڈیا ریڈیو پر قرآن مجید کی تلاوت کا موقع بھی مل گیا۔ کسی جمعہ کے روز علی الصبح حضرت مفتی صاحبؒ کا گزر بازار سے ہوا، ریڈیو سے تلاوت کرتے ہوئے قاری صاحب کی آواز کانوں میں پڑ گئی۔ پھر ہفتہ کے روز جب قاری صاحب مدرسہ میں آئے تو حضرت مفتی صاحبؒ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا کل جمعہ کی صبح آل انڈیا ریڈیو سے آپ ہی کی آواز میں قرآن مجید کی تلاوت نشر کی جا رہی تھی؟۔ قاری صاحبؒ نے فرمایا: جی ہاں!۔ حضرت استاذ المکرم نے انھیں منع فرمایا۔ لیکن قاری صاحب باز نہ آئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے دوسری بار پھر قاری صاحب کو اس کام سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ یہاں تک کہ جب حضرت مفتی صاحبؒ نے تیسری بار قاری صاحب کی آواز میں آل انڈیا ریڈیو سے تلاوت سنی تو آپؒ نے قاری صاحب سے فرمایا کہ قاری صاحب! تشریف لے جائیے، آپ ہماری طرف سے فارغ ہیں۔

○ حضرت مفتی صاحبؒ کے اس رویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریڈیو پر یا اس قسم کی جدید

سائنسی ایجادات کے ذریعے قرآن مجید کی تلاوت نشر کرنا جائز نہیں جنھیں عام طور پر لہو ولعب اور گانے بجانے وغیرہ کے لیے استعمال کرنا معروف ہو۔

○ نیز وڈیو وغیرہ کے ذریعے جب لوگ کسی عالم کی تقریر سننے کا اہتمام کرتے ہیں تو لوگ یکسوئی کے ساتھ سنتے بھی نہیں۔ اس دوران آپس میں باتیں بھی کرتے رہتے ہیں۔ ان کا ذہن تجارتی اور کاروباری معاملات یا مہمانی اور مہمان نوازی وغیرہ میں الجھا رہتا ہے۔ اس لیے ان چیزوں کے ذریعے تبلیغی مقاصد حاصل کرنے کا خیال بھی بے سود محض ہے۔

خرابی نیز جب مسجد میں کسی عالم کی وڈیو فلم بنائی جاتی ہے تو کئی دیگر خرابیوں کے علاوہ ایک بڑی خرابی یہ بھی لازم آتی ہے کہ مسجد میں چندہ دینے کی مرضی معلوم کیے بغیر یا اکثریت کے بل بوتے پر تصویر کو واضح اور نمایاں کرنے کے لیے خطیب کے چہرے پر فلش گن کے ذریعے پانچ سو واٹ کی مقدار میں کئی کئی گھنٹے مسلسل تیز روشنی کی بوچھاڑ ڈالی جاتی ہے۔ حالانکہ اس طرح مسجد کی بیش قیمت بجلی کا استعمال جائز نہیں۔ کیونکہ:

○ بجلی آنے سے پہلے جب مسجد میں روشنی کے لیے چراغوں میں تیل استعمال کیا جاتا تھا تو اس تیل کو بھی چندہ دینے والوں کی اجازت کے بغیر مسجد کے خادم اور مؤذن تک کو اپنے حجرے میں استعمال کرنے کی شرعاً ممانعت کی جاتی تھی۔

جیسا کہ:

○ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک سائل کے جواب میں تحریر فرمایا کہ: "مسجد کا چراغ یا تیل حجرہ میں جلانا جائز نہیں۔ البتہ اگر تیل دینے والا صراحۃً اس کی اجازت دیدے تو اجازت دینے والے کے تیل میں سے مؤذن کو بقدرِ ضرورت حجرہ میں تیل جلانا جائز ہے اور جو اجازت نہ دے اس کے تیل میں سے جلانا جائز نہیں"۔ (دیکھیے: امداد الاحکام جلد ۱ صفحہ ۳۵۵)

○ یاد رہے کہ یہ ممنوعہ تصاویر احادیث مبارکہ کی روشنی میں اپنے حکم کے اعتبار سے عام ہیں۔ خواہ وہ مجسمہ یا بُت کی صورت میں ہوں، یعنی ان کا سایہ ہو یا غیر سایہ دار

ہوں۔ جیسے آجکل کیمرہ کے بنے ہوئے عام فوٹو ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کسی دیوار پر بنائے جائیں یا کاغذ پر، کسی کپڑے اور پردے پر ہوں یا قمیص پر، یہ تصاویر شیشے کے فریم میں لگی ہوں یا دیسے ہی پڑی رہیں۔ کسی کتاب میں مطبوعہ ہوں یا اخبار میں، وڈیو فلم ہو یا سی ڈی، جہاں جاندار کی صورت ہو وہ حرام ہوگی۔ بلکہ آجکل جو کارٹون بنائے جاتے ہیں شرعی اعتبار سے وہ بھی حرام ہیں۔ اسی طرح کسی مبلغ دین یا عالم کی تصویر اگر دعوت وتبلیغ کے بہانے سے بنائی جائے تو وہ بطریق اولیٰ حرام ہے۔ چنانچہ:

○ کتاب الحظر والاباحۃ کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۲۳۳ تا صفحہ ۲۴۶ تقریباً چودہ صفحات پر تصاویر سے متعلق فتوے منقول ہیں۔ جن میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصاویر سے متعلق کئی پہلوؤں سے کیے گئے سوالوں کے جواب تحریر فرمائے ہیں۔ اور کسی طرح بھی جاندار چیزوں کی تصاویر بنانے اور بنوانے کو جائز قرار نہیں دیا۔ البتہ پاسپورٹ کے لیے تصویر بنوانے کو آپ نے اس شرط کے ساتھ مباح لکھا ہے کہ اگر سفر ضروری ہو تو تصویر کھنچوانی مباح ہوگی ورنہ نہیں۔

○ اسی طرح ایک سائل نے حضرت مفتی اعظمؒ سے سوال کیا کہ جدید فوٹو گرافی سے جو تصویریں کھینچی جاتی ہیں ان میں آئینہ کی طرح عکس آتا ہے۔ البتہ مستقل اور غیر مستقل طور پر صورت قائم ہوجانے کا فرق ہے .... حضرت مفتی اعظمؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ تصویر بنانے اور بنوانے کی جو ممانعت ہے وہ ہاتھ سے تصویر بنانے اور بنوانے یا فوٹو کے ذریعہ سے تصویر اتارنے اور اتروانے کو شامل ہے۔ جاندار کی تصویر خواہ کسی طریقہ سے بنائی جائے تصویر کا حکم رکھتی ہے۔

○ نیز حضرت مفتی اعظمؒ نے فرمایا: بعض علماء مصر تصویر کو مباح قرار دیتے ہیں۔ بعض نصف بدن کی تصویر کو مباح بتاتے ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں یہ دونوں قول مرجوح اور بے دلیل ہیں۔ لازمی سفر کے لیے پاسپورٹ کے واسطے فوٹو مباح قرار دیا جاسکتا ہے۔

○ اب دیکھنا چاہیے کہ "لازمی سفر" سے کونسا سفر مراد ہے تو اس سلسلے میں حضرت

مفتیِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فتویٰ خوب رہنمائی کرتا ہے۔ جس میں آپؒ نے فرمایا کہ اگر: "کربلائے معلیٰ، نجفِ اشرف، بغداد، شام وغیرہ کے سفر کے لیے فوٹو کھنچوانا لازم ہے تو ان مقامات کا سفر بھی تو لازم و فرض نہیں۔ ان زیارات کو ترک کر دینا لازم ہے۔"

○ نیز ایک سوال کے جواب میں آپؒ نے تحریر فرمایا کہ: فوٹو گراف کے ذریعے سے جاندار کی تصویریں بنانا، بنوانا، اس کا پیشہ کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ فوٹو گراف کی تصویر بھی تصویر ہی ہے۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کی کامل تصویر ہے۔ اس لیے تصویر کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔

○ مصر سے واپسی اور فوٹو کا مسئلہ کے زیرِ عنوان حضرت مولانا عبدالحق مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ مہتمم مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد کے حوالہ سے علمائے مصر و مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مابین ہونے والا مکالمہ جامع و مؤلف کفایت المفتی حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن واصف مدظلہٗ نے تحفۂ کفایت المفتی میں اس طرح نقل فرمایا ہے:

○ واپسی کے وقت کافی تعداد میں علماء و عمائدینِ مصر جو پہنچانے کیلئے تشریف لائے تھے۔ مصر کے عام قاعدے کے مطابق ان کی خواہش ہوئی کہ پارٹی کا فوٹو لیا جائے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے منع فرما دیا۔ علمائے مصر کا ایک گروہ فوٹو کو جائز قرار دیتا ہے۔ ان حضرات نے بحث شروع کر دی۔ بحث مختصر مگر بہت دلچسپ تھی۔ سوال و جواب کے جملے اب تک ذہن میں ہیں۔ جہاں تک حافظہ کام کر رہا ہے، سوال و جواب کے الفاظ یہ تھے:

مصری علماء: التصویر الممنوع انما هو الذی یکون بصنع الانسان و معالجة الایدی. و هذا لیس كذلك. انما هو عكس الصورة.

ترجمہ ممنوع تو وہ تصویر ہے جو انسان کے عمل اور ہاتھوں کی کاری گری سے ہو۔ فوٹو میں کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ یہ تو صورت کا عکس ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ: کیف ینتقل هذا العكس من الزجاجة الی الورق؟

ترجمہ: یہ عکس کیمرہ کے لینس سے کاغذ پر کس طرح منتقل ہوتا ہے۔

مصری علماء: بعد عمل کثیر۔

ترجمہ: بہت کچھ کاری گری کرنی پڑتی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ: أی فرق بین معالجة الایدی وصنع الانسان والعمل الکثیر۔

ترجمہ: انسان کے عمل، ہاتھوں کی کاری گری اور بہت کچھ کاری گری میں کیا فرق ہے۔

علماءِ مصر: نعم هو شئ واحد۔

ترجمہ: کوئی فرق نہیں، سب کا ایک ہی مفہوم ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ: اذاً الحکم ایضاً واحد۔

ترجمہ: لہٰذا حکم بھی سب کا ایک ہے۔

○ علمائے مصر حضرت مفتی صاحبؒ کی حاضر جوابی سے بے حد متاثر ہوئے اور کچھ ایسے خاموش ہوئے کہ جواب نہ دے سکے۔ (تحفہ کفایت المفتی جلد ۹ صفحہ ۵۱۲)

○ مفتیِ اول دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا کہ: تصویر کھینچنا اور کھنچوانا جدید طریقہ فوٹو گرافی سے جس میں آئینہ کی طرح صورت کا عکس آتا ہے۔ غیر مستقل اور مستقل طور پر صورت قائم ہوجانے کا فرق ہے جائز ہے یا نہیں؟ اور ناجائز کیوں ہے۔ کیا مصلحت ہے۔ بصورتِ عدمِ جواز مُصوِّر (فوٹو گرافر) اور مُصوَّر (جو تصویر کھنچوائے) ان کے متعلق کیا حکم ہے۔ ایسے اشخاص کا اقتدار درست ہے؟ کیا یہ فاسق کے حکم میں داخل ہے؟ اس قسم کی تصویروں کو اپنے پاس رکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: تصویر کھینچنا اور کھنچوانا جدید طریق فوٹو سے ایسا ہی حرام اور ناجائز ہے جیسا کہ دستی تصویر کھینچنا اور کھنچوانا ممنوع اور حرام ہے۔ اور رکھنا اس کا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ دستی تصویر کا رکھنا۔ فوٹو کے ذریعہ سے تصویر کھنچوانے والا اور کھینچنے والا مستحق وسزاوار اس سزا اور وعید کے ہیں جو احادیث میں مصورین کے لیے وارد ہیں۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے۔ عبداللہ ابن مسعودؓ سے (روایت ہے): قال سمعت رسول اللّٰہ

ﷺ یقول اشد الناس عذاباً عند اللہ المصورون۔

○ دوسری حدیث یہ بیان ہے: اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ الذین یضاھئون بخلق اللہ۔ متفق علیہ۔ یہ بھی احادیث مجھ میں ہے کہ اصحاب تصاویر کو عذاب کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: احیوا ما خلقتم یعنی زندہ کرو جن کو تم نے بنایا۔

○ تیسری حدیث یعنی: الذین یضاھئون بخلق اللہ۔ دعویٰ ہمسری اور مشارکت باری تعالیٰ کا ہے۔ فقہائے احناف وغیرہم نے بھی یہی علت حرمت تصویر کی فرمائی ہے۔ علامہ شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں: و ظاھر کلام النووی فی شرح المسلم الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان مطلقاً سواء کان مما یمتھن او لغیرہ فصنعہ حرام بکل حال لان فیہ مضاھاۃ بخلق اللہ و سواء کان فی ثوب او درھم او اناء اوغیرھا۔ انتھی۔ پھر کچھ آگے فرماتے ہیں: لان علۃ حرمۃ التصویر المضاھاۃ بخلق اللہ تعالیٰ و ھی موجودۃ فی کل ما ذکر۔ انتھی۔ شامی صفحہ ۴۳۵ جلد ۱۔

○ پس جبکہ تصویر کشی حرام ہوئی مطلقاً تو مرتکب ایسے فعل کا فاسق ہے اور امام بنانا اس کا حرام ہے اور نماز اس کے پیچھے مکروہ تحریمی ہے۔ ھکذا فی الشامی وغیرہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (کتاب الحظر والاباحۃ عزیز الفتاویٰ صفحہ ۴۲۲، ۴۲۳)

○ تصویر اور فوٹو میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی زید مجدہ فرماتے ہیں کہ حکم کے اعتبار سے ہر دو میں کچھ فرق نہیں۔ فوٹو بالکل تصویر کے حکم میں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ جلد ۵ صفحہ ۹۰)

○ نیز آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے۔ خواہ لکڑی، مٹی، لوہا، سونا وغیرہ کسی مادہ کو بنائی جائے یا قلم سے کسی کاغذ یا تختی پر بنائی جائے۔ یا مشین سے عکس لیا جائے۔ کسی طرح اجازت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ جلد ۵ صفحہ ۱۱۱)

○ نیز ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا: جاندار کی تصویر خواہ دیوار پر بنائی

جائے خواہ کاغذ پر خواہ کپڑے پر، چاہے قلم سے بنائی جائے یا مشین سے یا کسی اور آلہ سے یک دم بنالیا جائے، یا ایک ایک عضو الگ الگ بنایا جائے۔ کپڑے کی بناوٹ میں ہو یا کسی اور چیز کی بناوٹ میں بہر صورت ناجائز اور گناہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ جلد ۵ صفحہ ۱۳۶)

○ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تصویر خواہ مجسمہ کی شکل میں ہو یا ویسے ہی کیمرہ وغیرہ کے ذریعے کاغذ پر رقم ہو یا پردے پر رقم ہو۔ فوٹو آدمی کا ہو یا کسی اور ذی روح چیز کا، عام آدمی کا ہو یا عالم و امیر کا۔ تمام حرمت کے لحاظ سے برابر ہیں۔ بلکہ علماء و امراء کی تصاویر زیادہ فتنے کا باعث بنتی ہیں۔ کیونکہ لوگ ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کے قلوب و اذہان میں ان کے متعلق خاص عقیدت و عظمت ہوتی ہے۔ اس طرح ان کی تصویر کو بڑی توقیرانہ نظر سے دیکھیں گے۔ اسی احترام کے پیش نظر محافل و مجالس میں بڑے بڑے قد آور فوٹو نصب کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ یہی وہ ذریعۂ شرک ہے جس سے قوم نوح گمراہ ہوئی تھی۔ چونکہ اس سے عبادت لغیر اللہ کا دروازہ کھلتا ہے، اس لیے یہ "حسن عقیدت" نہایت سنگین جرم اور بدترین فعل ہے۔ اور اس کی حرمت دوسروں کی نسبت زیادہ ہے۔ (تصویر کشی کی شرعی حیثیت صفحہ ۲۲ و ۲۳۔ مترجم اردو عبدالستار الحماد راجووال ضلع ساہی وال)

○ نیز شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے تصویر کشی کا حکم دیا، یا اس پر راضی ہوا، اس کا حکم بھی وہی ہے جو تصویر کشی کرنے والے کا ہے۔ اور وہ بھی اسی طرح سخت وعید کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک شرعی قانون ہے کہ: کسی گناہ کا حکم دینا، یا اس پر راضی ہونا اسی طرح حرام ہے جس طرح اس کا کرنا غیر شرعی ہے۔

○ اپنے اس موقف کا اظہار فرمانے کے بعد سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت کریمہ دلیل کے طور پر پیش فرمائی:

تشریح وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ. (۴: ۱۴۰)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں آپ ﷺ پر یہ فرمان نازل ہو چکا ہے کہ جب آپ ﷺ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر اور تمسخر ہوتا ہوا سنیں تو ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ کیونکہ اس حالت میں یقیناً آپ ﷺ بھی انہی جیسے ہو جائیں گے۔

○ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ : یہ آیت واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ جو انسان برائی کو دیکھ کر اس سے اعراض نہیں کرتا، وہ برائی کرنے والے ہی کی طرح ہے۔

○ آپؒ نے مزید فرمایا کہ : جب برائی کو دیکھ کر خاموش رہنے والے کا حکم یہ ہے تو برائی کا حکم اس پر راضی ہونے یا خاموش ہو جانے سے بڑھ کر ہے۔

اشکال حدیث شریف میں ہے کہ حضرت بسر بن سعید فرماتے ہیں : اشتكى زيد فعدنا فاذا على بابه ستر فيه صور. (صحیح بخاری صفحہ ۸۸۱) کہ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو ہم ان کی عیادت کے لیے گئے۔ اور ان کے دروازے پر ایک ایسا پردہ لٹکا ہوا دیکھا جس میں کچھ تصویریں تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابیِ رسول حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ دروازے پر تصویر دار پردہ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

جواب علمائے کرام نے اس اشکال کے کئی جواب دیے ہیں۔ مثلاً :

① مطلق تصویر ممنوع نہیں۔ بلکہ ذی روح کی تصویر ممنوع ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کے پردہ پر غیر ذی روح کی تصاویر تھیں۔ اور حضرت بسر بن سعید نے حرمتِ تصویر سے مطلق تصویر سمجھا۔ اور اسے بھی برا جانا۔

② ذی روح کی تصویر حرام ہے۔ لیکن سر بریدہ تصویروں کی ممانعت نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس پردہ پر ذی روح کی تصویریں ہی تھیں تو کہا جا سکتا ہے کہ جب

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ ﷺ کی معصوم زبان مبارک سے حرمتِ تصویر کا حکم سنا تو انھوں نے ان تصاویر سے سر والا حصہ کاٹ دیا۔ اور جب سر والا حصہ قائم رکھا جائے اور دھڑ کاٹ دیا جائے تو اس کی حرمت قائم رہتی ہے۔ کیونکہ چہرہ کی موجودگی میں تصویر کی بناوٹ اور اس کے حسن و جمال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگرچہ باقی بدن کا حصہ معدوم ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ کیونکہ احادیثِ صحیحہ حرمتِ تصویر کی عام ہیں۔ اور تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

(۴) اور یہ واقعہ حضرت امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ ۳۶۴ پر حضرت زید بن خالد سے نقل کرنے کے بعد اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کے استاذ حضرت ابو طلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا کہ وہ بیمار ہو گئے تھے تو حضرت عُبیداللہ بن عبداللہ بن عُتبہ اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہما ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت ابو طلحہؓ کے نیچے تصویر دار کپڑا تھا، تو حضرت ابو طلحہؓ نے خود فرمایا کہ یہ کپڑا میرے نیچے سے کھینچ کر ہٹا دو۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اے ابو طلحہؓ! آپ نے نہیں سنا کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ نے تصویر سے منع فرمایا تھا تو اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا تھا: الا رقما فی الثوب۔ یعنی نیچے بچھائے ہوئے کپڑے پر جو نقش ہو اور وہ پاؤں تلے روندا جاتا ہو تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت ابو طلحہؓ نے فرمایا کہ میں اس کو بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ اس لیے میرے نیچے سے یہ کپڑا ہٹا دو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہ اس کو اچھا تو نہیں سمجھتے تھے مگر حرام بھی نہ سمجھتے تھے۔

(۵) حضرت امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ میں اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: انما هو فعل ابی طلحة و قد یجوز ان یکون النبی لم یُوقفه۔ کہ حضرت ابو طلحہؓ کا اس فعل (یعنی تصویر دار پردہ لٹکانے) کا تعلق حضرت نبی کریم ﷺ کے دور سے ہے۔ لیکن اس کا علم آپ ﷺ کو نہیں ہوا۔ جیسا کہ آپ ﷺ

دور میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسے عمل بھی ثابت ہیں جن کا علم آپ ﷺ کو نہیں ہوسکا۔ مثلاً:

○ آپ ﷺ کے دور میں ایک چھ سات سال کا بچہ نماز پڑھایا کرتا تھا جو سجدہ میں جاتے وقت ننگا ہو جاتا تھا۔ تو اس حدیث سے یہ مفہوم نکالنا غلط ہے کہ امام صاحب کا ستر کھل جائے یا نابالغ بچہ جماعت کرالے تب بھی مقتدیوں کی نماز ہو جاتی ہے۔

○ اسی طرح حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا تصویر دار پردہ پر لیٹنے سے اس کا جواز نہیں سمجھا جاسکتا۔ خصوصاً جب کہ حرمت تصویر بلا استثناء تواتر سے ثابت ہو چکی ہے۔

○ نیز قبل ازیں کئی احادیث ایسی گزر چکی ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کو علم ہوا تو جس صحابی کے یہاں آپ ﷺ نے کوئی تصویر دار پردہ یا اور کسی صورت میں کسی جاندار کی تصویر دیکھی تو آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا اور ایسے گھروں میں داخل ہونے سے بھی انکار فرمادیا جہاں تصاویر موجود پائیں۔

سوال بخاری و مسلم میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی سہیلیوں سمیت اپنی گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ حضرت رسول اللہ ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو وہ سہیلیاں ڈر کر بھاگ جاتیں۔ آپ ﷺ ان کو لاتے' تاکہ وہ میرے ساتھ کھیلیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گڑیاں بنانا اور ان سے کھیلنا جائز ہے۔ جب گڑیاں بنانا اور ان سے کھیلنا جائز ہوا تو تصویر اور فوٹو بنانا بھی جائز ہوگا۔ جبکہ حضرت علامہ حافظ ابن حجر کنانی عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فتح الباری شرح صحیح البخاری میں تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث سے گڑیاں بنانے اور ان سے کھیلنے کا جواز ملتا ہے۔ اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ لڑکیوں کو سکھانے کے لیے کھلونوں کی خرید و فروخت جائز ہے۔ تاکہ بچیاں صغر سنی میں ہی امور خانہ داری سے آگاہ ہو جائیں۔

جواب حضرت علامہ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان احادیث کی تخریج کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ جاندار چیز کی تصویر رکھنا اور بنانا منع ہے۔ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

کے لیے جو رخصت تھی وہ حرمت سے پہلے تھی۔ حضرت محدث ابن بطال کی رائے بھی یہی ہے۔

- نیز حضرت ابن ابی زید نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت بیان کی ہے کہ وہ (امام مالکؒ) اس قسم کی خرید و فروخت کو مکروہ (تحریمی) سمجھتے تھے۔ اسی طرح داؤدی نے بھی اس کے منسوخ ہونے کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ:
- ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۹ھ ہجری میں تبوک کے) سفر سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے گڑیوں کے ساتھ کھیلنے سے منع فرمایا۔ (دیکھیے: نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ و بخاری صفحہ ۸۸۲)
- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے گڑیوں سے کھیلنے کی ممانعت کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔ اور اس فرمان نبویؐ سے اباحت سابقہ کا حکم منسوخ ہو جانے کے باعث، حرمت کا حکم ناسخ قرار پائے گا۔ کیونکہ اصولِ حدیث کا:

قانون ہے کہ: "<u>حرمت کو اباحت پر ترجیح ہوتی ہے</u>"۔

- نیز یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچیاں بھی اگرچہ مکلف نہیں لیکن اس حکم حرمت میں وہ بھی برابر شریک ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کا فرض ہے کہ بچوں کو ایسے کھلونے خرید کر نہ دیں جو کسی جاندار کی شکل پر بنائے گئے ہوں۔ خواہ ان کی شکل بگاڑ کر کارٹون کا نام دیدیا گیا ہو۔ اور اگر ایسی چیز کہیں سے بچوں کے ہاتھ لگ جائے تو ماں باپ اور بزرگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی چیز کو بچے سے لے کر توڑ پھوڑ دیں۔ اور ایسی چیزیں خریدنے کے لیے بچوں کو پیسے بھی نہ دیں۔
- گو کہ بچے شرعی احکام (اوامر و نواہی) کے مکلف نہیں ہوتے لیکن بعض امور ایسے ہیں کہ بچوں کو بھی ان کی پابندی کا حکم دیا جاتا ہے۔ مثلاً:
- بچے کو کھڑے ہو کر یا قبلہ رخ بیٹھ کر پیشاب کرنے سے منع کرنا ماں باپ پر ضروری ہے۔ اور فقہاء کرامؒ نے فرمایا ہے کہ ماں اپنے شیر خوار بچے کو قبلہ رخ بٹھا کر پیشاب نہ کرائے۔

○ اسی طرح لڑکے کو ریشمی کپڑا اور سونے کی انگوٹھی وغیرہ پہنانے کی بھی ممانعت ہے۔

○ اسی طرح داہنے ہاتھ سے کھانے کی ترغیب دینا؟ اوندھے ہو کر لیٹنے سے منع کرنا اور گندے کاموں سے عار دلانا ماں باپ پر ضروری ہے۔

○ اسی طرح نابالغ بچے پر نماز فرض نہیں۔ مگر ماں باپ کو حکم ہے کہ سات سال کے بچے کو نماز پڑھنے کا حکم دیں۔ پھر جب بچہ دس سال کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو مار کر نماز پڑھوائی جائے۔

مغالطہ عامۃ الورود کا ازالہ

○ عام طور پر چھوٹے بچوں کو مٹی، لکڑی کپڑے وغیرہ سے اوٹ پٹانگ قسم کی بے ڈھنگی سی گڑیاں بنا کر کھیلنے اور پھر اس کی ممانعت ہو جانے کا مطلب تصاویر کی حرمت کو شریعت اسلامیہ محمدیہ ﷺ کا مخصوص حکم قرار دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں تصاویر ممنوع نہیں تھیں۔ صرف شریعت محمدیہ ﷺ میں حرام ہوئی ہیں۔ اور دلیل کے طور پر سورۂ سبا کی آیت:
يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ (۳۴ : ۱۳) پیش کی جاتی ہے۔ اور اس کے معنے عام طور پر اس طرح کیے جاتے ہیں کہ: "وہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ایسی ایسی چیزیں بنا بنا کر دیتے جو انھیں بنانا منظور ہوتیں۔ مثلاً بڑی بڑی عمارتیں قلعے اور مسجدیں اور مجسمے اور لگن جیسے حوض اور بڑی بڑی دیگیں جو بھاری ہونے کی وجہ سے ایک ہی جگہ جمی رہیں اور چولھے سے نہ ہٹائی جائیں"۔ مگر یہ بات منظور فیہ ہے۔ کیونکہ:

○ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کسی آسمانی شریعت کے پوجا پاٹ کی غرض سے یا ویسے ہی محض یادگار کے طور پر مجسمے مورتیاں اور تصویریں بنانے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ تورات شریف میں جہاں پوجا پاٹ کی غرض سے تصویر کشی اور بت تراشی کو حرام قرار دیا گیا ہے وہاں مطلق تصویر سازی کو بھی ممنوع اور حرام کہا گیا ہے۔ چنانچہ تورات شریف میں ہے:

① لَا تَصْنَعْ لَكَ تِمْثَالًا مَنْحُوتًا وَلَا صُوْرَةً مَّا مِمَّا فِي السَّمَاءِ مِنْ فَوْقُ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ تَحْتُ وَمَا فِي الْمَاءِ مِنْ تَحْتِ الْأَرْضِ لَا تَسْجُدْ لَهُنَّ وَلَا تَعْبُدْهُنَّ لِأَنِّي أَنَا الرَّبَّ إِلٰهَكَ إِلٰهٌ غَيُورٌ ○ تو اپنے لیے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا" اور نہ ان کی عبادت کر کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔ (خروج ۲۰ : ۴-۵ و استثناء ۵ : ۸-۹)

② قَالَ الرَّبُّ لِيْ قُمِ انْزِلْ عَاجِلًا مِنْ هُنَا لِأَنَّهُ قَدْ فَسَدَ شَعْبُكَ الَّذِيْ أَخْرَجْتَهُ مِنْ مِصْرَ زَاغُوْا سَرِيْعًا عَنِ الطَّرِيْقِ الَّتِيْ أَوْصَيْتُهُمْ صَنَعُوْا لِأَنْفُسِهِمْ تِمْثَالًا مَسْبُوْكًا ○ اور خدا نے مجھ سے کہا اُٹھ جلد یہاں سے نیچے جا۔ کیونکہ تیرے لوگ جن کو تُو مصر سے نکال لایا ہے بگڑ گئے ہیں۔ وہ اس راہ سے جس کا میں نے ان کو حکم دیا جلد برگشتہ ہو گئے اور اپنے لیے ایک مورت ڈھال کر بنالی۔ (استثناء ۹ : ۱۲)

③ وَتَهْدِمُوْنَ مَذَابِحَهُمْ وَتُكَسِّرُوْنَ أَنْصَابَهُمْ وَتُحْرِقُوْنَ سَوَارِيَهُمْ بِالنَّارِ وَتُقَطِّعُوْنَ تَمَاثِيْلَ آلِهَتِهِمْ وَتَمْحُوْنَ اسْمَهُمْ مِنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ ○ تم ان کے مذبحوں کو ڈھادینا۔ اور ان کے ستونوں کو توڑ ڈالنا۔ اور ان کے دیوتاؤں کی کھدی ہوئی مورتوں کو کاٹ کر گرادینا۔ اور اس جگہ سے ان کے نام تک کو مٹا ڈالنا۔ (استثناء ۱۲ : ۳)

④ وَلَا تُقِمْ لَكَ نَصَبًا الشَّيْءَ الَّذِيْ يُبْغِضُهُ الرَّبُّ إِلٰهُكَ ○ "نہ اپنے لیے کسی طرح کی مورت بنانا کیونکہ اس سے خداوند تیرا خدا نفرت رکھتا ہے"۔ (استثناء ۱۶ : ۲۲)

⑤ فَيَصْرَخُ اللَّاوِيُّوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ لِجَمِيْعِ قَوْمِ إِسْرَائِيْلَ بِصَوْتٍ عَالٍ مَلْعُوْنٌ الْإِنْسَانُ الَّذِيْ يَصْنَعُ تِمْثَالًا مَنْحُوْتًا أَوْ مَسْبُوْكًا رِجْسًا لَدَى الرَّبِّ عَمَلَ يَدَيْ نَحَّاتٍ وَيَضَعُهُ فِي الْخَفَاءِ وَيُجِيْبُ جَمِيْعُ الشَّعْبِ وَيَقُوْلُوْنَ آمِيْنَ ○ "اور بنی لاوی مخاطب ہو کر بنی اسرائیل کے سارے مردوں کو بلند آواز سے کہیں کہ اس شخص پر جو اپنے ہاتھوں کی کاری گری سے کھود کے' یا ڈھال کے بت

بنائے جس سے خداوند کو نفرت ہے، اور اسے پوشیدہ مکان میں رکھے لعنت ہے۔ تب ساری جماعت جواب دے کے کہے آمین"۔ (استثنا ۲۷: ۱۵)

⑥ وَتَمْحُوْنَ جَمِيْعَ تَصَاوِيْرِهِمْ وَتُبِيْدُوْنَ كُلَّ أَصْنَامِهِمُ الْمَسْبُوْكَةِ ○ ان کی مورتیں فنا کردو اور ان کے ڈھالے ہوئے بتوں کو نابود کردو۔ (گنتی ۳۳: ۵۲)

⑦ لَا تَصْنَعُوْا لَكُمْ أَوْثَانًا وَلَا تُقِيْمُوْا لَكُمْ تِمْثَالًا مَنْحُوْتًا أَوْ نَصَبًا وَلَا تَجْعَلُوْا فِيْ أَرْضِكُمْ حَجَرًا مُصَوَّرًا لِتَسْجُدُوْا لَهُ لِأَنِّيْ أَنَا الرَّبُّ إِلٰهُكُمْ ○ "تم اپنے لیے بتوں کو یا کسی تراشی ہوئی مورت کو نہ بناؤ۔ اور نہ پوجنے کی لاٹ کو کھڑا کرو۔ اور نہ اپنے لیے صورت دار پتھر اپنے ملک میں قائم کرو"۔ (احبار ۲۶: ۱)

⑧ اَلَّذِيْنَ يُصَوِّرُوْنَ صَنَمًا كُلُّهُمْ بَاطِلٌ ○ جو لوگ تصویریں بناتے ہیں سب کے سب باطل ہیں (یسعیاہ ۴۴: ۹)

⑨ بَلِيْدٌ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ مَعْرِفَتِهِ خَزِيَ كُلُّ صَائِغٍ مِنَ التِّمْثَالِ لِأَنَّ مَسْبُوْكَهُ كَذِبٌ وَلَا رُوْحَ فِيْهِ هِيَ بَاطِلَةٌ صَنْعَةُ الْأَضَالِيْلِ فِيْ وَقْتِ عِقَابِهَا تَبِيْدُ ○ ہر ایک آدمی حیوان کی مانند اور بے دانش ہے۔ ہر ایک ٹھٹھیرا مورت سے شرمندہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ صورت جو اس نے ڈھالی ہے سو جھوٹی ہے۔ ان میں دم نہیں۔ بلکہ ہنسی ٹھٹھے کی چیز۔ بدلا لینے کے وقت وہ نابود ہوں گے۔ (یرمیاہ ۱۰: ۱۴)

⑩ وَالنَّاجُوْنَ مِنْكُمْ يَذْكُرُوْنَنِيْ بَيْنَ الْأُمَمِ الَّذِيْنَ يُسْبَوْنَ إِلَيْهِمْ إِذَا كَسَرْتُ قَلْبَهُمُ الزَّانِيَ الَّذِيْ حَادَ عَنِّيْ وَعُيُوْنَهُمُ الزَّانِيَةَ وَرَاءَ أَصْنَامِهِمْ ○ اور وہ جو تم میں سے بچ رہیں گے ان قوموں کے درمیان جہاں جہاں وہ اسیر ہو کے جائیں گے مجھ کو یاد کریں گے۔ جب میں ان کے زناکار دلوں کو جو مجھ سے دور ہوتے اور ان کی زناکار آنکھوں کو جو بتوں کی پیروی میں ہوئیں شکستہ کروں گا۔ (حزقی ایل ۶: ۹)

○ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے براہِ راست شاگردوں میں سے ایک مشہور حواری یوحنا نے ایک خط کے آخر میں نصیحت کی: أَيُّهَا الْأَوْلَادُ احْفَظُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ الْأَصْنَامِ ○ کہ اے بچو! اپنے آپ کو بتوں سے بچائے رکھو۔ (یوحنا کا پہلا عام خط)

- یاد رہے کہ تورات شریف سے پہلے بھی کسی آسمانی کتاب یا صحیفے میں تصویر کشی کی اجازت ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ:
- حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے مجسمہ بنانے یا تصویر کشی کا تصور بھی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام سے کچھ مدت قبل مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کے پانچ برگزیدہ بندے ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر ایک ہی ماہ میں فوت ہو گئے تو ان کے ارادت مند ان کی وفات سے بہت پریشان ہوئے۔ تو شیطان نے ان بزرگوں کے پیروکاروں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ یہ بزرگ جہاں جہاں عبادت الٰہی میں مصروف رہے تھے ان مقامات پر ان بزرگوں کے مجسمے بنا کر رکھو۔ اور ان مورتیوں کے نام بھی ان بزرگوں کے نام پر رکھے جائیں۔ لوگوں نے محض یادگار کے طور پر ان صالحین کے مجسمے بنا لیے۔
- حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس موقع پر ان مورتیوں کی عبادت نہیں کی گئی بلکہ وہ مورتیاں محض یادگار کے طور پر قائم کی گئیں، اور یہ مورتیاں اپنے مکھی کی صورت پر تھیں۔ اور پھر جب ان بزرگوں کی یادگار کے طور پر مورتیاں بنانے والی یہ نسل مر گئی اور ان کے بعد مدت دراز گزر گئی اور نئی نسل کے لوگوں کو بوجہ جہالت ان مورتیوں کی اصلیت کا علم نہ رہا، تو اس نئی نسل کے جاہلوں نے ان یادگاروں کے ساتھ ایسے ایسے تعظیمی کام شروع کر دیے جن کا تعلق عبادت سے ہے۔ (دیکھیے: بخاری صفحہ ۷۳۲)
- یہ روایت جس کا مفہوم یہاں بیان کیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت قتادہؒ، ضحاکؒ، عکرمہؒ اور ابن اسحاقؒ وغیرہم سے بھی مروی ہے۔
- نیز ابن جریرؒ نے حضرت محمد بن قیس تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وہ صالح اہل اللہ تھے جو حضرت آدم اور حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیانی دور میں ہو گزرے ہیں۔ ان بزرگوں کے مریدین ان کی زندگی میں عبادت و ریاضت وغیرہ امورِ دینیہ میں ان کی پیروی اور اقتدار کیا

کرتے تھے۔ پھر ان بزرگ ہستیوں کے فوت ہو جانے کے بعد ان بزرگوں کے مریدین و خلفاء کہنے لگے کہ اگر ہم اپنے پیروں اور شیوخ کی تصاویر بنا کر سامنے رکھ لیں اور ان بزرگوں کی تصویروں کی زیارت کیا کریں گے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زیادہ مزہ آئے گا اور عبادت کا شوق بڑھے گا۔ پس ان مریدین نے اسی نیت و ارادے سے پتھروں پر اپنے پیروں کی تصویریں بنائیں۔ پھر جب یہ لوگ بھی مر گئے اور کافی عرصہ گزر گیا تو ابلیس نے بعد میں آنے والی نسلوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ تمہارے بزرگ ان پیروں کی مورتیوں کی تعظیم کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ انھیں بارش دیتا تھا۔ یعنی ان لوگوں میں مشہور تھا کہ وہ بزرگ لوگ جن کی یہ مورتیاں بنی ہوئی ہیں جب یہ دعا کرتے تھے تو بارش ہوتی تھی۔ پس ابلیس نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تمہارے باپ دادا جب ان مورتیوں کے سامنے التجا کرتے تھے تو بارش برستی تھی یعنی وہ ان کے آگے التجا کرتے تھے اور یہ پیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اب بھی دعا کرتے ہیں تو بارش ہوتی ہے۔ لہٰذا تم بھی انہی کے سامنے التجا کرو اور ان کی تعظیم کرو تو تم کو بھی ملے گا۔

○ نیز مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کے سوا ر دوسروں یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو اپنے عقیدہ میں حاجت روا، مشکل کشا اور کارساز سمجھا اور اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت نوح علیہ السلام سے اختلاف کیا۔ آخر کار پانی میں غرق ہو کر برزخی آگ میں داخل کیے گئے۔ اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن پنج تن کا کچھ وجود سمجھتے تھے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ان پیارے ولیوں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو اپنا کارساز سمجھتے تھے ان پنج تن میں سے کسی ایک کو بھی کارساز نہ پایا کہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچتا اور ان کو عذابِ الٰہی سے بچاتا۔ اور جو لوگ پنج تن کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ کو کارساز سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں بچا لیا۔

○ اس واقعہ سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ جن لوگوں نے ان پانچ

صابئین کی مورتیاں بنائی تھیں وہ محض یادگار کے طور پر تھیں۔ اور یہ کہ یہی مورتیاں آگے چل کر غیر اللہ کی عبادت کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادیان سماوی میں کسی طرح سے بھی مورتیوں کے بنانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہر دین سماوی میں مورتیاں بنانا ایک قبیح فعل رہا ہے۔ خواہ وہ مورتیاں پوجاپاٹ کی غرض سے بنائی جائیں یا محض یادگار کے طور پر۔ وہ مورتیاں نیک وصالح بندوں کی ہوں یا بدکاروں کی۔ آخر کار شرک کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ:

کتاب السیر کے حوالے سے سید امیر علی ملیح آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر مواہب الرحمٰن پارہ ۲ صفحہ ۳۰۷ میں تحریر فرمایا ہے کہ اساف ونائلہ مرد اور عورت تھے۔ اور قریش میں بہت نیک مشہور تھے۔ ان دونوں نے کعبہ کے اندر باہم زنا کیا۔ پس مسخ کرکے پتھر کر دیے گئے۔ پس قریش نے کعبے کے اندر سے نکال کر ان کو کعبہ کے سامنے رکھ دیا تھا تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ پھر جب زمانہ دراز گزر گیا تو ذریات اور اولاد ان کی پرستش کرنے لگے۔ پھر دونوں کو صفا و مروہ پر اٹھا لائے اور یہاں نصب کیا۔ اور صفا و مروہ کی سعی میں انھیں کو استلام کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو عمرو بن لحئی نے صفا و مروہ پر لا کر رکھا تھا۔ اور شعبیؒ نے کہا کہ صفا پر اساف تھا اور مروہ پر نائلہ تھی۔ اور جاہلیت میں لوگ طواف کے دوران انھی دونوں کو چوم کر جاتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو انبیاء کرام علیہم السلام کے جد امجد تھے۔ انھی کی اولاد میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام بھی تھے۔ وہ حلفاً کہتے ہیں: تاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین (۲۱: ۵۷) اللہ تعالیٰ کی قسم میں تمھارے ان بتوں کی گت بناؤں گا جب تم ان کے پاس سے چلے جاؤ گے۔ چنانچہ: فجعلھم جذاذاً۔ انھوں نے ان بتوں کو ہتھوڑے سے توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر بھی دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت بھی موسوی شریعت ہی تھی۔ وہ بھی تورات شریف پر ہی عمل کرتے کراتے تھے۔ اس لیے یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ تورات شریف

پر عمل کرنے کے باوجود بت تراشی یا تصویر کشی کو جائز سمجھتے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ آپؑ کسی جن یا انسان کو بُت تراشی یا تصویر کشی کا حکم دیتے ہوں۔

○ اور سلاطین کی پہلی کتاب باب گیارہ میں جو یہ لکھا ہے: "جب سُلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی جوروؤں نے اس کے دل کو غیر معبود کی طرف مائل کیا"۔ سو یہ صریح اور فحش غلطی ہے۔ اور نبی بن نبی حضرت سُلیمان علیہ السّلام پر بہتانِ عظیم ہے۔ جو یہود کی پُرانی عادت چلی آرہی ہے۔ حتیٰ کہ اپنے اولوا العزم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر بھی بہتان تراشی سے باز نہ آئے۔ اور آپؑ کو کئی طرح سے ایذائیں دیں۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔ اور ہم مُسلمانوں کو متنبہ کیا: یاایھا الذین اٰمنوا لا تکونوا کالذین اٰذوا موسیٰ (الآیۃ) مومنو! ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو ایذا دیتے رہے۔ حضرت سُلیمان علیہ السّلام پر بُت تراشی یا تصویر کشی کا الزام غلط تھا۔

○ اور قرآن مجید میں جو آیا ہے: یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (۳۴ : ۱۳) اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ پہلے زمانے میں تصویر کشی جائز تھی۔ جیسا کہ حضرت امام ابوبکر رازی جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۳۵۹ میں فرمایا ہے: یدل علی ان عمل التصاویر کان مباحًا و ھو محظور فی شریعۃ النبی ﷺ یعنی یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ تصویر کشی مباح تھی اور شریعت محمدیہ میں ممنوع قرار دی گئی۔

○ محمد بن یوسف ابوحیان اندلسی غرناطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے البحر المحیط جلد ۷ صفحہ ۲۶۵ میں فرمایا ہے: حکی مکی فی الھدایۃ ان قومًا اجازوا التصاویر و حکاہ النحاس عن قوم و احتجوا بقولہ تعالیٰ و تماثیل قالہ ابن عطیہ۔ یعنی مفسر ابن عطیہؒ نے کہا ہے کہ ہدایہ میں مکی نے ایک بات نقل کی ہے کہ ایک قوم نے اللہ تعالیٰ کے کلام و تماثیل سے دلیل پکڑتے ہوئے تصویروں کو جائز قرار دیا۔ اور نحاس نے بھی یہی نقل کیا ہے۔

○ پھر فرماتے ہیں کہ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے ائمۂ علم میں سے کوئی ایسا نہیں جو تصاویر کو جائز کہے۔

○ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی روح المعانی میں یہی بات نقل کرکے فرمایا: فلا یلتفت الی ھذا القول و لا یصح الاحتجاج بالآیۃ۔ یعنی اس بات کی طرف التفات ہی نہ کی جائے اور نہ ہی اس آیت سے تصویر کشی کے جواز کی دلیل پکڑنا صحیح ہے۔ اس کے بعد سید صاحبؒ نے ایک لطیفہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ مجسمے انبیاءؑ ملائکہؑ اور صالحینؒ کے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء سے ان میں جان پڑ گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد سید صاحبؒ نے فرمایا: ھذا من اعجب العجاب ولا ینبغی اعتقاد صحتہ وما ھو الا حدیث خرافۃ۔ یعنی یہ کہانی بہت ہی عجیب و غریب ہے۔ ناقابلِ یقین ہے۔ یہ محض خرافات اور لغو روایت ہے۔

○ اصل بات یہ ہے کہ بے شک اکثر مفسرین اور مترجمین نے تماثیل کے معنے مجسمے اور تصاویر کے لیے ہیں۔ مگر آیت کے سیاق و سباق میں جو چیزیں ذکر کی گئی ہیں ان کو سامنے رکھ کر مجسمہ اور تصویر والا معنیٰ کسی صورت میں نہیں سجتا۔ چہ جائیکہ پیغمبر خدا کی خاطر مجسمے یا تصویریں بنائی جائیں۔ کیونکہ پیغمبر تصویر یا مجسمہ بنواتا نہیں ہے بلکہ پیغمبر تو بت شکن ہوتا ہے۔

○ تمام انبیاء کرام علیہم السلام مسئلۂ توحید سمجھانے کے لیے آئے تھے۔ بت توڑنے اور تڑوانے آئے تھے۔ نہ کہ بت بنوانے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے موقع پر بت توڑے تھے اور کعبہ شریف سے باہر پھنکوا دیے تھے۔ حتیٰ کہ خود بت شکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصویریں بھی دیکھیں اور ان کو (پانی سے) مٹوا دیا۔

○ اب رہا تماثیل کا لفظ جو قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس کا ایک معنی تو مورتیاں اور بت بھی صحیح ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اصنام پر تماثیل کا اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ:

- قرآن مجید میں ہے : إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ (۲۱ : ۵۲) یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے اور اپنی برادری سے فرمایا تھا کہ یہ کیا تماثیل (واہیات مورتیاں) ہیں جن کی عبادت اور پوجاپاٹ پر تم جمے بیٹھے ہو۔

- مگر سورۂ سبا میں جو تماثیل کا لفظ ہے وہاں یہ معنی مراد نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کا یہ قانون اور قاعدہ کلیہ نہیں کہ ایک لفظ کسی جگہ ایک معنے میں استعمال ہوا ہو تو سارے قرآن مجید میں وہ لفظ اسی معنے میں استعمال ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں کئی الفاظ ایسے ہیں جن کے معنے مختلف مقامات میں موقع کی مناسبت کے لحاظ سے الگ الگ لیے جاتے ہیں۔ مثلاً :

- "احصان" کے چار معنے ہیں۔ اور قرآن مجید میں مختلف جگہوں میں یہ لفظ چاروں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

- اسی طرح "فحشاء" کے معنے قرآن مجید کے اکثر مقامات پر "بے حیائی" کے آئے ہیں۔ مگر الشیطان یعدکم الفقر ویأمرکم بالفحشاء (۲ : ۲۶۸) میں "فحشاء" بمعنی "بخل" ہے۔ "بے حیائی" کے معنے نہیں۔ اور اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ : "شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا اور بخل کا مشورہ دیتا ہے"۔

- اسی طرح قرآن مجید میں ہر جگہ "خلق" بمعنی "پیدا کرنا" عدم سے وجود میں لانا" کسی مادہ اور کسی سابق نمونہ کے بغیر چیز کا بنانا ہے۔ مگر انی اخلق لکم من الطین (۳ : ۴۹) میں "خلق" کے معنے ہیں : "شکل بنانا"۔ اس آیت میں "خلق" کا معنیٰ "پیدا کرنا" نہیں ہیں۔ اور یہ شکل بنانا بھی بطور معجزہ کے حکم الٰہی سے تھا۔ اسی لیے فرمایا : جئتکم بآیۃ من ربکم (۳ : ۴۹) یعنی میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے اپنی نبوت پر دلیل لایا ہوں۔ اس لیے اس آیت کے معنے یہ ہوتے کہ تمہارے لیے بحکم الٰہی گارے کی ایک شکل بناتا ہوں۔ جیسے پرندہ کی شکل ہو۔ پھر میں اس میں پھونک ماروں گا جس کی وجہ سے بحکم الٰہی وہ اڑنے والا پرندہ

بن جائے گا۔ لیکن معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اس لیے یہاں "خلق" کا لفظ پیدا کرنے کے معنے میں نہیں۔ بلکہ شکل بنانے کے معنے میں ہے۔ جو معجزہ کا اظہار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ جیسا کہ:

- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں عصا تھا' انھیں اس عصا کے بارے میں سوائے اس کے کچھ علم نہ تھا کہ یہ ٹیک لگانے کے کام آتا ہے' یا اس کے ساتھ درختوں کے پتے جھاڑے جاتے ہیں وغیرہ۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ اسے زمین پر ڈال دیں' پھر جب انھوں نے عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ سو اس میں حضرت موسیٰ کا عمل نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس ذریعے سے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا۔ نہ کہ خود حضرت موسیٰ نے لاٹھی کا سانپ بنا دیا۔
- اسی طرح حضرت خضر نے ایک نابالغ بچے کو جان سے مار دیا تھا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ کیونکہ حضرت خضر خود فرماتے ہیں: مَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي۔ کہ یہ کام میں نے اپنے اختیار سے نہیں کیا۔
- اسی طرح بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ ایک مردہ کا کچھ حصہ اس کے دوسرے حصے پر مارو جس کے باعث وہ مردہ زندہ گویندہ ہوگیا۔ یہ سب حکم الٰہی سے خرقِ عادت کے طور پر تھے۔ جن پر شریعت میں جواز وعدم جواز کا حکم نہیں لگتا۔
- اسی طرح "تماثیل" کے معنے سورۃ انبیاء کی آیت ۵۲ میں تو واقعی مورتیاں ہیں۔ مگر سورۃ سبا میں تماثیل کے معنے ہیں: "چارپائیاں"۔ یہاں تماثیل کے معنے مورتیاں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی تھے' بلکہ نبی بن نبی تھے۔ شریعتِ موسویہ کے پابند تھے۔ تورات شریف پر عمل کرتے کراتے تھے۔ جبکہ نبی نہ بت بناتا ہے نہ بنواتا ہے۔ بلکہ نبی تو بت شکن ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔
- نیز اس مقام پر "تماثیل" کا معنی مجسمے یا تصاویر کرنا سیاق وسباق کے بھی خلاف ہے کیونکہ "تماثیل" سے پہلے ہے:

○ "محاریب" جس کے معنے ہیں : "کوٹھیاں۔ مضبوط محل۔ قلعے اور مسجدیں" اور "تماثیل" کے بعد فرمایا :

○ "جفان"۔ جو جمع ہے "جفنة" کی۔ جس کے معنے ہیں : "بڑے بڑے لگن، جن میں سیکڑوں آدمی کھانا کھا سکیں"۔ آگے فرمایا :

○ "کالجواب"۔ جو جمع ہے : "جابیة" کی۔ یعنی "اونٹوں کے پانی پینے کے حوض"۔ تو ان لگنوں کی لمبائی چوڑائی کی مثال حوض کے ساتھ دی۔ پھر فرمایا :

○ "قدور" جو جمع ہے "قِدر" کی۔ بمعنیٰ "دیگ"۔ یعنی بڑی بڑی دیگیں۔ جن میں لشکر کا کھانا پکتا ہو۔

○ بہرحال یہ چیزیں جو اس آیتِ مبارکہ میں مذکور ہیں سب مباح ہیں۔ کیونکہ :

① مسجدیں نماز پڑھنے کے لیے ہیں۔

② قلعے لشکر کی حفاظت کے لیے۔

③ کوٹھیاں اور مضبوط محل سلاطین و وزراء کی رہائش کے لیے۔

④ پیالے پانی پینے کے لیے۔

⑤ دیگیں کھانا پکانے کے لیے۔

⑥ اور رات کو آرام کرنے کے لیے پلنگ بھی ہونا چاہیے۔ جن پر رات کے وقت لشکر آرام سے سوسکے۔

○ اور یہ سب چیزیں تو شرعاً مباح ہیں۔ لیکن مجسمے اور بت تو کسی شریعت میں جائز نہیں ہوئے۔ اس لیے سورۂ سبا کی اس آیتِ مبارکہ میں مجسمے اور بت والا معنیٰ لینا سباق سیاق کے خلاف اور تمام آسمانی شریعتوں کے بھی خلاف ہے۔ جبکہ "تماثیل" کا معنیٰ چارپائیاں اور پلنگ نہایت موزون ہے۔

○ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیر و مرشد رئیس المفسرین امام المحدثین فقیہِ دوران حضرت مولانا **حسین علی الوانی** رحمۃ اللہ علیہ نے بُلغۃ الحیران صفحہ ۲۷۱ میں فرمایا کہ : "تماثیل" بمعنیٰ "پلنگ" کیونکہ عرب لوگ سونے کی جگہ کو "مثال" کہتے ہیں۔

جیسے صاحب مُغرب علامہ ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الفراش الذی ینام علیہ۔ جس فراش پر سویا جائے۔ جیسے چارپائی (پلنگھ) کہا جاتا ہے۔ کیونکہ چارپائی انسان کے قد کے برابر ہوتی ہے۔ یعنی اس کے اندازے کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی واسطے اس کو تمثال اور مثال کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ:

○ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نزلت عن المثال علی الحصیر۔ یعنی جب حیض شروع ہوتا تھا تو چارپائی سے اتر کر چٹائی پر آجاتی تھی۔ تو قرآن مجید میں بھی تماثیل سے یہی معنی مراد ہے۔ یعنی بڑے بڑے پلنگ آرام کرنے کے لیے' نہ کہ مجسمے یا تصویریں۔ جو کسی شریعت میں کبھی جائز نہیں ہوئیں۔

تنبیہ یاد رہے کہ گناہ کے کام کو جائز سمجھ کر گناہ کا ارتکاب کرنے سے ایمان کو بھی شدید خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حرام کو حرام سمجھنا ایمان کی شرائط میں داخل ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص کسی حلال کو حرام سمجھے گا' یا کسی حرام کام کو حلال سمجھے گا تو ایمان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ کیونکہ جب ایمان کی شرط ہی فوت ہو جاتی ہے تو ایمان بھی فوت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ:

قاعدہ ہے: اذا فات الشرط فات المشروط۔ کہ جب شرط فوت ہو گئی تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

○ طہارت نماز کی شرط ہے۔ اگر طہارت نہ رہی اور وضو ٹوٹ گیا تو جو نماز پڑھ رہا ہے وہ بھی ٹوٹ جائے گی۔ اس لیے اگر اللہ سمجھ دے تو اس کبیرہ گناہ سے تائب ہونا اور ایمان کی تجدید کرنا ضروری ہے۔ اور اگر کوئی عالم اس مرض میں مبتلا ہو تو اس کے لیے اپنے حلقۂ اثر میں اعلان کرنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ:

○ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ یہ دونوں اکابر پہلے کیمرہ کے ذریعے اتاری جانے والی تصویر کو جائز سمجھتے تھے۔ اور حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے تو اس موضوع پر ایک

مستقل مضمون بھی تحریر فرمایا تھا۔ جس کے جواب میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک تحقیقی مضمون تحریر فرمایا۔ جو ماہنامہ "القاسم" دیوبند میں اور بعد ازاں مستقل کتابی صورت میں بھی اس امید پر شائع کیا گیا کہ اگر کسی کو بھی عمل کی توفیق نہ ہوئی تو کم از کم علم صحیح ہو کر گناہ کو گناہ تو سمجھے گا' اس کو جائز سمجھنے کے دوسرے اور سخت گناہ سے تو بچے گا......

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے "تصویر کے شرعی احکام" میں تحریر فرمایا کہ:

اس مستقل رسالہ کی اشاعت کے کچھ مدت بعد حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی قدس اللہ سرہٗ کا ایک گرامی نامہ میرے پاس پہنچا۔ جس میں لکھا تھا کہ اپنا رسالہ "التصویر لاحکام التصویر" جو آپنے میرے ہی رد میں لکھا ہے' اس کا نسخہ مجھے بھیج دیجیے۔ احقر نے فوراً تعمیل حکم کی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ حضرت علامہ سید صاحب نے مرشد تھانوی حضرت حکیم الامت کی طرف رجوع فرمایا' اور تزکیہ نفس کے لیے بار بار تھانہ بھون حاضری کی نوبت آئی' تزکیہ ظاہر و باطن کے ساتھ ماضی کے اعمال و افعال پر بھی نظر ہونا اور کوتاہیوں کا تدارک کرنا لوازم میں سے ہے۔ حق تعالیٰ نے جب سید صاحب کو اس مقام فناء پر سرفراز فرمایا تو اپنے اعمال ماضیہ کے جائزے اور تلافی مافات کے ساتھ اپنی چالیس سالہ علمی تحقیقات اور مستقل تصانیف اور مقالات و مضامین' اس جائزہ کا مستقل موضوع بنے' اور بالآخر محرم ۱۳۶۲ھ میں "معارف" اعظم گڑھ مؤرخہ جنوری ۱۹۴۳ء آپنے سلف صالحین کی اس سنت کو زندہ فرمایا اور "رجوع و اعتراف" کے عنوان سے ایک مضمون اپنی سب تصانیف اور تحریرات و مضامین کے متعلق اجمالاً اور خاص خاص مسائل سے رجوع کے متعلق تفصیلاً شائع فرمایا۔ اس میں مسئلہ تصویر کے بارے میں مضمون سابق "معارف" میں شائع ہوا تھا اس کے ان اجزاء سے پوری تصریح و وضاحت کے ساتھ رجوع کا اعلان فرمادیا جو جمہور فقہاء امت سے مختلف تھے۔

یہ رجوع و اعتراف کا مضمون علامہ سید صاحبؒ کے کمال علم اور کمال تقویٰ کا بہت بڑا شاہکار ہے۔ اس پر خود مرشد تھانوی سیدی حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے غیر معمولی مسرت کا اظہار نظم میں فرمایا۔ اگرچہ یہ مضمون خود ایک نہایت مفید مقالہ ہے جس کو اس جگہ پورا شائع کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن بغرض اختصار صرف اتنا حصہ نقل کیا جاتا ہے جتنا مسئلۂ تصویر سے متعلق ہے۔

عکسی تصویر دستی تصویر کی طرح ناجائز ہے

مسئلۂ تصویر کے متعلق میں (سید سلیمان ندوی) نے ۱۹۱۹ء میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں:

① ذی روح کے فوٹو لینے یعنی عکسی تصویر کشی۔ اور خصوصاً

② نصف حصہ جسم کے فوٹو کا جواز ظاہر کیا تھا۔

اس سلسلہ میں بعد کو ہندوستان اور مصر کے بعض علماء نے بھی مضامین لکھے۔ جن میں سے بعض میرے موافق ہیں اور بعض میرے مخالف۔ لیکن بہرحال اس بحث کے سارے پہلو سامنے آ گئے ہیں۔ اس لیے سب کو سامنے رکھ کر اب اس سے اتفاق ہے کہ: صحیح یہی ہے کہ امر اول (عکسی تصویر) دستی تصویر کی طرح ناجائز ہے۔ اور امر ثانی (نصف حصہ جسم کے فوٹو) کا کھینچنا ناجائز اور کھنچوانا باضطرار جائز اور دھڑ کا بغیر سر اور چہرہ کے دونوں جائز ہیں۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے اس بیان کو نقل کرنے کے بعد حضرت مفتی اعظمؒ نے تحریر فرمایا کہ: اس وقت تک اگرچہ تصویر کشی اور اس کے استعمال میں عوام و خواص کا ابتلاء عام ہو چکا تھا، مگر اس کے جواز پر کسی عالم نے بجز سید صاحبؒ کے ہندوستان میں قلم نہیں اٹھایا تھا۔ اور حضرت سید صاحبؒ نے اس سے بوضاحت رجوع کا اعلان فرمادیا۔

دوسری طرف یہ واقعہ بھی تقریباً اسی زمانے میں پیش آیا کہ (مولانا) ابوالکلام آزاد صاحب مرحوم جنھوں نے مدت دراز تک اپنا مشہور اخبار "الہلال" باتصویر

شائع کیا۔ جب وہ رانچی جیل میں تھے آپ کے متعلقین میں سے بعض حضرات نے آپ کی سوانح اور حالات کو بنام "تذکرہ" جمع کرکے اس کی اشاعت کا ارادہ کیا تو جدید مصنفین کی رسم کے مطابق انھوں نے رانچی جیل میں آپ کو خط بھیجا کہ مجھے اپنا فوٹو عنایت فرمادیں جس کو میں اس کے شروع میں لگانا چاہتا ہوں۔

○ اس پر علامہ ابوالکلام آزاد مرحوم نے جو جواب تحریر فرمایا وہ خود اسی تذکرہ میں ان الفاظ کے ساتھ شائع ہوچکا ہے:

○ "تصویر کا کھنچوانا، رکھنا، شائع کرنا سب ناجائز ہے۔ یہ میری سخت غلطی تھی کہ تصویر کھنچوائی اور "الہلال" کو باتصویر نکالا تھا۔ اب میں اس غلطی سے تائب ہوچکا ہوں۔ میری پچھلی لغزشوں کو چھپانا چاہیے نہ کہ از سرِ نو ان کی تشہیر کرنا چاہیے"۔

○ مولانا ابوالکلام آزاد نے جس صفائی اور صراحت کے ساتھ نہ صرف اپنے سابقہ عمل سے رجوع کیا، بلکہ تائب ہونے کا ذکر فرمایا، یہ بھی ان کی عالی ہمتی اور دین کی فکر کی بڑی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمادیں۔ (دیکھیے: مقدمہ تصویر کے شرعی احکام)

○ امید ہے کہ اس پندرھویں صدی میں بھی کوئی ایسا خوش نصیب عالم ضرور ہوگا جو حضرت مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرح اپنی سابقہ غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ڈیو۔ فلم اور تصاویر کو جائز سمجھنے سے رجوع کا اعلانِ عام کرکے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے یہاں سُرخ رُو ہوسکے۔ ورنہ اس کے طرزِ عمل کو دیکھ کر عوام بھی اگر اس حرام کام کو جائز سمجھیں گے تو اس کا گناہ بھی اسی کے سر ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جاہل کو تو معاف فرمادیں، مگر آخرت میں اس عالم کی بہت بری درگت بنے گی جو عوام کو کسی حرام کام کے جواز کا فتویٰ دیتا پھرتا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ○

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

الغیبۃ اشد من الزنا (کی تحقیق)

نعم الکلام

کلام سراج الاسلام

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

"الغیبۃ اشد من الزنا"

ماہنامہ محدث بابت جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۹ء میں غیبت کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت والد صاحب نے بحوالہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۱۵ سیدنا ابوسعید خدری اور سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع حدیث: "الغیبۃ اشد من الزنا" نقل فرمائی تھی۔ لیکن غیر ضروری سمجھتے ہوئے اس کی سند سے متعلق کوئی بحث نہ فرمائی۔ مگر جونہی اس رسالہ میں شائع ہونے والے فتاویٰ حسینیہ میں فاضل نوجوان جی ابوسلمان مولانا سراج الاسلام حنیف (زاد اللہ علماً و فقہاً و عملاً) نے اس حدیث سے متعلق مضمون پڑھا تو انھوں نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے احقر کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا کہ:

"اسی شمارہ میں استاذِ محترم بارک اللہ فی مساعیہم الجمیلۃ کا ایک جواب "الغیبۃ اشد من الزنا" نظر سے گزرا۔ چونکہ یہ حدیث محلِ نظر ہے، میں اس کی تحقیق ارسال کرتا ہوں۔ اگر مناسب سمجھیں تو حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کریں، وہ اجازت دیں تو ماہنامہ میں شائع کریں۔ امید ہے میری آواز صدا بہ صحرا ثابت نہیں ہوگی۔

احقر نے یہ خط حضرت والد صاحب کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس مضمون کو پڑھنے کے بعد مولانا سراج الاسلام صاحب کے حق میں بہت سی دعاؤں کے بعد فرمایا کہ ان کا مضمون بلا تغییر و تبدل من و عن جمادی الاخریٰ کے شمارے میں شائع کر دیا جائے۔ جس میں مولانا سراج الاسلام نے اس حدیث کی سند پر بحث نقل فرمائی ہے۔ اس مضمون کے بعد حضرت والد صاحب نے مولانا کی علمی بحث پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے اس مضمون کے آخر میں تنبیہ کے عنوان سے چند وضاحت طلب امور پر بحث فرمائی ہے۔ جس کا مقصد اس روایت سے متعلق پیدا ہونے والے بعض شبہات کا ازالہ ہے۔

نیز یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت والد صاحب مولانا کی تحقیق پر اس قدر خوش ہوئے کہ خود آپ نے ہی اس رسالہ کا نام: **نعم الکلام کلام سراج الاسلام** تجویز فرمایا۔

(مدیر)

نعم الکلام
کلام سراج الاسلام

الغیبۃ اشد من الزنا

○ اخرجه التبریزی فی المشکوۃ برقمی : ۳۸۲۳ و ۳۸۲۵ : عن ابی سعید و جابر رضی اللہ عنہما مرفوعاً۔ و برقم ۳۸۲۶ : عن انس و لفظه : صاحب الزنا یتوب و صاحب الغیبة یسرله توبة۔ ثم قال : روی البیهقی الاحادیث الثلاثة فی شعب الایمان۔

قلتُ : اما حدیث ابی سعید و جابر فقد اخرجه البیهقی فی شعب الایمان ۵ : ۳۰۶' برقم : ۶۷۴۱۔ وکذا اخرجه الطبرانی فی المعجم الاوسط ۷ : ۳۰۶' برقم : ۶۵۸۶۔

○ و فیه عباد بن کثیر الثقفی البصری۔ قال فیه البخاری : مسکن مکة ترکوه (التاریخ الکبیر ۶ : ۴۳) وقال النسائی : متروک الحدیث (الضعفاء و المتروکین صفحہ ۷۲، الترجمة ۳۹۹)

○ کان شعبة لا یستغفر لعباد بن کثیر (الکامل لابن عدی ۵ : ۵۳۸)

○ وکان یقول : احل روا روایته (ابن عدی ۵ : ۵۳۸ وابن حبان ۲ : ۱۶۴)

○ وقال فیه ابن معین : لیس بشئ فی الحدیث۔ (نفس المصدرین)

○ وقال ابن عدی : عامة احادیثه مما لا یتابع علیه۔ (ابن عدی ۵ : ۵۴۴)

○ و قد نقل ابن حبان و الذهبی : هذه الروایة فی ترجمة عباد هذا۔ یراجع المجروحین ۲ : ۱۶۸، والمیزان ۲ : ۳۷۴)

○ قال الهیثمی : رواه الطبرانی فی الاوسط' وفیه عباد بن کثیر و هو متروک۔ (مجمع الزوائد ۸ : ۹۲)

○ واما حدیث انس فقد رواه البیهقی فی شعب الایمان ۵ : ۳۰۶' برقم ۶۷۴۲' و فی اسناده مجهولین : اخبرنا ابو عبدالله الحافظ انا ابو .... (بیاض فی

المخطوطة و كذا في المطبوعة) عن رجل عن انس بن مالك.

○ و الحديث الاول اخرجه الذهبي في ترجمة حامد بن آدم المروزي و قال عده احمد بن علي السليماني فيمن اشتهر بوضع الحديث، و قال: قال ابوداؤد السنجي: قلت لابن معين: عندنا شيخ يقال له حامد بن آدم روى عن يزيد عن الجريري عن ابي نضرة عن ابي سعيد و جابر رفعاه: الغيبة اشد من الزنا فقال: هذا كذاب لعنه الله (الميزان ۱: ۴۴۷)

○ وقال الجوزجاني و ابن عدي في حامد هذا: كان يكذب و يحوق في الكذب. (احوال الرجال صفحه: ۲۰۶، ت: ۳۸۰، الكامل ۲: ۳۰۹)

○ قال الصغاني: موضوع. (كشف الخفاء للعجلوني ۲: ۱۰۶)

○ قال ابن ابي حاتم: قال ابي: ليس لهذا الحديث اصل. (علل الحديث ۲: ۳۱۹)

قلت هو من قول سفيان بن عيينة كما عند البيهقي في الشعب ۵: ۳۰۶: عن سفيان بن عيينة عند مرفوع و هو الاشبه. (مرقاة المفاتيح ۸: ۶۱۰، جلد ۹ صفحه ۷۱۶ طبع ملتان)

هذا ما عندي والله اعلم.

ابوسلمان سراج الاسلام حنیف عفا اللہ عنه

○

تنبیہ (از حضرت علامہ نیلوی مدظلہ) میرے پاس محولہ بالا کتب میں سے بعض نہیں ہیں، اور جو کتب میرے پاس موجود ہیں ان میں دیکھا تو عزیزم سراج الاسلام صاحب کے پیش کردہ حوالہ جات کو درست پایا۔ واقعی زیر بحث حدیث بلحاظ سند کے ضعیف ہے۔ لیکن اس جرح سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ جب یہ حدیث موضوع ہے تو اس پر جو ثمرہ مرتب کیا گیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ غیبت کے حرام اور گناہ کبیرہ ہونے میں تو کسی کو شک نہیں۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً موجود ہے۔ چنانچہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قرآن وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (۴۹ : ۱۲)

ترجمہ اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو گوارا کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اس سے تو ضرور ہی تمہیں کراہت آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور اس گندے کام سے توبہ کرو۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

○ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کس قدر شد و مد کے ساتھ غیبت سے روکا ہے۔ اور مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے ساتھ غیبت کو تشبیہ دے کر مسلمان کے دل کو غیبت کی طرف سے متنفر اور بیزار کر دیا ہے۔

○ وجہ تشبیہ کی یہ ہے کہ جس طرح گوشت نوچ جانے سے انسان کو جسمانی اذیت ہوتی ہے، اسی طرح آبرو ریزی اور غیبت سے بھی دل دکھتا ہے۔ اور چونکہ وہ شخص سامنے موجود نہیں ہوتا اس لیے محسوس نہ کرنے میں مشابہ مردہ کے ہے۔ یعنی وہ مردہ کی طرح بے خبر ہے اور اس کی برائی کرنا اس کا گوشت کھانے کے برابر ہے۔ اور مردہ کا گوشت کھانا اور وہ بھی بھائی کا کس کو پسند ہے؟۔

○ حضرت علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ گویا ایک مسلمان کیلئے مسلمان بھائی کی عزت اس کے گوشت کی طرح ہے۔ لہٰذا جب وہ غیبت کرنے والا اس کا ذکر برائی سے کرتا ہے تو گویا اس کے مردہ جسم کا گوشت کھاتا ہے۔

فائدہ علماء کرام نے لکھا ہے کہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم ربانی "عام مخصوص عنہ البعض" ہے۔ یعنی اگر کسی کی برائی بیان کرنے کی کوئی اشد ضرورت یا مصلحت ہو جو شرعاً معتبر ہو تو وہ غیبت حرام کے زمرہ میں نہیں آتی۔ مثلاً:

① ظالم کی شکایت ایسے شخص کے سامنے جو اس مظلوم سے ظلم کو دفع کر سکے۔

② مستفتی (فتویٰ پوچھنے والا) صورت واقعہ بیان کرنے کی غرض سے کسی کا ذکر کرے۔

③ مسلمانوں کو کسی کے دنیوی، دینی، اخروی شر سے بچانے کے لیے کسی کا حال بتلائے۔

④ کسی معاملہ کے متعلق اس سے مشورہ لینے کے وقت اس کا حال ظاہر کردے۔

⑤ جو شخص اپنے فسق کو خود ظاہر کرتا ہو۔ مثلاً: سود خوری، زناکاری، شراب خوری وغیرہ علانیہ کرنے لگے تو اس کا حال بیان کرنا۔ تاکہ وہ اپنی بدنامی سے شرم کھا کر علانیہ شرعی ہتک حرمت چھوڑ دے۔ اور اگر علانیہ فسق نہ ہو تو اس کی غیبت جائز نہیں۔

○ اسی طرح جو شخص علانیہ گناہ کرتا ہو وہ ایسا حرام بھی نہ ہو جس سے شرع کی ہتک حرمت ہوتی ہو تو بھی غیبت کرنا جائز نہیں۔

○ اسی طرح اگر اس شخص کو روکنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کو روکے اور غیبت نہ کرے۔

○ اسی طرح اگر علانیہ بدکاری کرنے والے کی غیبت کرتے وقت اس کے دل میں خالص یہ نیت نہ ہو کہ یہ خبر پا کر شرم سے وہ شخص بدکاری ترک کردے گا، بلکہ نفسانیت وغیرہ کا قصد ہو تو بھی غیبت حرام ہے۔

○ اسی طرح اگر اس کے دل میں نیت تو نیک ہے، ساتھ ہی یہ گمان غالب ہو کہ میری اس غیبت کرنے سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ مثلاً:

○ وہ شخص بالکل ہی بے باک اور بے حیا ہوگیا ہے۔ یہ ایسا فاسق ہے کہ اس کی غیبت کرنے سے بجائے فائدہ کے شر و فساد بڑھ جائے گا، تو بھی اس کی غیبت کرنا جائز نہیں۔

⑥ ظالم بادشاہ کی غیبت اس نیت سے کرنا تاکہ اس کو خبر پہنچے تو عوام میں اپنی بدنامی کے خیال سے شرم کھا کر ظلم کرنا چھوڑ دے۔

⑦ رواۃ کی جرح و قدح۔ کیونکہ ان کی بیان کردہ روایات سے دینی نقصان کا خدشہ ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: من كذب علی متعمداً فليتبوا مقعده من النار۔ یعنی جو شخص عمداً مجھ پر جھوٹ باندھے گا، تو وہ پہلے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ اور یہ روایت ساٹھ سے زائد صحابۂ کرامؓ سے مروی ہے۔ جن میں سے مشہور ترین ہستیوں کے نام یہ ہیں:

(۱) امیرالمومنین سیدنا امام ابوبکر صدیق (۲) امیرالمومنین سیدنا امام عمر (۳) امیرالمومنین سیدنا امام عثمان (۴) امیرالمومنین سیدنا امام علی (۵) سیدنا ابوہریرہ (۶) سیدنا ابن مسعود (۷) سیدنا ابن عمر (۸) سیدنا ابن عباس (۹) سیدنا ابن زبیر (۱۰) سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ (۱۱) سیدنا عبداللہ بن ذغب بن قانع (۱۲) سیدنا زبیر (۱۳) سیدنا جابر (۱۴) سیدنا ابوسعید (۱۵) سیدنا خالد ابن عرفطہ (۱۶) سیدنا زید بن ارقم (۱۷) سیدنا سلمۃ بن الاکوع (۱۸) سیدنا عقبۃ بن عامر (۱۹) سیدنا معاویۃ بن ابی سفیان (۲۰) سیدنا سائب بن یزید (۲۱) سیدنا سلمان فارسی (۲۲) سیدنا سلمان بن خالد (۲۳) سیدنا صہیب (۲۴) سیدنا طارق بن اشیم (۲۵) سیدنا طلحہ بن عبیداللہ (۲۶) سیدنا عتبۃ بن غزوان (۲۷) سیدنا عرس بن عمیرہ (۲۸) سیدنا عمار بن یاسر (۲۹) سیدنا عمران بن حصین (۳۰) سیدنا عمرو بن حریث (۳۱) سیدنا عمرو بن مرہ (۳۲) سیدنا ابوذر (۳۳) سیدنا ابوموسیٰ غافقی (۳۴) سیدنا ابوکبشہ (۳۵) سیدنا ابورافع (۳۶) سیدنا ابوقتادہ (۳۷) سیدنا ابوعبیدۃ بن الجراح (۳۸) سیدنا ابوموسیٰ اشعری (۳۹) سیدنا اسامۃ بن زید (۴۰) سیدنا بریدہ (۴۱) سیدنا سفینہ (۴۲) سیدنا جندع بن عمرو (۴۳) سیدنا سعد بن ابی وقاص (۴۴) سیدنا سعد بن مدحاس (۴۵) سیدنا عفان بن حبیب (۴۶) سیدنا غزوان (۴۷) سیدنا عمرو بن عبسہ (۴۸) سیدنا سعید بن زید (۴۹) سیدنا حذیفۃ بن الیمان (۵۰) سیدنا حذیفۃ بن اسید (۵۱) سیدنا یزید بن اسد (۵۲) سیدنا معاذ بن جبل (۵۳) سیدنا رافع بن خدیج (۵۴) سیدنا ابوامامہ (۵۵) سیدنا مغیرۃ بن شعبۃ (۵۶) سیدنا یعلیٰ بن مرہ (۵۷) سیدنا براء (۵۸) سیدنا نبیط بن شریط (۵۹) سیدنا ابومیمون (۶۰) سیدنا ابورمثہ (۶۱) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ (۶۲) سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہم اجمعین۔

○ بہرحال بفرمانِ الٰہی غیبت ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ جس سے توبہ کرنا بھی ضروری ہے اور جس کی غیبت کی گئی ہے اس سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالےٰ ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

منظوم کلام

از قلم

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد باری تعالیٰ جل شانہ

حضرت مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی

اُسی اِک ذاتِ واحد کو پکارو — اُسی اِک ذات کی نذریں گزارو
اُسی کی ہے نماز و روزہ سجدہ — دُعا قربانی نذر و حج و عُمرہ
اُسی کو ہے قیام دست بستہ — یہی اللہ کا ہے سیدھا رستہ
اُسی کے ہاتھ ہے بیماری صحت — اُسی کے ہاتھ ہے فتح و ہزیمت
اُسی کا فضل ہے بخشے گناہ سب — اُسی کا عدل پکڑے جُرم پر جب
اُسی نے دوزخ و جنت بنائے — جہاں بدلہ عمل کا خلق پائے
وہی اللہ ربُّ العالمیں ہے — وہی رحمٰن مالکِ یوم دیں ہے
وہی رزّاق خیرُ الرازقیں ہے — وہی خلّاق خیرُ الخالقیں ہے
وہی اللہ خیرُ الماکریں ہے — وہی ناصر ہے خیرُ الناصریں ہے
وہی اِک ذات ارحم راحمیں ہے — وہی اِک ہی مُحِبُّ المحسنیں ہے
وہی اِک ہی ولیُّ المؤمنیں ہے — وہی اِک ہی مُحِبُّ الصابریں ہے
وہی حاکم ہے خیرُ الحاکمیں ہے — وہی فتّاح خیرُ الفاتحیں ہے
وہی غفّار خیرُ الغافریں ہے — وہی ستّار خیرُ الساتریں ہے
وہی اِک ذات علّامُ الغیوب — وہی ہے ذات ستّارُ العُیوب
وہی اللہ ہے دافع بلایا — وہی اللہ غفّارُ الخطایا
وہی حاجت روا مشکل کشا ہے — مریضوں کو وہی دیتا شفا ہے
وہی ٹوٹے ہُوئے دِل جوڑتا ہے — وہی حق کی طرف دِل موڑتا ہے

ہمہ گُن ہے ہمہ بیں ہے ہمہ داں
وہی مخلوق ساری کا ہے نگراں

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

حضرت علامہ نیلوی مدظلہٗ کی طویل نظم سے اقتباس

کیا مٹی سے پیدا اُس نے اِنساں — کیے پھر اس نے بے حد اس پہ احساں
لباس اس نے اتارا تاکہ ڈھانپیں — ہم اپنا سَتر اور زینت بنائیں
عمامہ ٹوپی کمبل کھیس کچھا — قمیص اور جُوتا دستانہ بھی موزہ
انگوٹھی بالی کوکا چُوڑی کنگھی — جُرابیں واسکٹ صدری بھی لُنگی
ربڑ بال اُون ریشم رُوئی پٹ سن — بنائے جس میں کھانا کھائیں برتن
بنایا لوہا تانبا سونا چاندی — یونہی الومنیم پیتل بھی کانسی
پہاڑوں میں بنائیں اُس نے کانیں — کہ تا اللہ کی قدرت کو جانیں
پہاڑوں میں کہیں گاہیں بنائیں — ستاروں کے سبب راہیں بتائیں
بنائے جنگلوں میں حوض و تالاب — جگہ گرد اُن کے کی سرسبز و شاداب
چریں کھائیں چرندے اور درندے — پئیں تالابوں سے پانی پرندے
چوپائے بھیڑ بکری بھینس گائے — شتر خچر گدھے گھوڑے بنائے
ہرن مُرغابی مُرغی نیل گائے — بطخ مچھلی بھی بگلے بھی بنائے
کیے خرگوش تلیئر مارماہی — کبوتر طوطا تیتر فاختہ بھی
شکاری جانور تابع بنائے — وہ کُتّے شیر ہوں یا فہد چیتے
اُسی نے پھل بہت سے ہیں بنائے — دہی تربوز خربوزہ اُگائے
کھجور انگور سیب اخروٹ بادام — انار امرود پستہ بیر بھی آم
شریفہ لیچی اور آلو بخارا — لوکاٹ اور کیلا چلغوزہ چھوہارا
عناب اور ککڑی کھیرا فالسہ بھی — انناس اور کنّوں مالٹا بھی
نارنگی ناشپاتی لیموں جامن — خُدا کی نعمتوں سے بُھریں دامن
چقندر گنا گو شکر بھی گاجر — کرو شکر اُس کا نعمت اُس کی کھا کر

زمیں پر اُس نے بے حد رنگ اُگائے
بڑھل شیشم دیار و چیڑ گرجن
سرس تُن جنڈ جھڑبیری سفیدا
لسوڑا گوندنی گولر فتر نقل
لوکاٹ الوک شاہ توت اور کیچل
بلوط انجیر آڑو پیلو زیتوں
گرعل سوہانجنہ لنگھ چین کشمل
اسی کی پیدا کردہ قہوہ چائے
گھیا کدو ٹماٹر پیٹھا گوبھی
ہے بھنڈی توری بینگن لوبیا بھی
الائچی ہلدی لہسن پیاز ادرک
کریلے سونف سونٹھ دھنیا خشخاش
چرونجی زیرہ پودینہ ملٹھی
وہی اللہ اپنی قدرتوں سے
نکالے شہد مکھی کے بطن سے
ملائی دُودھ مکھن لسی دہی گھی
سمندر سے نکالے موتی مرجاں
پرندوں کو ہوا میں آپ تھامے
بجز اُس کے نہیں ہے کوئی خالق
پکارے جو جہاں جب جیسے اُس کو

ہیں جن کے پتے پھل پھول اور سائے
سمورا بید کیکر کیتھ چندن
کریر اور نیم روہیڑا اشوکا
صنوبر جھاؤ املتاس سنبل
مہوا ناریل تنبول و پاوھل
خبازی خطمی نارنج اور لیموں
گلاب و موتیا چنبیلی مندل
وہی ترکاریاں بھی سب اُگائے
مٹر آلو بھی شلغم مولی کھمبی
جوار اور باجرا جَو چینہ مکئی
کلونجی سرسوں زیتوں بتھوا پالک
مسور و مونگ چاول موٹھ تل ماش
ہمارے واسطے کر دیں اکٹھی
لہو گوبر سے خالص دُودھ لائے
شفا دے کر ہٹائے دُکھ بدن سے
یہ سب کچھ ہے ہمارے واسطے ہی
زمرد اور دیگر ساز و ساماں
بنائے رُوئی ریشم اُون سے جامے
بجز اُس کے نہیں ہے کوئی رازق
وہی سنتا ہے بس اُس کو پکارو

خط و کتابت کے لیے پتا: سیّد حسن رفیع اعلیٰ سنہری مسجد سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا کوڈ ۴۰۱۰۰

سُبحانَ اللہ تعالیٰ کے تشریحی معنی منظوم

اُونگھ، غفلت، نیند، جہل و سہو، نسیان و خطا
ظلم و کِذب و عہد شکنی، اِنکساری و بدا
بخل و حسرت، فقر و مکر و مسخری، ٹھٹھا، حیا
نیز بیماری، پریشانی سے ذاتِ کبریا

والدین، اُولاد، جورو اور وزیروں سے ہے پاک
رشتہ ناتا، اِحتیاجی اور ظہیروں سے ہے پاک
ہے شریکوں سے، معینوں سے، نظیروں سے بھی پاک
مُنشیوں سے اور وکیلوں سے، مشیروں سے بھی پاک

خُورد و نوش و حِرص و لالچ، جلدبازی سے بھی پاک
عجز و مَوت و خوف و سُستی، عشق بازی سے بھی پاک
دُکھیا ہونے، دھوکا کھانے اور ندامت سے بھی پاک
گمرہی، مغلوبی، غالب کی شفاعت سے بھی پاک

وہ نہیں ہے عرض و جوہر، جسم اور محدود بھی
پاک ہے ہر عیب سے سُبحانَہٗ ربِّ النّبیؐ

قرآنی سورتوں کے باترتیب منظوم نام

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مفتی سید محمد حسین نیلوی مدظلہ العالی

فاتحہ ، پھر بقرہ ، پھر آل عمراں پھر نساء
مائدہ ، انعام و اعراف اور انفال لے فتا

توبہ ، یونس ۔ ہود ، یوسف ۔ رعد ، ابراہیم ، حجر
نحل ، اسرا ۔ کہف ، مریم اور طٰہٰ ، انبیاء

حج ، سورۂ مومنوں پھر نور ، فرقاں ، شعرا
سورۂ نمل و قصص ، پھر عنکبوت لے مقتدا

روم و لقماں ، سجدۂ تنزیل اور احزاب و سبا
فاطر و یٰسٓ ، صافات اور صٓ لے بے ریا

پھر زمر ، حٰمٓ سبعہ پھر محمد مصطفیٰ
فتح و حجرات اور قٓ وذاریات و طور و نجم

پھر قمر ، رحمٰن سورۂ ، واقعہ پھر ہے حدید
پھر مجادل ، حشر و پھر ممتحنہ ، صف و جمعہ

پھر منافقوں ، تغابن بعدہٗ سورۂ طلاق
سورۂ تحریم و ملک و نون و حاقہ اے ضیا

پھر معارج ، نوح و جن ، مزمل و مدثر
پھر قیامہ ، دہر سورۂ ، مرسلات اور پھر نبا

نازعات اور پھر عبس ، تکویر و سورۂ انفطار
سورۂ تطفیف ، انشقاق اور پھر بروج و طارق

سورۂ اعلیٰ ، غاشیہ ، فجر و بلد پھر شمس و لیل
والضحیٰ پھر انشراح و تین ، علق ، قدر اے فتا

بینہ ، زلزال و سورۂ عادیات و قارعہ
پھر تکاثر ، عصر و ہمزہ ۔ فیل پھر سورۂ قریش

سورۂ ماعون و کوثر ۔ کافروں ، نصر و لہب
سورۂ اخلاص و فلق پھر ناس پر ہے انتہا

صلی اللہ علیہ وسلم

نعت سید الانبیاء

منظوم از حضرت مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مدظلہ کی ایک طویل نظم سے اقتباس

ہوا فضل و کرم ہم پر خدا کا — پیمبر ہم میں ہم ہی میں سے ہی بھیجا

نبی مصطفیٰ حضرت محمدؐ — رسول مجتبیٰ محمود و احمد

مبلغ مرتضیٰ اعظم معلم — رؤف و مشفق و بے لوث مکرم

وہ صادق اور مصدوق اور اصدق — بشیر و منذر و علام و اشفق

رشید و مرشد و مولیٰ و اولیٰ — مراتب میں ہیں سب خلقت سے اعلیٰ

بشر ہیں پر مقام ان کا ہے برتر — نہ پہنچے نوری ناری خاکی واں پر

نبی جی آسمانوں پر گئے تھے — باذن اللہ مع روح و جسد کے

رسول ہاشمی عربی تہامی — رسول مکی و مدنی یمانی

رسول اللہ محبوب خدا ہیں — رسول اللہ سب کے مقتدا ہیں

رسول اللہ اشرف انبیا ہیں — نبی اللہ خاتم انبیا ہیں

نبی جی اُمّی ہیں اُمّ القریٰ کے — بتائے قاعدے نور الہدیٰ کے

شریعت انبیائے سابقیں کی — بحکم اللہ اُمّی نے مٹا دی

شریعت تھی جو اسرائیلیوں کی — ہٹا کر اس کو دی قرآن والی

مٹائیں جاہلیت کی رسومات — نہ رہنے دی جہالت کی کوئی بات

طواف اس دور میں ننگے تھے کرتے — مٹائی بے حیائی اس نے آ کے

بحیرہ سائبہ حامی وصیلہ — حرام ان کو سمجھتے تھے بہ حیلہ

نبی پاکؐ نے آ کر بتایا — حلال ان کو خدا نے ہے بنایا

بتائیں کھانے کی پاکیزہ اشیا
خبائث جن سے ہم کو بچایا

عظمتِ صحابہؓ

از حضرت مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی

لقب بوبکرؓ کا صدیق اکبرؓ — یہی ہیں سب سے ممتاز اور برتر
تھے غارِ ثور میں حضرتؐ کے ہمراہ — محافظ تھے چوکنّے اور آگاہ
کیے جان، مال و اولاد اپنے قربان — کیا پورا نبیؐ کا تھا جو فرمان
زبیرؓ و بوعبیدہؓ، طلحہؓ، عثمانؓ — ہوئے تبلیغ سے ان کی مسلمان
امن الناس حضرت مصطفیٰؐ کے — جو رہتے پاس حضرت مصطفیٰؐ کے
عشا کے بعد اُمت کو کیا امر — کہ سو جاؤ، نہ کرنا اب کوئی سمر
مگر بوبکرؓ سے باتیں تھی جاری — اگرچہ گزر جائے رات ساری
عمرؓ بھی گفتگو اُن کی تھے سُنتے — زبانِ وحی سے تھے پھول چُنتے
خلیفہ وہ رسول اللہؐ کے تھے — مُصلّے پر کھڑا خود کر گئے تھے
علیؓ، عباسؓ تھے حاضر، عمرؓ بھی — امامت آپؐ نے صدیقؓ کو دی
کہ اقرأ تھے بھی افقہ تھے بھی اعلم — تھے ایماں لانے میں بھی سب سے اقدم
نبی پاکؐ نے فرما دیا تھا — پکڑنا بعد میرے اُس کا پلّا
نبیؐ کے وہ حقیقی جانشیں تھے — حقیقت میں شریعت کے امیں تھے
نبیِ مُصطفیٰؐ کے بعد جس نے — نبوت کا کیا دعوے، جس نے
کیا صدیقؓ نے اس کا تعاقب — بفضل اللہ ہُوا اس پر تغلّب
زکوٰۃِ فرض نے منکر ہُوئے جو — لڑے اُن سے کیا پامال اُن کو
ممالک ان کی محنت سے ہُوئے فتح — بفضل اللہ پھیلا دیں اسی طرح

اُنھی کی چال، اخلاق اور سیرت
سبھی ہیں قابلِ تقلیدِ اُمّت

شانِ صحابہ کرامؓ

نتیجۂ فکر: حضرت مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مدظلہ کی بعض نظموں سے انتخاب

نبیؐ سورج، صحابہؓ سب ستارے
وہ ہادی رہنما رہبر ہمارے

اٹھائیں دین کی خاطر تکالیف
نہ تھی مقصود ان کو اپنی تعریف

چلے پیدل تو کی دیں کی اشاعت
پہاڑوں کی اٹھائی سب نے کلفت

سمندر اور دریا اور جنگل
سفر دشوار کرتے تھے وہ چل چل

منادی دین کی کی کونے کونے
چلے آتے وہ مسلم تھے جو ہونے

نہ تھا ان میں ریا بخل و تکبر
نہ تھا کینہ عداوت اور تہور

صحابہؓ سب ہدایت یافتہ تھے
وہ اقلیم ہدیٰ کے بادشہ تھے

حقیقی متبع تھے مصطفےٰؐ کے
جو دیکھا وہ بنا معمول لیتے

امین و صادق و معیارِ حق تھے
وہ راشد مومن مختارِ حق تھے

شہید و صالح و صدیق ان میں
نہ تھا مرتد نہ تھا زندیق ان میں

خدا نے اُن کے ایمان و وفا کی
شہادت دی قسم مجھ کو خدا کی

رسول اللہؐ کے ایسے ہیں اصحابؓ
جنھیں رب نے دیے ہیں اونچے القاب

قرآں میں "مومنین حقا" کہا ہے
لقب "خیر البریہ" کا دیا ہے

کہا "خیر الامم" اور "متقین" بھی
"مصلین"، "صابرین" و "صادقین" بھی

کہا "مستغفرین" و "قانتین" بھی
"مزکین"، "خاشعین" و "صائمین" بھی

خدا نے "فائزین" اُن کو کہا ہے
خدا نے "راشدین" اُن کو کہا ہے

قسم رب نے ہے قرآں میں اٹھائی
صحابہؓ کی خطا ہر ہر مٹائی

ہیں "حق محل یار" ۔ "حزب اللہ" سارے
خدائے پاک کے ہیں سب پیارے
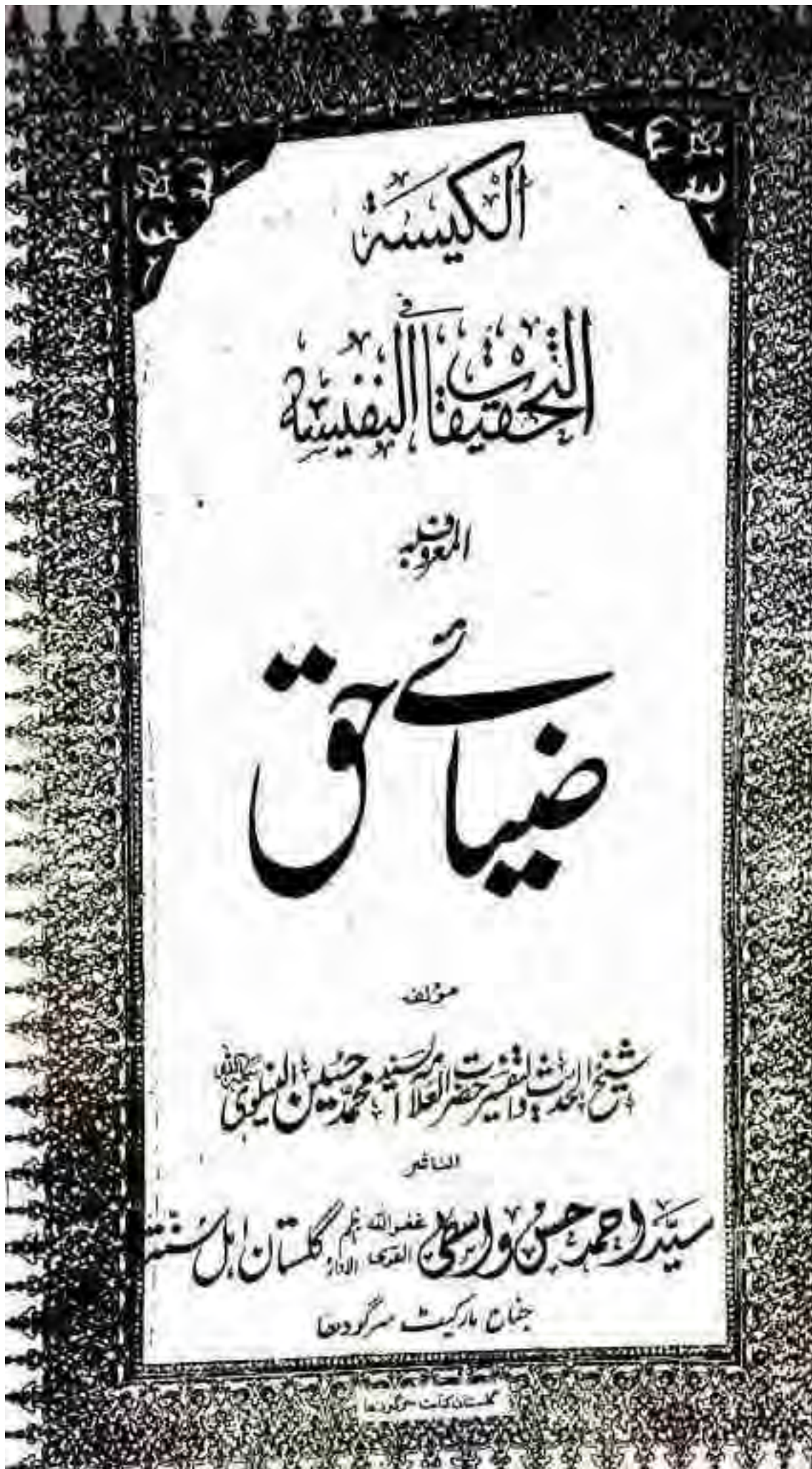
الکیسۃ

فی

التحقیقات النفیسۃ

المعروف بہ

ضیائے حق

مؤلفہ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت العلامہ مولانا سید محمد حسین النیلوی

الناشر

سید احمد حسن واسطی غفر اللہ لہم گلستان اہل سنت

جناح مارکیٹ سرگودھا

گلستان کتاب سرگودھا

الاملاء
فی
اطلاقات العلماء

الحمد لله رب العالمین، والعاقبة للمتقین، والصلوٰة والسلام علی النبی المصطفی خاتم النبیین وعلی آله واصحابه اجمعین

اما بعد فقد قال شمس الدین الخیالی رحمه الله المتعالی فی حاشیة شرح العقائد النسفیة ص ۵۸ والذی یخطر بالبال الخ فکتب علیه الشجاع رح فیه ان المتبادر من کلام القوم هو ان المعنی الذی نجده من الفنا هو المدلول المطابقی للعبارة الخ قلت وقد یطلقون لفظا ویریدون به غیر ما وضع له ویکون هو متعارفا فاردنا ان نذکرها علی ترتیب حروف الهجاء تسهیلا للطلبة وبالله التوفیق

اذا اطلق الائمة الاربعة فی کتب الفقه یراد بها ابوحنیفة ومالک والشافعی واحمد رحمهم الله تعالی

اذا اطلق الائمة الثلاثة فی کتب الفقه یراد بها ابوحنیفة وابویوسف ومحمد رحمهم الله

اذا اطلق الابتداء یراد به الابتداء الحقیقی (ص۳ منهیه قل احمد علی الخیالی)

اذا اطلق ابن ابی لیلی فی کتب الحدیث یراد به عبد الرحمٰن بن یسار الکوفی کما فی جامع الاصول لابن اثیر الجزری وغیره (مقدمه عمدة الرعایه علی شرح الوقایه ص۱۱)

اذا اطلق ابن ابی لیلی فی کتب الفقه یراد به ابنه محمد بن عبد الرحمٰن بن یسار الکوفی (ایضا)

اذا اطلق ابن خزیمة یراد به محمد بن اسحق بن خزیمة بن مغیرة بن صالح بن بکر السلمی النیسابوری تلمیذ المزنی والربیع شافعی المذهب المتوفی سنة ۳۱۱ھ

اذا اطلق ابن الزبیر یراد به عبد الله بن الزبیر رضی الله عنهما الا فی هدایة ص۲۹ فالمراد به ھ عباد الزبیر

اذا اطلق ابن عباس رضی الله عنهما یراد به عبد الله بن عباس رضی الله عنهما الا فیما فی الهدایة ص۲۳۵ فالمراد به ھ کنانة بن عباس بن مرداس السلمی کما ذکره عبد القادر القرشی فی الجواهر المضیئة ص۲۳۸ ج۲)

رضی اللہ عنہما
اذا اطلق ابن عمر یراد بہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما
اذا اطلق ابن مسعود یراد بہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ.
اذا اطلق ابوحنیفۃ فی کتب الفقہ یراد بہ یراد بہ الامام الاعظم ابوحنیفۃ
النعمان بن ثابت بن طاؤس بن الملک ھرمز بن نوشیروان مرزبان بن بہرام بن محرکز
بن ماھین بن حسینک بن اذربود بن سروس بن نردمان بن بہرام بن محرکز بن اردباد
بن اذرخود بن بردفیروز بن سیدوس بن سرفارد بن ایکرز بن کودبو بن کردبو
بن سرداد بن وادین بن سیدوس تزدبو بحت بود بن شاذان بن ھرمزیار
بن خاتا بن دینار بن کیار بن ددین بن سیدوس بن کوددد بن ساسان الملک بن
بابک الملک بن حاتم الملک بن مھراس الملک بن ساسان الملک بن بہمن بن اسفندیار
الملک بن گستاسپ الملک بن بہراس الملک بن کتمش الملک بن کی یاسین الملک بن کیابو د
الملک بن کی قباد الملک بن داد الملک بن توجام الملک بن یرمان سوہ الملک بن
منوچھر الکیان الملک (کان فی زمن موسٰی علیہ السلام) وھو بن الفارس بن الیھود
بن یعقوب النبی علیہ السلام بن اسحٰق علیہ السلام بن ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام
بن ازر بن ناخور بن سروع بن راعو بن فالخ الی اخرہ کما فی الجواھر المضیئۃ ص ۵۲۶ ج ۲
اذا اطلق ابوحنیفۃ فی کتب اللغۃ یراد بہ ابوحنیفۃ الدینوری.
اذا اطلق ابوداؤد یراد بہ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی صاحب السنن
الا اذا قید بالطیالسی کذا فی الاعتصام للشاطبی ص ۱۹۰ ج ۱)
اذا اطلق ابن المبارک یراد بہ عبد اللہ بن المبارک.
اذا اطلق الاخص یراد بہ الاخص مطلقاً لا من وجہ
اذا اطلق الاحکام یراد بہا الاحکام العملیۃ کذا فی شرح العقائد النسفیۃ ص ۳
اذا اطلق الاخفش یراد بہ ابوالحسن سعید بن مسعدۃ تلمیذ سیبویہ کان لہ
علیہ النحو ومقاییسہ ولم یکن حافظا للغریب ولا ملحقا بطبقتہ التی الحقاہ بہا فی
معرفۃ الشعر والغریب کما فی تھذیب اللغۃ ص ۱۲ ج ۱) دون ابی الحسن علی بن سلیمان من
اقران سیبویہ صاحب ثعلب والمبرد ودون ابی الخطاب استاذ سیبویہ کذا فی شرح
مسلم الثبوت لبحر العلوم ص ۲۹۳)
اذا اطلق الاذن یراد بہ الاذن الجائز عندھا کما فی الھدایۃ ص ۳۳۰ ج

اذا اطلق الاستاذ فی علم الطب یراد به صاحب کتاب "المعتبر" کذا فی بحر الجواهر فی لغة الطب۔

اذا اطلق الاستاذ فی عرف الکلام والاصول یراد به الامام الکبیر المتکلم الاصولی الفقیه الزاهد ابراهیم بن محمد بن ابراهیم ابو اسحٰق الاسفرائنی کذا فی النبراس ٢٢٩

اذا اطلق الاسناد یراد به الاسناد بالاصالة کذا فی الفوائد الضیائیه ص ٥٩۔

اذا اطلق الاسم یراد به مایقابل الفعل والحرف دون مایقابل الصفة ولا العلم واللقب وغیرهما الا فی بحث الالف والنون المزیدتان من اسباب منع الصرف فیراد به ما یقابل الصفة

اذا اطلق اسم الجنس یختص بما هو الحق قال تعالی یصدونهم عن السبیل ای الحق کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب الاصفهانی رح ص ٢٣١

اذا اطلق الاشارة یراد به الاشارة الحسیة دون العقلیة (فوائد ضیائیه ٢١٩)

اذا اطلق "الاشاعرة" یراد به متبعوا الامامین الاشعری والماتریدی رحمهما الله تعالی الا اذا قوبل بالماتریدیة

اذا اطلق الاضافة یرادبها الاضافة المعنویة (کتب النحو)

اذا اطلق الاضافة یرادبها الاضافة بلاواسطة حرف الجر (فوائد ضیائیه ص ٣٠)

اذا اطلق الاعم یراد به الاعم مطلقا لا من وجه

اذا اطلق الافتراق یتبادر منه الافتراق الحقیقی دون الحکمی کما فی متن متین ١٤٣ واما فی قوله تعالی وان یتفرقا یغن الله کلا من سعته فالمراد منه التفرق القولی لما قال فی اللمعات فان المراد تفرق الزوج والزوجة بالطلاق وهو بالقول ومن المعلوم ان الزوج اذا طلق امرأته علی مال فقبلت ذلک حصل التفرق بینهما بذلک وان لم یتفرقا بالابدان۔ قلت ولذا قالت الحنفیة فی قوله علیه السلام البیعان بالخیار مالم یتفرقا ان المراد التفرق بالاقوال وهو الفراغ من العقد فیکون المعنی مالم یتم العقد فلما تم العقد فلا خیار وحمل البعض علی تفرق الابدان لما روی الدارقطنی حتی یتفرقا من مکانهما وقد فرق بعضهم بین التفرق والافتراق فقال التفرق بالابدان والافتراق بالکلام یقال فرقت بین الکلامین فافترقا وفرقت بین الرجلین فتفرقا وان کان الحق انهما سواء (حاشیه ٢٤٣ مشکاة المصابیح اخذا من اللمعات)

اذا اطلق الاقرأ یراد به من کثر حفظا للقرآن الا فی عرف فیرید ون به الاعلم قال الامام النووی فی شرح صحیح المسلم تحت حدیث ابن مسعود رضی الله عنه یؤم القوم اقرءهم لکتاب الله وقال مالک والشافعی واصحابهما الافقه مقدم علی الاقرأ لان الذی یحتاج الیه من القراءة مضبوط والذی یحتاج الیه من الفقه غیر مضبوط وقد یعرض فی الصلوٰة امر لایقدر علی مراعاة الصواب فیه الا کامل الفقه قالوا ولهذا قدم النبی صلی الله علیه وسلم ابابکر رضی الله عنه فی الصلوٰة علی الباقین مع انه صلی الله علیه وسلم نص علی غیره اقرأ منه واجابوا عن الحدیث بان الاقرأ من الصحابة کان هو الافقه اھ ص۲۳۶ نووی علی مسلم

قلت وهو مذهب الاحناف کما یظهر من کتبهم فما قال النووی وفیه (فی حدیث ابن مسعود) دلیل لمن یقول بتقدیم الاقرأ علی الافقه وهو مذهب ابی حنیفة واحمد وبعض اصحابنا فیه نظر فانه یخالف ما فی کتب الحنفیة کما فی الهدایة وغیرها "واولی الناس بالامامة اعلمهم بالسنة وعن ابی یوسف رح اقرأهم لان القراءة لابد منها والحاجة الی العلم اذا نابت نائبة ونحن نقول القراءة مفتقر الیها لرکن واحد والعلم لسائر الارکان

فالحاصل ان مذهب ابی حنیفة والشافعی ومالک تقدیم الافقه ومذهب احمد وبعض اصحاب الشافعی تقدیم الاقرأ وهو روایة عن ابی یوسف لامذهبه فافهم.

وقد اطلق العلماء لفظ القراءة علی العلم کما قال النووی ص۱۳ اما ابن عون فهو الامام الجلیل المجمع علی جلالته وورعه عبدالله بن عون بن ارطبان ابوعون البصری کان یسمی سید القراء ای العلماء

اذا اطلق الاقرار ینصرف الی الاقرار بسبب التجارة (لابی یوسف رح) هدایة ص۲۱۹ ج۳

اذا اطلق الاقرار ینصرف الی العقود (هدایه ص۲۲۳ ج۳)

اذا اطلق الاقتضاء یراد به الاقتضاء الصریحی

اذا اطلق الامة یراد بها امة الاجابة دون امة الدعوة (امة المتابعة فی الاعتقاد والاعمال وهی اهل السنة کما فی شرح العقائد الجلالیة ص۱۳

اذا اطلق الامر یقع علی الحسن لعینه

اذا اطلق الامر فی العلوم العربیة یراد به الامر الحاضر المعلوم غالباً.

اذا اطلق الامام یراد به ما یؤتم به فی الحق ص۷۹ احکام القرآن للجصاص

اذا اطلق الامام الاعظم' الامام فی کتب الفقه الحنفیة یراد به الامام الاعظم

ابوحنیفۃ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ

اذا اطلق الامام الربانی فی کتب التصوف یراد بہ الامام الربانی مجدد الالف الثانی رحمۃ اللہ
اذا اطلق الامام الناطق یراد بہ الامام جعفر الصادق (کتب الشیعۃ)
اذا اطلق الامام فی فن التجوید یراد بہ القرآن الحکیم الذی کتبہ الامام الثالث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔
اذا اطلق الامام فی کتب المعقول والفلسفۃ یراد بہ الامام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ
اذا اطلق الامام فی کتب الحدیث واصولہ یراد بہ محمد بن اسمٰعیل البخاری صاحب صحیح البخاری والادب المفرد والتاریخ الکبیر رحمہ اللہ تعالیٰ۔
اذا اطلق الامام فی کتب التصوف یراد بہ حجۃ الاسلام الامام الغزالی رحمہ اللہ
اذا اطلق الامام الثانی فی کتب الفقہ الحنفیۃ یراد بہ الامام ابو یوسف القاضی رحمہ اللہ
اذا اطلق الامام الربانی فی کتب الفقہ الحنفیۃ یراد بہ الامام محمد بن الحسن بن عبد اللہ بن طاؤس بن هرمز الملک (ای ابن عم الامام ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کما فی الجواہر المضیئۃ ص ۵۲۶/۲۔
اذا اطلق امیر النحل یراد بہ امیر المؤمنین الخلیفۃ الرابع الامام علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ و رضی اللہ عنہ

باب الباء

اذا اطلق البائع فالمتبادر الی الذہن باذل السلعۃ لا المشتری کما فی مصباح المنیر ص۲۶)
اذا اطلق البیع یراد بہ بیع الموجود بالثمن ص ۳ ج من بنایہ شرح ہدایہ
اذا اطلق البیت یراد بہ بیت اللہ المعظم قال تعالیٰ فمن حج البیت او اعتمر وقال وللہ علی الناس حج البیت وقال جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس، وقال واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا، واذا اطلق البلدۃ یراد بہ مکۃ کما فی المشکوٰۃ ص ۲۳۲
اذا اطلق البدنۃ فی الفروع (کتب الفقہ) یراد بہ البعیر ذکرا کان او انثیٰ کذا فی مصباح المنیر ص۲ وفی الاصل عندنا ان البدنۃ یدخل فیہا الابل والبقر والجوامیس بہار

اذا اطلق البشارة يراد به خبر الخير الا اذا قيدت نحو فبشرهم بعذاب اليم

اذا اطلق البعث يراد به البعث من الموت (مختصر المعانی ص ۳۶۵ مع التجريد)

اذا اطلق التباين يراد به التباين الكلى دون الجزئى (شرح تهذيب لليزدى)

اذا اطلق التقديم يراد به التقديم الوجوبي الذى هو الفرد الكامل كذا فى الفوائد الضيائية ص۸

اذا اطلق التماثل يراد به الاشتراك فى النوع

اذا اطلق الثمرة يراد بها الموجود من الثمار كذا فى بحث البيوع من الهداية ج۳ ص۲۴

باب الجيم والحاء والخاء

اذا اطلق الجامع على كتاب يراد به الجامع الكبير للامام محمد رح كذا فى المامول شرح شرح اصول الشاشى ص۱۹۵ و ص۲۷۶ .

اذا اطلق الجامع على رجل يراد به نوح بن مريم من تلامذة ابى حنيفة رح

اذا اطلق جابر يراد به جابر بن عبد الله الانصارى رضى الله تعالى عنهما

اذا اطلق الجزاء فى معرض العقوبات يراد به ما يجب حقا لله تعالى خالصا كذا فى التوضيح والتلويح ص۱۹۵ ج۱ (مصر)

اذا اطلق الجزء يراد به الجزء الحقيقى (ص۳ و ص۳۲ قطبى)

اذا اطلق الجزئى يراد به الجزئى الحقيقى دون الاضافى

اذا اطلق الجزرى يراد به على سبيل الاغلب المنسوب الى جزيرة ابن عمر واكثرهم ائمة الموصل (ص۳ ميزان الاعتدال)

اذا اطلق الجنة يراد به دار الثواب (بيضاوى ص۲۵) وفى قوله اسكن انت وزوجك الجنة المراد به الجنة البرزخية قاله الشعرانى فى الميزان فان الجنة الاخروية لا خروج منها لمن دخلها وفيه نظر

اذا اطلق الحاتم يراد به الحاتم الطائى الا اذا قيد بالاصم فهو من اولياء الله

اذا اطلق الحسن فى كتب اصحابنا الحنفية يراد به الحسن بن زياد من اصحاب الامام الاعظم ابى حنيفة نعمان بن ثابت رحمه الله تعالى - المتوفى سنة ۲۰۴ (مقدمه عمدة الرعاية ص۸)

ـه وقد يراد به البعث من النوم قال تعالى وكذلك بعثناهم ليتساءلوا بينهم وقد يراد به الارسال يقال تعالى فابعثوا احدكم

اذا اطلق الحسن فی کتب التفسیر وکتب الحدیث فی طبقۃ التابعین یراد بہ الحسن البصری رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی سنۃ ۱۱۰ ھ

اذا اطلق الحسن فی اسماء الصحابۃ فھو السید الحسن السبط بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھما المتوفی فی صفر سنۃ ۴۹ او ۵۰ او ۵۱ واللہ اعلم

اذا اطلق الحقیقۃ والمجاز یراد بھما الحقیقۃ اللغویۃ والمجاز اللغوی

اذا اطلق لفظ الحقیقۃ فی عرفھم (بلا تقییدھم بالذھنیۃ والخارجیۃ یراد بہ الثابت المطلق من حق ای ثبت

اذا اطلق الحسن فی اصول الفقہ یراد بہ الحسن لذاتہ۔

اذا اطلق "الحماسی" یراد بہ احد الشعراء المذکورین فی دیوان الحماسۃ واذا قیل ھذا البیت حماسی یراد بہ انہ مذکور فی دیوان الحماسۃ (ص ۳۰ مطول)

اذا اطلق الخاتم یراد بہ ما یلبس فی الایدی والفتخ خاتم عظیم تلبس فی اصابع الرجل کذا فی بذل المجھود (ص ۳۰۳)

اذا اطلق "الخطاب" فی کتب اصول الفقہ یراد بہ الخطاب التنجیزی دون التعلیقی (من مسلم الثبوت ص ۳۳)

اذا اطلق فی اللغۃ الفارسیۃ لفظ "خدا" یراد بہ ذات اللہ تعالیٰ ولا یطلق علی غیرہ الا اذا اضیف الی آخر نحو "کدخدا" کذا فی الخطط الغوثیۃ شرح نام حق ص ۵)

اذا اطلق الخلف عند الفقہاء یراد بہ من محمد بن الحسن الشیبانی الی شمس الائمۃ الحلوانی رحمھما اللہ تعالیٰ

اذا اطلق المخالفۃ یراد بہ ترک العمل بہ دون الانکار کذا فی نور الانوار ص ۲۸

باب الدال والراء

اذا اطلق الدراھم یراد بھا الدراھم المضروبۃ عرفا کذا فی الھدایۃ ص ۲

اذا اطلق الدراھم تنصرف الی الجیاد کذا فی الھدایۃ ص ۳۳۲

اذا اطلق الرب مفردا یراد بہ غالبا ذات اللہ تعالیٰ قال اللہ تعالیٰ قل اغیر

اللہ ابغی ربا وھو رب کل شیئ ۔ والمقید یطلق علی غیرہ تعالیٰ کرب المال ورب الدار ، ولکن الرب معرفا باللام مختص بذات اللہ ولا یجوز استعمالہ للمخلوق بمعنی المالک لان اللام للعموم والمخلوق لایملک جمیع المخلوقات کذا فی مصباح المنیر ص۱۳۹

اذا اطلق الرسول والنبی فی عرف المسلمین یراد بہ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اذا اطلق الرسول یراد بہ بشر (انسان) بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام مع کتاب وشرع جدید فنفی محمد رسول اللہ اقرار ببشریۃ النبی علیہ السلام

اذا اطلق الارتداد یراد بہ الکفر واما اذا قید فلا لما ورد فی صحیح البخاری ص ۲۳۳ سطرہ وان ناسا من اصحابی یؤخذ بہم ذات الشمال فاقول اصیحابی اصیحابی فیقول انہم لم یزالوا مرتدین علی اعقابہم منذ فارقتہم اھ قال الخطابی لم یرد بہ الردۃ عن الاسلام ولذلک قیدہ بقولہ علی اعقابہم ۔ وانما یفہم من الارتداد الکفر اذا اطلق من غیر تقیید ۔ ومعناہ التخلف عن الحقوق الواجبۃ ۔ ولم یرتد بحمد اللہ احد من الصحابۃ ۔ وانما ارتد قوم من جفاۃ العرب الذین دخلوا فی الاسلام رغبۃ ورھبۃ کعیینۃ بن حصن ونحوہ (ص ۹۷۳ صحیح البخاری) ۱۰۳

اذا اطلق الرصاص یراد بہ الابیض کذا فی شرح ھدایۃ الحکمۃ للمیبذی

اذا اطلق الرطل فی الفروع قال الفقہاء یراد بہ رطل بغداد کذا فی مصباح المنیر ص۱۳۹

اذا اطلق الریحان یراد بہ نبات مخصوص وان کان فی الاصل کل نبات طیب الریح کذا فی مصباح المنیر ص۱۵۸

باب السین والشین

اذا اطلق سورۃ الاخلاص یراد بہا سورۃ قل ھو اللہ احد الیٰ آخرہا وسورتا الاخلاص قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وقل يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کذا فی مصباح المنیر ص۱۱۶

اذا اطلق "السالبۃ" فی بحث قضایا المخلق یراد بہا السالبۃ البسیطۃ غیر

۱؎ قول اکمل شرح تہذیب سلم قطعہ اکمل رسالۃ سلم ۱۲

المعدولة السالبة المحمول (من شرح سلم العلوم لحمد الله ص ٤٣)

اذا اطلق السبب المحض يراد به ما يقابل العلة يعنى بالمعنى الاعم (فصول الحواشى ص ٥٣)

اذا اطلق السبب فى بحث الامر عند اهل الاصول يراد به الوقت (نور الانوار ص ٣٣)

اذا اطلق سبيل الله فى عرف الشرع يراد به فقراء الغزاة (بذل المجهود ص ٤٣)

اذا اطلق "السعدان" فى كتب المحدثين يراد بهما سعد بن معاذ الاوسى وسعد بن عبادة الخزرجى (موطا امام مالك ص ٢٦٠)

اذا اطلق السعدان فى كتاب بيع الصرف من كتب الفقه يراد بهما سعد بن مالك وسعد بن ابى وقاص رضى الله عنهما كذا فى المغرب للمطرزى ص)

اذا اطلق السيئات انصرفت الى الصغائر كما فى جمل شرح الجلالين ص ٣٤ وقد يراد بها الشدائد والمصائب والبلايا كما ورد فى القرآن ولئن اذقناه رحمة منا من بعد ضراء مسته ليقولن ذهب السيئات عنى وقال تعالى ان تصبهم حسنة يقولوا هذه من عند الله وان تصبهم سيئة يقولوا هذه من عندك الى آخر الآية .

قلت وبه اراد شيخنا المحدث المفسر الصوفى الصافى مولانا حسين على رحمه الله فى قوله تعالى ان الحسنات يذهبن السيئات كما قال عليه السلام الصدقة ترد البلاء .

اذا اطلق السلف عند الفقهاء يراد به من الامام ابى حنيفة رحمه الله المتوفى سنة ١٥٠ الى محمد بن الحسن بن الفرقد الشيبانى رحمه الله تعالى المتوفى سنة ٢٣٠ هـ . كما فى عمدة الرعاية ومثله فى حاشية الهداية ص ٥٠ [1]

اذا اطلق السنة يراد بها السنة القمرية مطلقا كما فى حاشية الهداية ص ٣٠

اذا اطلق السنة يراد بها سنة النبى الكريم صلى الله عليه وآله وسلم لا غير عند الشافعى رحمه الله تعالى واما عند الاحناف فلفظ السنة عام يشمل سنة النبى صلى الله عليه وسلم وسنة خلفائه الاربعة الراشدين المهديين وسنة سائر الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين كما فى نور الانوار ص ١٦٧ .

اذا اطلق السنة يراد بها السنة المؤكدة وقد يراد بها الواجب وما دون الفرض كما يقال صلوة العيد سنة اى واجبة وكذا الصلوة مع الجماعة سنة اى واجب ثابتة وجوبها بالسنة النبوية وثابت وعيد تركها بالسنة النبوية كما فى الكبيرى

[1] والصحابة والتابعون سلف لابى حنيفة وبعض ... الكفاية ص ١٣٤ (مراسم)

اذا اطلق السهم فی کتب الفقه یراد به سهم من سهام الورثة (هداية ص۴۴۳)
اذا اطلق السيد السند یراد به المحقق الشريف علی الجرجانی المتوفی سنة ۸۱۶ھ
اذا اطلق من یقول بسماع الموتی یراد به السماع الروحانی دون سماع الجسد العنصری بالأذان العنصرية فافهم ولاتغفل ومن اعتقد بسماع الجسد العنصری بالأذان العنصرية فاعتقاده فاسد ولايصح اقتداءه كذا افتی به استاذی وشيخی ومحدثی فقيه النفس ابوحنيفة زمانه المفتی الاعظم بالبر الصغير الهند المولی محمد كفاية الله رحمه الله وعلماء الفرقة البريلوية افتوا بهذا فی كتبهم وان خالفوا اهل الحق فی مواعظهم بغياً وظلماً وعدواناً وان شئت التحقيق فطالع شفاء الصدور
اذا اطلق "الشرح" فی مختصر المعانی يراد به شرحه المطول
اذا اطلق "الشيخ الاكبر" فی عرف القوم يراد به الشيخ ابن عربی الصوفی صاحب الفتوحات المكية كما فی رد المحتار ص۳۳۳
اذا اطلق الشيخ فی كتب النحو والمعانی يراد به الشيخ عبد القاهر الجرجانی الاشعری الشافعی صاحب دلائل الاعجاز ومائة عامل وجمل وعمده ومغنی شرح الايضاح المتوفی سنة ۴۷۱ھ۔
اذا اطلق الشيخ فی كتب المنطق والطب والفلسفة يراد به الشيخ ابو علی حسين بن عبد الله بن سينا الشهير بالشيخ الرئيس الطبيب الفلسفی الحكيم البخاری الاسماعيلی مذهباً وهو خال ابی زيد الدبوسی رحمه الله مصنف القانون وقانونچه وكتاب الشفاء فی الطب والاشارات وكتاب الاوسط وكان وزيراً لشمس الدولة البويهی وصاحب ملوك العجم وحی بن يقظان۔ المتوفی سنة ۴۲۸ھ وهو الشهير بالمعلم الثالث وكان متهماً
اذا اطلق الشيخان فی ذكر الصحابة رضی الله عنهم يراد بهما الامامان الخليفتان ابو بكر وعمر رضی الله عنهما وقد اقام النبی ﷺ ابا بكر علی مصلاه واقام ابو بكر عمر مقامه
اذا اطلق الشيخان فی كتب النحو يراد بهما المبرد والثعلب اما المبرد فهو ابو العباس محمد بن يزيد بن عبد الاكبر الثمالی البصری النحوی الاديب تلميذ المازنی وابی حاتم السجستانی واستاذ نفطويه والصولی مصنف الكامل والروضة والمقتضب ولد سنة ۲۰۷ ومات سنة ۲۸۶ وصلی عليه يوسف بن القاضی ابی يوسف صاحب ابی حنيفة رحمهم الله۔ واما الثعلب فهو ابو العباس احمد بن يحيی الشيبانی تلميذ ابی عبد الله

ابن الاعرابي مصنف كتاب الفصيح فى اللغة وكتاب المصون واختلاف النحويين ومعانى
القرآن ومعانى القرآن وكتاب الامثال . وهو امام الكوفيين مات سنة ۲۹۱ ھ .

اذا اطلق الشيخان فى كتب اصحابنا الحنفية يراد بهما الامام الاعظم (فى تدوين
الفقه والاستنباط من القرآن والسنة) ابوحنيفة وتلميذه الامام القاضى ابويوسف
يعقوب بن ابراهيم بن حبيب بن سعد بن حبتة (نسبة الى امه) الانصارى البجلى
المتوفى سنة ۱۸۳ صنف كتاب الخراج وكتاب الآثار وكتاب الامالى .

اذا اطلق الشيخان فى كتب الحديث واصوله يراد بهما البخارى ومسلم رحمهما
الله تعالى اما البخارى فهو الامام ابوعبدالله محمد بن اسمٰعيل بن ابراهيم بن المغيرة بن
بردزبه البخارى الجعفى المحدث صاحب جامع الصحيح والتاريخ وكتاب الادب المفرد
توفى ليلة عيد الفطر عند صلوٰة العشاء سنة ۲۵٦ ودفن يوم الفطر بعد صلوٰة الظهر
واما مسلم فهو الامام ابوالحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد بن كوشاد القشيرى
(من بنى قشير من قبائل العرب) النيشابورى عساكر الدين المتوفى سنة ۲٦۱ ھ .

اذا اطلق شمس الائمة فى كتب اصحابنا الحنفية يراد به ابوبكر محمد بن احمد بن
ابى سهل السرخسى صاحب كتاب المبسوط شرح الوافى للحاكم . توفى سنة ۵۰۰ ھ
قالوا ان الذين لقبوا بشمس الائمة كثيرون منهم شيخ السرخسى وهو عبدالعزيز بن
احمد بن نصر بن صالح الحلوائى البخارى تلميذ الشيخ ابى شعيب صالح بن محمد بن صالح و
لكن اذا اطلق يراد به السرخسى .

باب الصاد

اذا اطلق الصاحب فى علوم العربية يراد به الصاحب ابوالقاسم اسمٰعيل بن عباد
ابى الحسن بن عباس الطالقانى القزوينى النحوى اللغوى الاديب المتكلم الشيعى تلميذ ابن عميد
وابن فارس وزير فخر الدولة البويهى مصنف المحيط فى اللغة والكافى فى الرسائل وكتاب الامامة
وكتاب فيه وزير وكتاب الاعياد ولد فى اصطخر سنة ۳۲۳ او ۳۲٦ وتوفى سنة ۳۸۵

اذا اطلق صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم يراد به الامام الاعظم خليفة نبى
الله ابوبكر الصديق رضى الله عنه عليه وسلم (مشكوٰة ص ۳۸ وسلم ص ۱۸۲/۲ و ص ۲۹٦/۱)

اذا اطلق "الصاحبان" فی کتب اصحابنا یراد بھما ابو یوسف ومحمد تلمیذا ابی حنیفۃ رحمھم اللہ تعالیٰ۔

اذا اطلق الصدر الاول یراد بہ القرون الثلثۃ الاول المشھود لھا بالخیر من لسان الصادق المصدوق النبی الکریم صلے اللہ علیہ وسلم و فی عدۃ مواضع یراد بہ عھد الصحابۃ رضی اللہ عنھم اجمعین کما فی الھدایۃ ص۱۳۱۔

اذا اطلق صدر الاسلام یراد بہ علی بن محمد بن عبد الکریم بن موسیٰ البزدوی۔

اذا اطلق الصلوٰۃ یراد بھا الصلوٰۃ الکاملۃ ای ذات رکوع وسجود

اذا اطلق الصلوٰۃ غیر مقیدۃ بوصف او شرط یقتضی الصلوٰت المعھودۃ المفروضۃ کذا فی احکام القرآن لابی بکر الرازی الجصاص ص۳۶ وقد ورد فی المشکوٰۃ ص۱۰۳ عن ابن عمر رضی اللہ عنھما ان رجلا سالہ فقال انی اصلی فی بیتی ثم ادرک الصلوٰۃ فی المسجد مع الامام افاصلی معہ قال لہ نعم۔ قال الرجل ایتھما اجعل صلوٰتی قال ابن عمر رضی اللہ عنھما و ذلک الیک ؟ انما ذلک الی اللہ عز وجل یجعل ایتھما شاء قلت فلا یرد ما اورد بہ بعض اھل زماننا ان رکعتی الفجر داخلتان فی صلوٰۃ الصبح فلا تدخلان تحت نھی ورد فی حدیث البخاری وغیرہ لا صلوٰۃ بعد صلوٰۃ الصبح حتی تطلع الشمس فافھم و فی ھذا المقام تفصیل لا یلیق بھذا المختصر۔

اذا اطلق الصحۃ یراد بھا ضد الفساد والمرض کما فی الخیالی ص۳۵ قیل الصحۃ ھٰھنا بمعنی الثبوت کما قال الشاعر ع صح عند الناس انی عاشق ؛ غیر ان لم یعرفوا عشقی لمن ؛

ای ثبت وجوابہ انہ خلاف الظاھر وکتب فی الحاشیۃ لان المتبادر من اطلاق الصحۃ ضد الفساد والمرض۔

اذا اطلق الصفات یراد بھا الصفات الثبوتیۃ (منھیہ قل احمد شرح خیالی)

اذا اطلق الصدقۃ فی القرآن یراد بھا الصدقۃ المفروضۃ کالزکوٰۃ والعشر واما فی الاحادیث فکثیرا ما یراد بھا غیرھا کما فی قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی فضیلۃ الصدقۃ اعظمھا اجرا الذی انفقتہ علی اھلک (مشکوٰۃ ص۱۷۰)

باب الطاء والظاء

واذا اطلق الطرفان فی کتب اصحابنا الحنفیۃ یرادبھما ابو حنیفۃ ومحمد رحمھما اللّٰہ تعالیٰ۔

اذا اطلق الطعام یتبادر منہ البر کما فی فتح القدیر ص۳۳۳ ج۳ ، وقد کان یراد بہ الشعیر

اذا اطلق الظلم یراد بہ التعدی علی الغیر (قل احد ص۱۳۲)

باب العین والغین

اذا اطلق العالم یتبادر الذھن منہ الی العالم المحسوس کما قال ملا عبدالحکیم الفاضل اللاھوری علی تفسیر البیضاوی ص۵۵

اذا اطلق العلم فی القرآن وکتب علم الکلام یراد بہ الیقین

اذا اطلق العامل اللفظی فی کتب النحو یتبادر منہ الذھن الی انہ مؤثر لفظا ومعنی کما فی حاشیۃ الفوائد الضیائیۃ ثم ص۳۳)

اذا اطلق العبادۃ یرادبھا العبادۃ المقصودۃ کما فہم من الھدایۃ ص۳ ج۱)

اذا اطلق عبد اللّٰہ فی کتب الحدیث من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یراد بہ عبد اللّٰہ بن مسعود بن غافل بن حبیب الھذلی ابو عبد الرحمن من اجلۃ اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

اعلم ان العبادلۃ من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مأتان وعشرون واذا اطلقوا ارادوا اربعۃ عبد اللّٰہ بن عباس و عبد اللّٰہ بن عمر وعبد اللّٰہ بن الزبیر و عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ عنھم اجمعین ولیس منھم (ای من العبادلۃ الاربعۃ) عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ کما توھم الجوھری (صراح ص۲۳۳ ج۲) قال السیلوی عفی اللّٰہ لہ ولوالدیہ وفی ما قالہ صاحب الصراح رحمہ اللّٰہ نظر ظاھر کیف وھو (عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ) اعلم وافقہ الصحابۃ بعد الخلفاء الاربعۃ کما فی شرح مسند الامام الاعظم ص۶ وکان افضل من سائر العبادلۃ کما فیہ ص۹) وھو صاحب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قدیما سفرا وحضرا

صاحب نعل رسول الله صلى الله عليه وسلم ونعماه ووساده وشهد طهوره وقال عليه السلام خذوا القرآن من اربعة وذكره منهم وكان هو وامه من يحسب من اهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم من كثرة دخولها وتردّدهما اليه ودخوله في بيته بلا اذن كما اخرجه البخاري وغيره وكان مفتيا مرجوعا اليه في المشكل باتفاق علماء الحجاز والشام والعراق وقال عليه السلام ما حدّثكم ابن مسعود فصدّقوه (ترمذي ص۲۲۴) وشهد له عمر بن الخطاب رضي الله عنه انه مليء علما وقال له بعض الصحابة رضي الله عنهم لا تسألوني ما دام هذا الحبر فيكم وهذا القدر من المناقب لم يثبت لاحد من سائر العبادلة.

اذا اطلق العجم يراد به ملك ايران. واما اذا قوبل بالعرب فيراد به ما سوى العرب فارسيا كان او هنديا او تركيا او غيرهم قال تعالى قالوا لولا فصّلت آياته أاعجميّ وعربيّ

اذا اطلق العرف يراد به العرف العام (مختصر معاني ص۳۰)

مطلق العقد يقتضي وصف السلامة عن العيب كذا في الهداية ص۳۲ ج۳)

اذا اطلق العكس في بحث القضايا يراد به العكس المستوي لا عكس النقيض

اذا اطلق العلم يراد به علم غير الجنس كذا في ص۳۵ مختصر المعاني واما علم الجنس فمخصوص بالنحاة لانه علم اضطراري كأسامة (ص۳۵ مختصر معاني).

اذا اطلق العلّة يراد بها الموجود المحدد والذي يعرض الموجود كذا في الجلد الرابع من الهداية ص۳

اذا اطلق الغصب يراد به عرفا اخذ مالٍ متقوّمٍ (هداية ص۳۱۶ ج۳)

اذا اطلق عمر يراد به عمر بن الخطاب رضي الله عنه ولكن صاحب الهداية اراد به في ص۱۸ عمر بن عبد العزيز بن مروان الخليفة رحمه الله تعالى وذلك منه امتحان امتحن به العلماء كذا قاله محي دمشقي رحمه الله تعالى

اذا اطلق عليّ في ذكر الصحابة رضي الله عنهم يراد به امير المؤمنين الخليفة الرابع ابو الحسن علي بن ابي طالب كرم الله وجهه.

باب الفاء والقاف

اذا اطلق الفتاوٰی یراد بها فتاوٰی علماء ماوراء النهر (نبراس ص ٣٦)

اذا اطلق الفحشاء فی القرآن یراد به الزنا الا فی قوله تعالیٰ الشیطٰن یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء فالمراد بالفحشاء هو البخل۔

اذا اطلق فخر الاسلام یراد به علی بن محمد بن عبد الکریم بن موسیٰ البزدوی السمرقندی المتکلم صاحب التفسیر واصول الدین واصول الفقه المتوفی سنة ۴۸۲ھ

اذا اطلق الفضلی یراد به ابوبکر محمد بن الفضل الکماری البخاری المتوفی سنة احدی وثمانین وثلث مائة ۳۸۱ھ (مقدمة عمدة الرعایة ص ١٦)

اذا اطلق القبر فی بحث عذاب القبر وتنعیمه فالمراد به عالم البرزخ دون الحفرة التی یدفن فیها الجسد العنصری للمیت اذ عذاب القبر ثابت قطعا لمن اکله السباع او احترق فی النار او غرق فی البحر او النهر او خسف فی الارض او حفظ جسده العنصری علی ظهر الارض کالفراعنة وغیرهم ونؤمن بان قوم نوح وآل فرعون کلهم معذبون بالنار بالنص القرآنی مع انهم ما دفنوا فی الحفرات وقد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران والحدیث وان کان ضعیفا لان حسین بن محمد الجعفی الکوفی ذکره الطوسی من رجال الشیعة من الرواة عن جعفر الصادق کما فی لسان المیزان ص ۳۰۳ ج ۲ لکن یؤیده ما ورد فی صحیح البخاری ص ۱۸۵ قالا ذاك منزلك قلت دعانی ادخل منزلی. قالا انه بقی لک عمر لم تستکمله فلو استکملته اتیت منزلک واخرجه فی المشکوٰة

اذا اطلق القرن الاول یراد به قرن الصحابة رضی الله عنهم اجمعین

باب الکاف

اذا اطلق الکافر یراد به من کفره ظاهر غیر مضمر (نبراس ص ۳٦) ای ینصرف الی المجاهر (شرح عقائد ط مصر ص ۲ ج ۱)

اذا اطلق الکفر یراد به الخروج عن ملة الاسلام (احکام القرآن للجصاص ص ۳۳ ج ۲)

اذا اطلق الكامل فی عرف الجاهلية يراد به من يجمع بين الرمی والسباحة والشعر والكتابة والفروسية كذا فی تسهيل الدراسة شرح ديوان الحماسة ص١٣٥

اذا اطلق الكتاب فی كتب الاصول يراد به كتاب الله المجيد

اذا اطلق الكتاب فی كتب النحو يراد به كتاب سيبويه (توضيح تلويح ص٣) و سيبويه هو عمرو بن عثمان بن قنبر ابو بشر ابو الحسن مولى بنی الحارث بن كعب ثم مولى آل الربيع بن زياد الحارثی اصله من البيضاء من ارض فارس ونشأ بالبصرة اخذ عن الخليل ويونس بن حبيب وهما عن قارئ البصرة ابی عمرو بن العلاء عن نصر بن عاصم عن ابی الاسود عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه. واخذ ايضا عن ابی الخطاب الاخفش وعيسى بن عمر وكان فی لسانه حبسة وقلمه ابلغ من لسانه كما فی بغية الوعاة ص٣٦٦ وكان سنيا على السنة. وقال ابن سيدة فی مقدمة المحكم ص٢ ولله در حذاق النحويين سيبويه فمن دونه ... كتاب سيبويه الذی هو نور الآداب ومادة انواع الاعراب. توفی سنة ٢٠٦

اذا اطلق صاحب الهداية لفظ الكتاب فی كتابه الهداية يريد به مختصر القدوری وتارة جامع الصغير للامام محمد رح وفی الشروح يراد متن ذلك الشرح

اذا اطلق كتب الاصول فی كتب الفقه للاحناف اريد بها الكتب الستة للامام محمد رحمه الله وهی المبسوط والجامع الصغير والجامع الكبير والسير الصغير والكبير والزيادات وكتاب الكافی للحاكم ايضا من اصول المذهب وقد شرحه شمس الائمة السرخسی وكتاب المنتقى للحاكم ايضا اصل للمذهب من كتب محمد ولا يوجد فی هذه الاعصار وفی هذه الامصار كذا فی عمدة الرعاية ص٩

اذا اطلق الكراهة فی كلام الفقهاء فالمراد بها الكراهة التحريمية الا ان ينص على الكراهة التنزيهية او يدل دليل على ذلك كذا ذكره النسفی فی المستصفى وابن نجيم فی البحر الرائق وغيرهما (مقدمة عمدة الرعاية ص١٥)

اذا اطلق الكوثر يراد به الحوض الكوثر.

باب اللام

اذا اطلق اللفظ الموضوع لمعنی یراد به المعنی الحقیقی دون المجازی الّا اذا قامت قرینة صارفة عن المعنی الحقیقی کدلالة حال المتکلم او دلالة العرف او دلالة نفس الکلام او محل الکلام او

اذا اطلق اللفظ ثم بیّن معناه المجازی فهو بیان تغییر (هدایه ص٣٢٢ ج٣)

باب المیم

اذا اطلق المؤطا یراد به مؤطا للامام مالك بروایة یحیی کذا فی مقدمة المؤطا للامام محمد رحمه الله ص٣٥)

اذا اطلق المبتدأ یراد به القسم الاول من المبتدأ

اذا اطلق المتون الثلاثة یراد بها الوقایة و الکنز و مختصر القدوری.

اذا اطلق المتون الاربعة یراد بها الثلاثة المذکورة و المختار

اذا اطلق المتأخرون (عند الفقهاء الحنفیة) یراد بهم من شمس الائمة الحلوانی الی حافظ الدین البخاری الکبیر محمد بن محمد

اذا اطلق المثل یراد به المثل صورة و معنی (بین سطور الهدایة ص٣٥٦ ج٣)

اذا اطلق المجاز یراد به المجاز اللغوی (مختصر المعانی ص٣٣٣).

اذا اطلق المخالفة یراد به ترك العمل دون الانکار (نور الانوار ص٢٣٨).

اذا اطلق المدینة یراد بها مدینة الرسول صلی الله علیه وسلم و قد کرهوا اطلاق لفظ یثرب علیه قال الله تعالی اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبهم مرض ما وعدنا الله ورسوله الا غرورا ○ واذ قالت طائفة منهم یا اهل یثرب لا مقام لکم فارجعوا فهذا قول المنافقین و نحن نُهینا عنه.

اذا اطلق المشرك یراد به من یعبد الاوثان دون الیهود والنصارٰی (احکام القرآن للجصاص ص١١٣) وقد اطلق فی الحدیث لفظ المشرکین علی الیهود

والنصاریٰ کما فی المشکوٰۃ ص ۳۰۵ عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصیٰ بثلٰثۃ قال اخرجوا المشرکین (ای الیہود والنصاریٰ) عن جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم

اذا اطلق المعنیٰ یراد بہ المعنی المطابقی دون التضمنی والالتزامی

اذا اطلق معاویۃ من الصحابۃ یراد بہ امیر المؤمنین خال المسلمین معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کما فی حاشیۃ المشکوٰۃ۔

اذا اطلق المعاملۃ ینصرف الی المعاوضات (ج۳ ص۲۹۹ ھدایۃ)

اذا اطلق المفعول یراد بہ المفعول الصریح بلا واسطۃ حرف الجر۔

اذا اطلق المفعول لہ یراد بہ المفعول لہ بلا واسطۃ حرف الجر۔

اذا اطلق المفعول فیہ یراد بہ المفعول فیہ بلا واسطۃ فی

اذا اطلق المیت فی العرف لایفہم منہ المقتول فلذا عطف او قتل علی مات فی القرآن (مسائل رازی ص۳) قلت قال اللہ تعالیٰ افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم وقال اللہ تعالیٰ ولئن قتلتم فی سبیل اللہ او متم لمغفرۃ من اللہ ورحمۃ خیر مما یجمعون ولئن متم او قتلتم لَاِلی اللہ تحشرون

اذا اطلق امکان الانفکاک یتبادر منہ امکانہ بحسب الوجود دون ما ھو بحسب الحیز (ص۱۱ قل احمد)

اذا اطلق الممکن فی الحکمۃ الالٰہیۃ یتبادر منہ الذھن الی الممکن الوجود

اذا اطلق الممتنع " " " " " " الممتنع الوجود (حمد اللہ ص۳)

اذا اطلق المولیٰ یراد بہ مولی العتاقۃ غالبا دون مولی الموالاۃ (تدریب الراوی ص۲۶۹)

باب النون

اذا اطلق النجاسۃ تراد بہا النجاسۃ الغلیظۃ (نعم المفتی والسائل ص۳۱)۔

اذا اطلق النظم یراد بہ فی عرف القوم الشعر الا فی کتب الاصول والتفسیر فیراد بہ عبارۃ القرآن کذا فی نور الانوار ص۸

اذا اطلق النقض یراد بہ النقض الاجمالی دون التفصیلی (رشیدیہ ص۲) فان

النقض التفصیلی یسمی بالمنع ولا یطلق علیہ النقض الا مقیدا بالتفصیلی والنقض الاجمالی هو ابطال دلیل المعلل بعد تمامه متمسکا بشاهد یدل علی عدم استحقاقه للاستدلال به . والشاهد ما یدل علی فساد الدلیل لتخلف او لاستلزامه محالا .
والمنع هو طلب الدلیل علی مقدمة معینة .

اذا اطلق النهی یقع علی القبیح لعینه فی الافعال الحسیة وعلی القبیح لغیره وصفا فی الافعال الشرعیة

اذا اطلق النوع یراد به النوع الحقیقی دون الاضافی

باب الواو

اذا اطلق الواجب فی الحکمة الالهیة یراد به ویتبادر منه الذهن الی واجب الوجود
اذا اطلق الوجوب یراد به المتبادر فی الذهن ای الوجود الخارجی (عبد الحکیم علی تفسیر البیضاوی ص۵) .

اذا اطلق الوحدة یراد بها الوحدة الشخصیة (من متن متین ص۱۶۲)
اذا اطلق الوصف یتبادر منه الوصف اللسانی (ص التعلیق العجیب)
اذا اطلق الوضع یراد به الوضع بلا تاویل (مختصر معانی ص۳۱۸)
اذا اطلق الوضع یراد به الوضع الحقیقی دون الادعائی (مختصر معانی ص۳۳۵)
اذا اطلق الوطی الحرام یراد به الزنا (من السطور هدایه ص۴۸۹ ج۲)
اذا اطلق الولیمة یراد به طعام العرس ویقید ها فی غیره فیقال ولیمة الختان ونحوه . ماخوذ من الولمة اجتماع چیزے و فراہم کردن آن الولم الجمع وزنا و معنی لان الزوجین یجتمعان (تحفة العرب ص۱۹)

باب الهاء

اذا اطلق الهدی یراد به ما یجزی فی الاضحیة (هدایه ص۲۶۰ ج۱)
اذا اطلق الهیولی یراد بها الهیولی الاولی والمادة (میبذی)

فائدہ

كثيرا ما يطلقون عباراتهم في موضع اعتمادا على التقييد في محله وقصدهم بذلك ان لا يدعي علمهم الا من زاحمهم بالركب وليعلم انه لا يحصل الا بكثرة المراجعة وتتبع عباراتهم والاخذ عن المشايخ كذا في البحر الرائق؛ مقدمة عمدة الرعاية ص ٥؛

وصلى الله تعالى على خير خلقه سيد البشر خاتم النبيين محمد وعلى آله واصحابه واهل بيته وذرياته وعترته اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين ○

حرره طالب الخير في الكونين
محمد حسين صانه الله عن الشين
مدرس ضياء العلوم بلاك ١٣
سرگودھا

تحقیق النجاۃ
فی
تحقیق لولاک

الحمد لله رب العلمين و العاقبة للمتقين و الصلوة و السلام على سيدنا محمد وعلى اله و اصحابه و اهل بيته و ذرياته وعترته اجمعين

وبعد فيقول طالب الخير فى الكونين المدعو محمد حسين غفره الله رب المشرقين و المغربين انه قد اشتهر عند العامة و الخاصة قول لولاك لما خلقت الافلاك و كثير من القصاص و الوعاظ يبينونه على رؤس المنابر فى الاجتماعات و المحافل و الخطبات ويذكره الشعرآ فى القصائد و الرباعيات زاعمين انه حديث صحيح متواترا ومشهور قاله رسول الله صلى الله عليه وعلى اله وسلم عن الله جل وعلا و التحقيق ان الكلام المشهور على السنة العوام و الخواص ليس من كلام افصح العرب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا من كلام خالق الالسنة و اللغات رب العلمين بل هذه العبارة موضوعة مخترعة كما صرح به محمد بن طاهر بن على الصديقى الفتنى رحمه الله فى مجمع بحار الانوار ج٣ص٣٦ وتذكرة الموضوعات ص٨٦ وملا على القارى فى الموضوعات ص٩٤ وغيرهما ولا ينبغى نسبة مثل هذه العبارة الى افصح العرب النبى الكريم صلى الله عليه وسلم ولا الى الله تعالى لان فيها كلمة شاذة قليلة الاستعمال غير فصيحة فاردنا ان نورد ما قال فيه النحاة

قال ابن عقيل فى شرح الفية ابن مالك ص٢٦٤ للولا و لوما استعمالان . احدهما ان يكونا دالين على امتناع الشئ لوجود غيره وهو المراد بقوله ع اذا امتناعا بوجود عقدا و يلزمان حينئذ الابتداء فلا يدخلان الا على المبتدأ . ويكون الخبر بعدهما محذوفا وجوبا . ولابد لهما من جواب فان كان مثبتا قرن باللام غالبا وان كان منفيا بـ "ما" تجرد عنها غالبا . وان كان منفيا بـ "لم" لم يقترن بها نحو لولا زيد لاكرمتك . ولوما زيد لاكرمتك . و لوما زيد ما جاء عمرو ولولا زيد لم يجئ عمرو . فزيد فى هذه المثل ونحوها مبتدأ وخبره

محذوف وجوباً والتقدیر لولا زیدٌ موجودٌ .....

والاستعمال الثانی لـ لولا ولوما وهو الدلالة علی التحضیض ویختصّان حینئذٍ بالفعل. نحو لولا ضربت زیداً. ولوما قتلت بکراً.

فان قصدت بهما التوبیخ کان الفعل ماضیاً. وان قصدت بهما الحث علی الفعل کان مستقبلاً بمنزلة فعل الامر کقوله تعالی فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ ای لینفروا

وقد یقع الاسم بعدها ویکون معمولاً لفعلٍ مضمرٍ او لفعلٍ مؤخرٍ عن الاسم. فالاول کقوله ؎

الآن بعد لجاجتی تلحوننی	هلّا التقدمُ والقلوبُ صحاحُ

فالتقدمُ مرفوع بفعلٍ محذوف. والتقدیر هلّا وجد التقدمُ.

والثانی کقولك لولا زیداً ضربتَ. فـ لولا مفعول ضربتَ

مبحث الضمیر الواقع بعد لولا

واعلم ان للنحویین فی هذا الموضوع ثلٰثة مذاهب

فمذهب سیبویه انه یری ایقاع الضمیر المنفصل المرفوع بعدها هو الوجه کقولك لولا أنت. ولا یمتنع من اجازة استعمال المتصل بعدها. کقولك لولاك ولولای ولولاه. ویحکم بان المتصل بعدها مجرورٌ بها فیجعل لها مع المضمر حکماً یخالف حکمها مع المظهر. و

مذهب الاخفش ان الضمیر المتصل بعدها مستعارٌ للرفع فیحکم بان موضعه رفعٌ بالابتداء وان کان بلفظ المضمر المنصوب او المجرور. فیجعل حکمها مع المضمر موافقاً لحکمها مع المظهر. و

مذهب المبرّد انه لا یجوز ان یلیها من المضمرات الا المنفصل المرفوع واحتج بانه لم یأت فی القرآن غیرُ ذلك وزعم ان فی قصیدة یزید ابن الحکم

؎ وکذا لم یأت فی کتاب من کتب صحاح الحدیث کصحیحی البخاری ومسلم وجامع الترمذی وسنن ابی داؤد والنسائی وابن ماجه ولا فی الموطاین ولا فی مسند الدارمی واحمد والطیالسی وابی عوانة وغیرها

بن ابی العاص الثقفی من ثقیف ابن بکر بن هوازن . وامه بکرة بنت زبرقان بن بدر) یعاتب فیها اخاه عبد ربه) رع وکم موطن لولای طحت کما هوی

وکم موطن لولای طحت کما هوی		باجرامه من قلة النیق منهوی

شذوذ فی مواضع کثیرة وخروجا عن الوجه والقیاس ومن اجل ذلک فلا حجة فی الاستشهاد بشیء منها . (حاشیه شرح المفصل ص۱۱۹)

قلت وهو الاوجه فان الشعر فیه شذوذ اخر کما قال شارح المفصل ص۱۱۹ قوله منهوی ای ساقط من الانهواء (من باب الانفعال) وهو شاذ . لان نون المطاوعة (ای نون الانفعال) انما تدخل فعلاً متعدیاً نحو کسرته فانکسر وحسرته فانحسر وهو کما ترى لازم

واذا کنی عن الاسم الواقع بعد لولا وعنی فالشائع الکثیر ان یقال لولا انت ولولا انا وعسیت وعسیت . قال الله تعالى لولا انتم لکنا مؤمنین وقال تعالى فهل عسیتم . قال هل عسیتم . وقد روی الثقات من العرب لولاک ولولای و عساک وعسانی (شرح المفصل ص۱۱۸)

ان الاسم الواقع بعد لولا الظاهر یرتفع بالابتداء عند جماعة البصریین فاذا کنی عنه فینبغی ان لا یختلف اعرابه لان العامل فی الحالین شیء واحد فکما انه اذا کان ظاهرا یکون مرفوعا بالابتداء فکذلک اذا کنی عنه یکون فی محل الرفع بالابتداء ویکون لفظه من الضمائر المرفوعة المنفصلة هذا هو القیاس وعلیه اکثر الاستعمال . فعلى هذا تقول لولا انت ولولا انتما ولولا انتم . قال الله تعالى لولا انتم لکنا مؤمنین . وقال عامر بن (عمرو بن سنان بن) الاکوع وهو یحدو برسول الله صلی الله علیه وسلم ـ

لا هم لولا انت ما اهتدینا		ولا تصدقنا ولا صلینا

واما الکسائی فکان یرى ارتفاع الاسم بعد لولا بفعل مضمر . معناه "لو لم یکن" فعلى هذا ینبغی اذا کنی عنه ان تقول لولا انا ولولا انت لان الفعل لم یظهر فیتصل به کنایته فوجب ان یکون الضمیر منفصلا (شرح المفصل ص۱۱۸)

وفی شرح الکافیة للعلامة نور الدین الجامی رحمه الله ص۳۳ قال الکسائی الاسم

الواقع بعدها (ای لولا) فاعل لفعل مقدر ای لولا وُجِدَ زیدٌ و
قال الفراء لولا هی الرافعة للاسم الذی بعدها (ص۴۳ شرح جامی)
وقال المحشی بین سطور شرح الکافیة لنور الدین رحمه الله تعالیٰ ان
البصریین یقولون ان لولا حرف برأسها یلزم بعدها المبتدأ ولیست من
حروف الشرط (ص۴۳ بین سطور شرح جامی)
قلت بعون الله ان حاصل هذه المذاهب ان کلمة لولا اذا وقع بعدها اسم فلا یخلو
اما ان یکون اسما ظاهرا او اسما ضمیرا فان کان اسما ظاهرا فقد یکون اسما صریحا نحو لولا زید
لکان کذا وقد یکون اسما تاویلیا کقوله تعالیٰ لَوْلَا اَنْ رَّاٰی بُرْهَانَ رَبِّهٖ ولولا ان ربطنا علی
قلبها ولولا ان منّ الله علینا. لولا ان صبرنا علیها وایّاما کان فهو مرفوع لا محالة ثم ان اختلف
فی وجه ارتفاعه فعند الکسائی مرفوع بفعل مضمر معناه لولم یکن وعند الفراء لولا نفسها
رافعة للاسم الواقع بعدها وعند البصریین مرفوع للابتداء وخبره محذوف الا اذا وقع بعد
ذلك الاسم ینتصب عنه کقولك لولا زیدا ضربت فهو مفعول مقدم منصوب لذلك الفعل
المؤخر

واما اذا وقع بعد لولا اسم ضمیر فلا یخلو اما ان یکون مرفوعا منفصلا او متصلا واما
ان یکون منصوبا منفصلا او متصلا واما ان یکون مجرورا متصلا فقط (دون المنفصل
فان الضمیر المجرور لم یات فی لسان العرب منفصلا) ولا سبیل الی ان یکون ضمیرا مجرورا
متصلا ولا الی ان یکون منصوبا متصلا ولا منفصلا فان الضمیر المجرور لا یاتی الا بعد الاسم
او حرف الجر ولولا لیس باسم ولا حرف جر الا عند سیبویه کما قال عبد الرسول

چوں بہ لولا ضمیر مجرور گردد متصل   ہست نزد سیبویہ اُو جار چوں لولاکما

والذی قال فی حاشیته " و نزد سیبویہ ضمیر مجرور واقع موقع مرفوع است چنانچہ ضمیر مرفوع
در محل مجرور باشد چناں در قول عرب ما انا کانت وقال فی متن متین ص۱۳۲ و (من حروف
الجر) لولا مع الضمیر المجرور عند الکوفیة وقال ابن هشام فی مغنی اللبیب ص۲۱۶ سمع
قلیلا لولای ولولاك ولولاه خلافا للمبرد. قال سیبویه والجمهور هی جارة للضمیر مختصة
به کما اختصت حتی والکاف بالظاهر ولا تتعلق لولا بشیء وموضع المجرور بها رفع بالابتداء
والخبر محذوف وقال الاخفش الضمیر مبتدأ ولولا غیر جارة ولکنهم انابوا الضمیر

المخفوض عن المرفوع كما عكسوا (اى انابوا الضمير المرفوع عن المخفوض) اذ قالوا ما انا كأنت ولا انت كأنا وقد اسلفنا (فى علىّ) ان النيابة انما وقعت فى الضمائر المنفصلة لشبهها فى استقلالها بالاسماء الظاهرة فاذا عطف عليه اسم ظاهر نحو "لولاك وزيدا" تعيّن رفعه لانها لا تخفض الظاهر وقال فى بحث عسىٰ ص ٣٣ والمذهب الثانى انها (عسىٰ) باقية على عملها عمل كان (من رفع الاسم ونصب الخبر) ولكن استعير ضمير النصب مكان ضمير الرفع قاله الاخفش . ويردّه امران احدهما ان انابة ضمير عن ضمير انما ثبت فى المنفصل نحو ما انا كأنت ولا انت كأنا واما قوله يا ابن الزبير طالما عصيكا فالكاف بدل من التاء بدلا تصريفيا لا من انابة ضمير عن ضمير قاله ابن مالك (ص ٣٣)

قلت ولك ان تقول هو شعر وقد تقرر فى مقره انه يجوز فى الشعر ما لا يجوز فى غيره وقال العلامة جار الله الزمخشرى رحمه الله

ضرورة الشعر عشرة عدّ جملتها … وصل وقطع وتخفيف وتشديد
مدّ وقصر واسكان وتحريك … منع صرف وصرف ثم تعديل

وقال فى حاشية متن متين ص ٣ فان الشعر وان كان موردة الضرورة ملجئة الى المسامحات فكيف يستدل به على جواز مثل هذا التركيب

قلت فيه ليس فيه احد من الامور العشرة التى عدّها الزمخشرى فى البيتين قلت ليس ما قال الزمخشرى للحصر بل امور كثيرة منها ادخال الجار والمجرور بين المضاف والمضاف اليه قال الحماسى ص ٣٠٦ هما اخوا فى الحرب من لا اخا له فطيء اخوا مقانا ومن لا اخا له مضاف اليه وبينهما فاصلة الجار والمجرور "فى الحرب" ومنها حذف نون التثنية قال الحماسى ص ١ هما خطتا اما اسار ومنة وإما دم والقتل بالحرّ اجدر ای خطتان تثنية خطة حذف نونه لضرورة الشعر وكذا فى ص ٣٠ هما كتفا الاحرض اللذا لو تزعزعا اى اللذان . ومنها حذف نون الجمع قال الحماسى ص ٤

انا الذى يجدونى فى صدورهم … لا ارتقى صدرا منها ولا ارد

فقد حذف نون يجدوننى

وكذا ايراد الضمير المتصل بعد "الّا" شاذ كما قال محمد بن مالك رح فى الفيته

وذو اتصال منه ما لا يبتدا … ولا يلى "الّا" اختيارا ابدا

اى الضمير البارز المتصل هو الذى لا يبتدا به كالكاف من اكرمك ونحوه . ولا يقع الضمير

البارز المتصل بعد "إلا" في حالة الاختيار فلا تقول ما أكرم إلاك. وقد جاء الضمير البارز المتصل بعد "إلا" في الضرورة الشعرية كما قال شاعر

أعوذ برب العرش من فئة بغت ... عليّ فما لي عوض إلاه ناصر

أي إلا إياه كما قال تعالى وقضى ربك أن لا تعبدوا إلا إياه. وقال شاعر آخر

وما علينا إذا ما كنت جارتنا ... أن لا يجاورنا إلاك ديار

أي إذا كنت جارتنا فلا نكترث بعدم مجاورة أحد غيرك فقد وقع الضمير البارز المتصل بعد "إلا" في ضرورة الشعر وكذا إيراد الضمير المتصل بعد لولا لم يرد إلا في الأشعار فلا يستدل بها لإثبات القاعدة الكلية واقصى ما ثبت به الجواز وهو لا ينافي انتفاء الفصاحة كما قال مصطفى بن محمد البناني في التجريد حاشية مختصر المعاني تحت قوله الحمد لله العلي الأجلل والقياس الأجل" أورد عليه أن عدم الادغام لم لا يجوز أن يكون لضرورة الشعر. أجيب بأن اقصى ما ثبت به الجواز وهو لا ينافي انتفاء الفصاحة. لأن هذا الانتفاء يلزم من عدم كون الكلمة كثيرة الدوران على ألسنة العرب العرباء لا من عدم جواز ما ارتكبه الشاعر. ألا ترى أن استعمال الجرشي جائز قطعا إلا أنه مخل بالفصاحة اهـ

(ج۱ ص۳۵ مختصر المعاني مع تجريد البناني)

ولهذا قال ملا علي القاري رحمه الله تعالى في كتابه المصنوع في أحاديث الموضوع ص۱۵۰ حديث لولاك لما خلقت الأفلاك قال الصغاني موضوع وكتب عليه المحشي أي بهذا اللفظ وقد ذكره القسطلاني في المواهب من الدر المنظيم في مولد النبي الكريم بلفظ لولاك لما خلقت السماء ولا الأرض قط

وفي الموضوعات الكبير له ص۵۹ فقد الديلمي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما مرفوعا أتاني جبرائيل فقال يا محمد لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار وفي رواية ابن عساكر لولاك ما خلقت الدنيا

ففي جميعها لفظ لولاك وهو كما ترى في ما سلفنا انه لا يناسب بكلام أفصح العرب والشعر الذي ورد فيه لفظ لولاي فليس بحجة به فانه من بني ثقيف ولكن اما انشد في مقامات الحريري فانه عجمي ليس من قحّ العرب

قال جلال الدين السيوطي رحمه الله في كتابه الاقتراح ص۱۵

فصل واما كلام العرب فيحتج منه بما ثبت عن الفصحاء الموثوق بعربيتهم .

قال ابو نصر الفارابي في اول كتابه المسمّى بـ"الالفاظ والحروف" "كانت قريش اجود العرب انتقاءً للافصح من الالفاظ واسهلها على اللسان عند النطق واحسنها مسموعاً وابينها ابانة عما في النفس والذين عنهم نُقلت اللغة العربية وبهم اقتدى وعنهم اخذ اللسان العربي من بين قبائل العرب هم قيس وتميم واسد فان هؤلاء هم الذين عنهم اكثر ما اخذ ومعظمه وعليهم اتّكل في الغريب وفي الاعراب والتصريف ثم هذيل وبعض الطائيين. ولم يؤخذ عن غيرهم من سائر قبائلهم.

وبالجملة فانه لم يؤخذ عن حضري قط ولا عن سكان البوادي ممن كان يسكن اطراف بلادهم التي تجاور سائر الامم الذين حولهم. فانه لم يؤخذ لا من لخم ولا من جذام فانهم كانوا مجاورين لاهل مصر والقبط. ولا من قضاعة ولا من غسان ولا من اياد فانهم كانوا مجاورين لاهل الشام واكثرهم نصارى يقرؤون في صلوتهم بغير العربية ولا من تغلب ولا النمر فانهم كانوا بالجزيرة مجاورين لليونانية. ولا من بكر لانهم كانوا مجاورين للنبط والفرس. ولا من عبد القيس لانهم كانوا سكان البحرين مخالطين للهند والفرس ولا من ازد عمان لمخالطتهم للهند والفرس ولا من اهل اليمن اصلاً لمخالطتهم للهند والحبشة ولولادة الحبشة فيهم. ولا من بني حنيفة وسكان اليمامة ولا من ثقيف وسكان الطائف لمخالطتهم تجار الامم المقيمين عندهم. ولا من حاضرة الحجاز لان الذين نقلوا اللغة صادفوهم حين ابتدأوا ينقلون لغة العرب قد خالطوا غيرهم من الامم وفسدت السنتهم

ثم قال في ص. ونقل ذلك ابو حيان في شرح التسهيل معترضاً به على ابن مالك حيث عني في كتبه بنقل لغة لخم وخزاعة وقضاعة وغيرهم وقال ليس ذلك من عادة ائمة هذا الشان.

وقال السيد كرامت حسين الكنتوري في مقدمة كتابه "فقه اللسان" قال الشيخ عيني في رسالته المسماة "بارتقاء السيادة" ان العرب الماخوذ عنهم اللسان العربي الموثوق بعربيتهم هو بنو قيس وتميم واسد وهذيل وبعض الطائيين اي بني طي انتهى فكانت لغة هذه القبائل المذكورة افصح لغات العرب وعليها المعتمد واليها المرجع ومن هذه القبائل بنو قريش وهم بطون مضر ولد اسمعيل على نبينا وعليه الصلوة والسلام ولغتهم مفضلة على غيرها لانه الا فيها نزل القرآن (ص۔)

قلت وكذا هذيل من بطون مضر كذا فى نهاية الارب لله ابو العباس شهاب الدين فى سبائك الذهب والتميم من بطون هذيل وتميم بن ظريف من بطون قيس بن عيلان فان قلت ان استشهادنا لا يختص فى شعر المتقى بل لنا فيه استشهادات منها اورده سيبويه والجمهور وكذا فى المفصل وقد روى الثقات عن العرب لولاهم

خليلى ان العامرى لغادر … ولولاه ما قلت لدى الدراهم

وقال الأخر

اسعتكم بيراد عونى مرتبا … لولاكم ساغ لحمى عندها ودم

وقال الأخر

ولولا هم لكنت كحوت بحر … هوى فى مظلم الغمرات داجى

وقال الأخر (قيل هو من اشعار عمر بن ربيعة كما فى حاشية المفصل ولكن المحشى لم يشر الى الحوالة)

ولولاك هذا العام لم احجج … اذمت بعينيها من الهودج

وقال الأخر

اتطمع فينا من اراق دماءنا … ولولاك لم يعرض لاحسابنا حسن

قلت هذه الاستشهادات اوردها سيبويه ردا لمذهب المبرد فان مذهب سيبويه على ما قال الرضى فى شرح الكافية والضمير عند سيبويه مجرور ولولا عنده حرف جر ههنا خاصة. قال ولا يبعد ان يكون لبعض الكلمات مع بعضها حال فيكون لولا داخله على الضمير المذكور حرف جر مع انها مع غيره غير عاملة بل هى حرف يبتدأ بعدها نحو لولا زيد ولولا انت ومثل ذلك بلدن فانها تجر ما بعدها بالاضافة الا اذا وليتها غدوة فانها تنصب كما يجيئ. ثم قال الرضى وقال ابو سعيد السيرافى الجار والمجرور اى لولاك فى موضع الرفع بالابتداء كما فى بحسبك درهم ثم قال الرضى وعند الاخفش والفراء ان الضمير بعدها ضمير مجرور ناب عن المرفوع كما ناب المرفوع عن المجرور فى نحو ما انا كانت

والرضى قد رد على هذه الثلثة من المذاهب مع انه يصحح مثل هذا التركيب فقال فى رده على مذهب سيبويه فيه نظر اى فى قول سيبويه نظر وذلك ان الجار اذا لم يكن زائدا كما فى بحسبك درهم فلا بد له من متعلق ولا متعلق فى نحو لولاك لم افعل ظاهرا و

له قال ... فى المفصل ... [illegible]

يصح تقديره ، وقال فى رده على مذهب السيرافى ان فيه نظرًا الان ذلك انما يكون بتقدير زيادة الجار ، واذا الزيكن زائدًا فلا بد له من متعلق فيكون مفعولًا لذلك المتعلق لا مبتدأ . ورد على مذهب الاخفش والفراء ويرد عليه ان النيابة انما وقعت فى الضمائر المتصلة لشبهها بالاسماء الظاهرة فى الاستقلال فاذا عطف عليه اسمًا ظاهرًا تعين رفعه نحو لولاك وزيد لانهما لا تخفض الظاهر انتهى

وقال الرضى وان رجح مذهب سيبويه بان التغيير عنده تغيير واحد وهو تغيير لولا وجعلها حرف جر بخلاف مذهب الاخفش فانه يلزمه تغيير اثنى عشر ضميرًا يرجح مذهب الاخفش بان تغيير الضمائر بقيام بعضها مقام بعض ثابت فى غير هذا الباب بخلاف تغيير لولا بجعلها حرف جر ، فارتكاب خلاف الاصل وان كثر اذا كان مستعملًا اهون من ارتكاب خلاف الاصل غير المستعمل وان قل (ص۲ رضى)

وكذا قال الشيخ جلال الدين السيوطى رحمه الله فى همع الهوامع شرح جمع الجوامع و لولا الامتناعية اذا تلتها ضمير جر نحو لولاى ولولاك ولولاه . . . . فقال سيبويه والجمهور موضعه جر بها واختصت به كما اختصت حتى والكاف بالظاهر . قالوا و لا جائز ان يكون مرفوعًا لانها ليست ضمائر رفع ولا منصوبًا والا لجاز وصلها بنون الوقاية مع ياء المتكلم كالياء المتصلة بالحروف (وجاز لولانى لا لولاى) ولانه كان حقها ان تجر الاسم مطلقًا (كما هو شان حروف الجر) لكن منع من ذلك تشبيهها بما اختص بالفعل من ادوات الشرط فى ربط جملة فالرابط التشبيه على موجب العمل فجردا بها المضمر . وقال الاخفش والكوفية موضعه رفع على الابتداء وانابة لضمير الجر عن ضمير الرفع كما عكسوا فى انا كانت وانت كانا ولولا غير جارة لان المضمر فرع الظاهر وهى لا تجر الاصل فكيف تجر الفرع . وما قيل من انها مختصة (بجر الاسم المضمر) ممنوع وانما هى داخلة على الجملة الابتدائية (ص۳۳ ج۲ همع الهوامع)

ثم نقل قول المبرد وقال قال المبرد هو لحن وكذا قال الرضى وقد يجئ بعدها الضمير المشترك بين النصب والجر الا عند المبرد فانه منعه وقال هو خطأ

ثم رد عليه السيوطى وقال ورد قول المبرد باتفاق ائمة البصريين والكوفيين على روايته عن العرب وقال الرضى ص۳ والصحيح رده وان كان قليلًا ثم استشهد بما

سه ہذا الرد لیس من الرضی بل من الدرر اللوامع شرح جمع الجوامع ص۳ ج۲ لاحمد بن الامین الشنقیطی نزیل مصر القاهرة رحمه

سلفنا من الاشعار

وقال الشيخ محمد قطة العدوی فی فتح الجليل شرح شواهد ابن عقيل ص۱۳۱ والشاهد فی قوله لولاه حيث احتج به سيبويه على المبرد الذی زعم ان هذا التركيب ونحوه لم يرد من لسان العرب وقال فی ص۱۳۲ والشاهد فی قوله لولای حيث جرت لولا الضمير كما هو مذهب سيبويه وفيه كسابقه رد على المبرد فی زعمه ان هذا التركيب لم يرد فی لسان العرب وهذا اما قالوا

ولا يخفى عليك ان هذا التقرير بشراشره لا يجديهم نفعًا اذ للمبرد ان يقول مجيبًا عن جميع ما ذكروا ان هذه الاستشهادات كلها ضرورة اذ لم يرد ذلك نثرًا فی لسان العرب كما قال الشيخ عبد المنعم الجرجاوی فی شرح شواهد ابن عقيل ص۱۳۱

وله ايضا ان يقول ان الشعر الاول والثانی مجهول قائلهما فقد قال احمد بن الامين الشنقيطی فی الدرر اللوامع فی الشعر الاول ولم نعثر على قائله وفی الشعر الثانی ولم نعثر على من خوطب به ولا قائله وقال فی الشعر الرابع والاشبه ان يكون من حيمية للعرجی نقل فی الاغانی بعضها لموافقته لاسلوبها ورويها انتهى وهو ايضا محل اشتباه هل هو له ام لغيره واما الخامس فقد قال فی شرح شواهد ابن عقيل قاله سيدنا عمرو بن العاص بن وائل بن هاشم بن سعيد بن سهم بن عمرو بن هصيص بن كعب بن لؤی القرشی السهمی ابو عبد الله من قصيدة يخاطب بها سيدنا معاوية بن ابی سفيان رضی الله عنهما ويحرضه فيها على قتال سيدنا الحسن (بن علی بن ابی طالب رضی الله عنهما) بسبب سفكه لدمائهم وقدحه فی احسابهم

ولكنا لن نؤمن به فانه بمعزل من شان الصحابة رضی الله عنهم ورضوا عنه فقد قال الله فی حقهم والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم وقال تعالى قوم يحبهم ويحبونه اذلة على المؤمنين اعزة على الكافرين يجاهدون فی سبيل الله ولا يخافون لومة لائم وكيف يظن بهم انهم كانوا يحرضون على قتال المسلمين سيما اولاد رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا حرب لمن حاربهم وسلم لمن سالمهم والقصة لا تكاد تصح فلا حاجة الى ما اجاب به الشيخ الجرجاوی فی شرح شواهد ابن عقيل حيث قال ولنمسك عن الخوض فی ذلك لئلا نقع فی المهالك لان ذلك باجتهاد منهم رضی الله عنهم ورضوا عنه انتهى مع انه رضی الله عنه كان من دهاة العرب ومن المتقدمين فی الرأی

والدهاء والفطنة كما اقرّ به الشيخ قطة العدوى فى فتح الجليل شرح شواهد ابن عقيل ص[1]

وقد كذّ على مثل هؤلاء الاكابر من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل هذا الافك والبهتان العظيم كالمحاربة بين امير المؤمنين على رضى الله عنه وبين ام المؤمنين عائشة الصديقة رضى الله عنها وكحرق امير المؤمنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه بيت سيدة النساء فاطمة الزهراء رضى الله عنها وكحرق امير المؤمنين عثمان بن عفان رضى الله عنه كلام الله العظيم وكمحو عبد الله بن مسعود رضى الله عنه المعوذتين من مصحفه وكاكل الداجن جزءًا من القرآن المطهر تحت السرير فى بيت عائشة رضى الله عنها والعياذ بالله من هذه الاكاذيب ونظائرها كثيرة مقامها غير هذه العجالة

فالحاصل ان الشعر ليس قائله من العرب بل اختلقه من بعده من المولدين او الاعاجم ونسبه الى من هو من اصحاب النبى الكريم وتمارس فى لسان العرب كخطبة الشقشقة وغيرها المنسوبة الى امير المؤمنين على كرم الله وجهه المندرجة فى نهج البلاغة ولم يرده احد من الثقاة وكديوان على رضى الله عنه فانه من اختلاق الاعاجم وكالدعاء المنظومة المنسوبة الى سيدنا صهر النبى صلى الله عليه وسلم خليفته ابى بكر الصديق رضى الله تعالى عنه مع انه رضى الله عنه لم يقل شعرًا مدة عمره كما قال الملا على القارى قال السيوطى عن عائشة رضى الله عنها قالت والله ما قال ابو بكر رضى الله عنه شعرًا قط فى جاهلية ولا اسلام ولقد تركه هو وعثمان رضى الله عنهما شرب الخمر فى الجاهلية اخرجه ابن عساكر بسند صحيح انتهى ص[2] نبراس شرح شرح العقائد النسفية

واما الشعر الذى استدل به سيبويه فهو البيت من ابيات ثلثة لعبد الرحمٰن بن حسان بن ثابت الانصارى هجا بها عبد الرحمٰن بن الحكم بن ابى العاصى على ما ذكره الشيخ احمد بن الامين الشنقيطى فى الدرر اللوامع على همع الهوامع شرح جمع الجوامع ص[3] فجوابه مثل ما مرّ ان للمبرد ان يقول ان ذلك ضرورة اذ لم يرد ذلك نثرًا فى لسان العرب ولم يقدر سيبويه ولا غيره من الجمهور على ايراد نثر من نثر العرب فيه مثل لولاك الذى هم بصدد تصحيحه ورده واستعماله فى كلام العرب فصار اللفظ غريبًا من حيث انه غير مانوس الاستعمال مخلًّا بالفصاحة بالنظر الى الاعراب الخلص من سكان البوادى لا بالنظر الى المولدين كما قاله القزوينى على ما ذكره فى تجريد البنانى ص[4] على

مختصر المعانی وصار الکلام مؤلفا علی خلاف القانون النحوی المشهور بین الجمهور کالاضمار قبل الذکر لفظا ومعنی وحکما نحو ضرب غلامہ زیدا مع ان الاخفش من النحاۃ قد اجازہ وتبعہ ابن جنی ولکنہ غیر فصیح وان استشہد علیہ ببیت ابو الغیلان

جزی بنوہ ابا الغیلان عن کبر		وحسن فعال کما یجزی سنمار

فانہ شاذ ونادر والتالیف مخالف للقانون المشہور فالبیت عجز لہ من الفصاحۃ

وکذلک الاصل والقانون المشہور عند جمہور النحاۃ بل جمیعہم ان الاتصال انما یکون باخر العامل لان الضمیر المتصل کالجزء الاخیر من عاملہ فاذا لم یکن ہذا العامل کما ہو رأی الاخفش حیث قال ان لولا غیر جارۃ (ولا ناصبۃ ولا رافعۃ) وعللہ بان المضمر فرع الظاہر وہی (لولا) لا تجر الاصل (ای الظاہر) فکیف تجر الفرع ثم قال انما ہی داخلۃ علی الجملۃ الابتدائیۃ (کما فی ہمع الہوامع ج۲) ولم یقل احد من النحاۃ انہا ناصبۃ ولم احد منہم انہا رافعۃ الا الفراء فانہ متفرد فی القول بان لولا ہی الرافعۃ للاسم الذی بعدہا الاختصاص لاختصاصہا بالاسماء کسائر العوامل) فکیف یصدق علیہ انہ کالجزء الاخیر فی کون اتصالہ بالاخر فان الجزء لا یختص بدون الکل فقول الاخفش مردود کما رد قولہ فی الاضمار قبل الذکر وان استدل ببیت ابی الغیلان وغیرہ فان الشاذ لا یقاس علیہ کما تقرر فی مقرہ وکما رد قولہ رد قول الفراء وکذلک قول سیبویہ غیر مقبول فانہ خلاف القانون المشہور المحقق عند النحاۃ فان الاصل عندہم ان الجار اذا لم یکن زائدا کما فی بحسبک درہم فلا بد لہ من متعلق ولا متعلق فی نحو لولاک لا فعل ظاہر او لا یصح تقدیرہ کما مر عن الرضی ج۲

وکذلک قول ابی سعید السیرافی مردود فانہ ایضا خلاف الاصل المشہور عند النحاۃ فان الاصل المقرر عندہم ان الجار والمجرور انما یکون فی موضع الرفع بالابتداء عند تقدیر زیادۃ الجار کما فی بحسبک درہم واما اذا لم یکن الجار زائدا فلا بد لہ من متعلق فیکون حینئذ مفعولا (غیر صریح) لذلک المتعلق لا مبتدأ کما مر ایضا عن الرضی ج۲

وعلی مذہب سیبویہ یلزم ایضا تغییر لولا وجعلہا حرف جر وہو خلاف الاصل وعلی مذہب الاخفش یلزم ایضا تغییر اثنی عشر ضمیر بقیام بعضہا مقام بعض فانہ وان ثبت فی غیر ہذا الباب لا یجری القیاس ہہنا فان النیابۃ انما وقعت فی الضمائر المتصلۃ لشبہہا

ص ۱۰ ای فی الضمیر المتصل ... لولا توافق الفراء والاخفش فی ان الضمیر ... [illegible]

... کما مر ... [illegible]

بالاسماء الظاهرة فی الاستقلال فالضمائر المتصلة بهذه لو لم یصح قیاسها علی قولهم ما انا کانت

فاذا ثبت ان لا سبیل الی کون الضمیر الواقع بعد لولا مجرورًا ولا منصوبًا ولا مرفوعًا متصلا تعین کونه مرفوعًا منفصلاً بناءً علی انه مبتدأ محذوف الخبر کما هو المشهور کثیر الاستعمال عند الفصحاء من العرباء کما افتی به العلماء واشاروا الی قلة ورود الضمیر المتصل بعد لولا کما قال الرضی وقد یجیئ بعد لولا الضمیر المشترک بین النصب والجر ص ۲۰ وقال ردًا علی المبرد فالصحیح وروده وان کان قلیلا نورود ه فی بعض الاشعار لا یخرجه من کونه شاذا کما قال ابن حاجب وعمل ما فی لا شاذ مع وروده فی شعر سعد بن مالک بن ضبیعة بن قیس بن ثعلبة جد طرفة بن العبد البکری من صد عن نیرانها ؛ فانا ابن قیس لا براح ؛ وکذا قالوا فی قولهم "انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووه" شاذ وکذا قالوا

فلا والله لا یلقی اناس	فتی حتاک یا ابن ابی زیاد

والشاذ له ثلثة معان ۱ـ قلیل الاستعمال ۲ـ خلاف القیاس ۳ـ غیر فصیح فما نحن فیه لا شک انه شاذ بالمعنی الاول اجماعًا ای قلیل الاستعمال وقد ثبت مما سلفنا انه خلاف القیاس ایضا فان الاکثر فی الاستعمال انفصال الضمیر بعد لولا لان ما بعد لولا مبتدأ محذوف الخبر والمبتدأ واجب الانفصال لکون عامله معنویًا کقولک انت تقوم کذا فی تحریر سنبٹ ص ۲۳ والفاضل اللاری قال فی حاشیة شرح الکافیة للجامی مستدلا علیه بقوله لکون ما بعد لولا مبتدأ عند الجمهور او فاعل فعل محذوف (عند الکسائی) او مرفوعًا بلولا (عند الفراء) والوجوه الثلثة تقتضی الانفصال (عبد الغفور علی شرح جامی ص ۳۳)

فثبت ان الانفصال هو الاصل والقیاس والاکثر الاولی بعد لولا واما اتصال الضمیر بعد لولا فخلاف الاصل والقیاس وقلیل نادر وروده ایضا فی الشعر ولم یرد فی النثر قط ولم یتکلم به العرب فی النثر،

ولو سلمنا ان الاتصال لیس بضعیف فی الشعر فلا نسلم عدم ضعفه فی النثر فان الضعف ربما کان فی النثر دون الشعر لان ضرورة الشعر کما تجیز ما لیس بجائز فقد تقوی ما هو ضعیف کما قاله فی عروس الافراح علی مختصر المعانی شرح تلخیص المفتاح ص ۹۹

وقد تقرر فی مقره ان الشاذ لا یقاس علیه کما قال السعد التفتازانی فی المطول ص ۲۰ واما قوله جزی بنوه ابا الغیلان عن کبر ؛ وحسن فعل کما یجزی سنمار ؛ وقوله الا لیت شعری هل یلومن قومه ؛ زهیرا علی ما جر من کل جانب فشاذ لا یقاس علیه

وقال صاحب العرس ص ۹۹ فربما كان الشئ فصيحا فى الشعر غير فصيح فى النثر فلا تجوز جماعة ضرب غلامه زيدا الا فى الشعر فقط

فثبت ان اتصال الضمير بعد لولا شاذ بالمعانى الثلثة فهو قليل الاستعمال وخلاف القياس وغير فصيح سيما فى النثر لم يتكلم به العرب

فائدہ قال مولانا عبد الغفور ان فى كلامه (اى كلام سيبويه) قلة التغير وهى فى لولا فقط واما فى قول الاخفش كثرة التغير وهو فى اثنى عشر صيغة وهى الضمائر. فرجح الفاضل اللاهوری قول سيبويه وجعل قول الاخفش مرجوحا

وقال مولانا عصام الدين رحمه الله الاولى قول الاخفش لان فى كلامه تغيرا عند الحاجة لان الحاجة عند التلفظ بالضمير واما عند التلفظ بلولا فلا حاجة الى التغير كذا فى سوال باسولى ص ۸۴ وقال فى تحرير سنبث فالحاصل ان الاخفش تصرف فى المعمول وسيبويه تصرف فى العامل ص ۲۳۱)

فائدہ واما ما قال سيبويه ان لولا حرف جر والضمير المتصل بعدها مجرور فالرضى بعد ذكر قوله قال فيه نظر لان ذلك يكون اذا لم يكن الجار زائدا فلابد له من متعلق ولا متعلق فى نحو لولاك الخ قال عبد الهادى بن رضوان نجا الابيارى على حاشية الامير على مغنى اللبيب لابن هشام ص ۲۳۵ وقيل تتعلق بفعل واجب الاضمار فاذا قلت لولاى لكان كذا فالتقدير لولاى حضرت ولا يجوز ان يعمل فيها الجواب لان ما بعد اللام لا يعمل فيما قبلها. ورد بان فى تقديره تعدى الفعل المضمر المتصل الى ضميره المجرور وهو كالمنصوب كذا فى النتيه (القصر المبنى على حواشى المغنى ص ۲۳۵)

واجاب الفاضل اللاهوری عن نظر الرضى فى حاشية شرح الجامى ص ۲۳۶ بقوله ويمكن ان يقال متعلقه جوابه اذ لا معنى لولاك لهلكت انتفى هلاكى لوجودك ثم رد عليه الفاضل اللاهوری عبد الحكيم رحمه الله تعالى بقوله فيه ان تاويله بما ذكره وكونه محصل معناه لا يوجب تحقق متعلق لولا لفظا والكلام فيه. على ان كون معناه لوجودك على تقدير كونه حرف جر ممنوع اذ الحرف لا يكون بمعنى مجموع الحرف او الاسم ثم قال والاظهر ان يقال فى الجواب يمكن لولا مثل الحرف الزائد فى عدم اقتضاء المتعلق. وما قالوا انه لابد لحرف الجر من متعلق مرادهم الحروف المعدودة اى المشهورة (عبد الحكيم ص ۲۳۶ على عبد الغفور)

فائدة

فائدة : قال احمد خليل العونى القليبي فى الحاشية الجديدة على شرح عصام الفريدة
فان قلت ان المخالفة فى الكلام للقاعدة النحوية عند معظم النحاة وان كان مطابقا لما هو مذهب
بعض النحاة تضر البلاغة وان المخالفة فيه للقاعدة النحوية الاتفاقية تضرها للبلاغة
بالطريق الاولى والحال كذلك فى بلاغة الكلام وفى الفصاحة لا تضر المطابقة لما هو
مذهب البعض من القاعدة الصرفية بل المخالفة للاتفاقية لا تضر فما السر فى ذلك ،
قلت السر فى ذلك ان المراد بالقياس فى تعريف الفصاحة القانون المستنبط من تتبع
لغة العرب اعنى مفردات الفاظهم الموضوعة اما فى حكمها كوجوب الاعلال فى نحو قام
والادغام فى مد وغير ذلك مما اشتمل عليه علم التصريف واما نحو ابى يابى واستحوذ وآل
وماء وما اشبه ذلك من الشواذ الثابتة فى اللغة فليست من المخالفة فى شئ لانها كذلك
ثبتت عن الواضع فهى فى حكم المستثنيات من القاعدة والقياس . فكانه قيل كل فعل
اجوف واوى او يائى اذا تحركتا قلبتا الفا نحو قام وكال الا نحو ... واستحوذ وما اشبههما
مما ثبت عن الواضع من الشواذ فليس فى حق المستثنيات قياس حتى يخالفه بل المخالفة
ما لا يكون على وفق ما ثبت عن الواضع نحو قوم وكيل فهما ليسا بفصيحين .

واذا عرفت هذا عرفت ان خلاصة السر ان المفرد اذا كان مطابقا لما ثبت عن
الواضع سواء كان مخالفا للقانون الاتفاقى او للقانون الجمهورى او مطابقا للقانون عند البعض
وان كان ضعيفا لا يضر فصاحته فان الشواذ المستثنيات كلها سماعية مستعملة مقبولة
بخلاف الغير المستثنيات الغير السماعية فانها غير ثابتة عن الواضع لعدم السماع . مثلا
لو قلت من عندك قوم زيد فى مقام قام زيد كان هذا غير فصيح لكونه مخالفا للقانون
الصرفى لعدم السماع . واذا قلت عى زيد لم يكن مخالفا له فيكون فصيحا للسماع .

فان قلت ان القانون النحوى ايضا مستنبط من تتبع لغة العرب اعنى الفاظهم
المركبة مثل كل فاعل مرفوع وكل فاعل متصل بعامله مقدم على مفعوله وجوبا وكل فاعل
اتصل اضمار ... واعراب مفعوله لفظا يقدم عليه وجوبا وكل مبتدأ متضمن لمعنى الاستفهام
يقدم على خبره ... او غير ذلك فلم صار المخالفة للقانون النحوى الذى اختاره معظم الاصحاب

وتحصل هم تفترق بلاغة الكلام وإن كان مطابقا لمذهب بعضهم دون المخالفة فى فصاحة
المفرد والكلام فهل لا يلزم الترجيح بلا مرجح مثل قوله جزى ربه عنى عدى بن حاتم ٭
جزاء الكلاب العاويات وقد فعل ٭ فانه ليس بليغا لانه مخالف لما عند معظم الاصحاب من ان
الاضمار قبل الذكر لفظا ورتبة غير جائز وإن كان مطابقا لما عليه الامام الاخفش من جوازه
قلت نعم ان القانون النحوى مستنبط من تتبع لغة العرب اعنى الفاظهم المركبة
لكن بعض القانون النحوى يثبت بالاعتبار والتصرف فى كلامهم من جهة المعنى لكنه
قد يكون ذلك الاعتبار والتصرف قويا موافقا لكثرة الوقوع فى كلامهم وقد يكون ضعيفا
مخالفا لكثرة الوقوع فى كلامهم كاستدلال الامام الاخفش بالقول المذكور اتفاقا على الاضمار
قبل الذكر لفظا ورتبة جائز باعتبار والتصرف فيه من جهة المعنى بان اعتبار رجاع ضمير
"ربه" الى جزاء الكلاب العاويات المتاخر لفظا وهو ظ وإما تاخره رتبة فلانه مفعول
مطلق ورتبته متاخرة عن رتبة الفاعل لما مر قريبا . وهذا الاعتبار والتصرف فيه ضعيف
لكونه مخالفا لكثرة الوقوع فى كلامهم وهو ان الضمير يعود دوما الى ما تقدم ذكره لفظا تحقيقا
او تقديريا او معنى يستفاد من اللفظ بعينه او من سياقه او حكما فاذا كان الوجه قويا
كان القانون الثابت به مختارا مقبولا كالقواعد عند معظم الاصحاب واذا كان ضعيفا
كان الثابت به ضعيفا غير مقبول كالقاعدة المذكورة الثابتة عند الاخفش بخلاف الشواذ
المستثنيات فانها لما ثبتت عن الواضع كذلك بالسماع كانت مقبولة عند الكل سواء
دخلت تحت قاعدة الصرف لفظ بعضها بقلة الحذف والتخليف كما فى باب الافعال فى نحو
ابلغ عند سيبويه او بكثرة الحذف بلا تخليف كما فى جميع المزيدات عند المبرد والاخفش
فان طابقت فيها وان لم تطابق فنحر ايضا .

وخلاصة الجواب انا لا نسلم انه يلزم الترجيح بلا مرجح عند ذلك انما يكون كذلك
لو استوى بلاغة الكلام وفصاحة المفرد فى المقبولية ان يدخل كل من الكلام والمفرد تحت
قاعدة وليس كذلك الا ترى ان مقبولية المفرد ثبت بالسماع بخلاف مقبولية الكلام وبلاغته
لن هل تحتاج الى الدخول تحت قاعدة قوية دون ضعيفة . ٢٥٤

فائدة : قال عصام تحت مثال مخالفة القياس اللغوى الحمد لله العلى الاجلل بفك
الادغام فان قلت لم لا يجوز للشاعر فك الادغام وهو جائز بشرط الاضطرار اتفاقا وعند
ابن جنى من غير اضطرار ؟ قلت الضرائر مقيسة وغير مقيسة . وفك الادغام فى

الاجلل غير مقيسة فلعل الشاعر ليس من العرب العرباء بل ممن ليس له الفك فهاربيع
ص٣ حاشيه عقود الدرر)

فائدة: قال القليوبي اعلم ان الشاذ على اقسام الاول ما ثبت فى اللغة فهو ليس من
المخالفة فى شئ لانها كذلك ثبت من الواضع وهو فى حكم المستثنى كانه قيل القياس كذا
وكذا الا فى هذه الصورة نحو أبى يأبى دعوة واستحوذ وقطط شعره وآل وماء وما اشبه
ذلك من الشواذ الثابتة فى اللغة اى الاستعمال وهذا القسم هو الذى عرّفه بعضهم بانه
ما يكون مخالفا للقياس دون الاستعمال. الثانى ما يكون مخالفا للاستعمال دون القياس
نحو يضرُب بضم الراء فانه لم يستعمل كذلك لكنه على القياس وهو كون المغايرة بين
عين الماضى والمضارع كما بيّن فى محله. الثالث ما يكون مخالفا للقياس والاستعمال نحو
قوَل وبَيَع ماضيين والأجلل بفك الادغام. والقسمان الاولان مقبولان لكن الثانى
دون الاول على ما قاله نجم الائمة والثالث مردود (حاشيه على عصام ص٢٥٥)

وحاصل ما اوردنا فى هذه الفوائد ان لولاك فى النثر مخالف للقياس والاستعمال
عند جميع ائمة النحاة فثبت باجماع البصريين والكوفيين انه فى النثر مردود مخالف
للقياس والاستعمال فيكون غير فصيح

واما ما ينسب الى افصح من نطق بالضاد احسن فصاحة وبلاغة من الاولين و
الآخرين من قوله لولاك لما خلقت الافلاك فغلط فاحش من حيث العربية والفصاحة
والبلاغة بل اختلقه الناس بعد المائتين من عهد النبى صلى الله عليه وسلم واصحابه رضى
الله عنهم وتابعيهم وتبع تابعيهم وائمة النحاة الثقات والدليل عليه انه لو كان الحديث المذكور
واثرا سائرا فى عهد النحاة لاوردوه فى استدلالهم بلا شك وقلق واضطراب بل جعلوه
من اقوى الدلائل ولم يضطروا الى ابيات المجهولين واشعار من ليس من عرب العرباء
ولم يقل المبرد فى رد دعويهم انه لحن وخطأ ولم يرد استدلالهم بانها اشعار ولم يرد ذلك
نثرا فى لسان العرب بل الجواب مفقود من قبل سيبويه ولم يبق رتاج على ان يقول انه
قد ورد فى النثر ايضا بل فى الحديث القدسى الثابت عن افصح العرب صلى الله عليه وسلم
فماذا يطلب المبرد بعد ما هو من اقوى الدلائل الثابت فكيف يقول اهل زماننا انه حديث
مشهور.

ثم اقول قد قال المحشى في حاشية كتاب المصنوع في احاديث الموضوع تحت قوله
حديث لولاك لما خلقت الافلاك قال الصغاني موضوع اي بهذا اللفظ وقد ذكر القسطلاني في
المواهب من الدر المنظيم في مولد النبي الكريم بلفظ لولاك لما خلقت سماء ولا ارضا فقط ثم
استشهد له بما رواه الحاكم في صحيحه عن عمر رضي الله عنه مرفوعا ان ادم عليه السلام راى
اسم محمد صلى الله عليه وسلم مكتوبا على العرش وان الله تعالى قال لآدم لولا محمد ما خلقتك
انتهى ما زاد الزرقاني في شرحه وروى ابو الشيخ والحاكم عن ابن عباس رضي الله عنهما اوحى
الله تعالى الى عيسى عليه السلام امن بمحمد صلى الله عليه وسلم ومُر امتك ان يؤمنوا به
فلولا محمد ما خلقت ادم ولا الجنة ولا النار الحديث صححه الحاكم واقره السبكي و
البلقيني ومثله لا يقال بالرأي فحكمه الرفع انتهى ما في الزرقاني مختصرا.
وقال الذهبي في سنده عمرو بن اوس لا يدري من هو
قال الذهبي في ميزان الاعتدال ... فلولا محمد ما خلقت ادم ولا الجنة ولا النار فيه عمرو
بن اوس لا يدري من هو - زرقاني. عمرو بن اوس يجهل حاله واتى بخبر منكر اخرجه الحاكم في
المستدرك واظنه موضوعا من طريق جندل بن والق حدثنا عمرو بن اوس ثنا سعيد عن
ابي عروبة عن قتادة عن سعيد بن المسيب عن ابن عباس رضي الله عنهما قال اوحى الله الى
عيسى عليه السلام امن بمحمد فلولاه ما خلقت ادم ولا الجنة ولا النار الحديث (لسان الميزان ٣٥٤)
قال ابن حجر في الجوهر المنظم والسبكي في كتابه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لما
اقترف ادم الخطيئة قال يا رب اسالك بمحمد صلى الله عليه وسلم الا ما غفرت لي قال
الله يا ادم كيف عرفت محمدا صلى الله عليه وسلم ولم اخلقه قال يا رب لما خلقتني
بيدك ونفخت فيّ من روحك رفعت راسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبا لا اله
الا الله محمد رسول الله فعلمت انك لم تضف الى اسمك الا احب الخلق اليك
فقال له الله صدقت يا ادم انه لأحب الخلق اليّ واذ سألتني بحقه فقد غفرت لك و
لولا محمد ما خلقتك. والمراد بحقه رتبته ومنزلته لديه تعالى. والحق الذي جعله
الله سبحانه وتعالى له على الخلق او الحق الذي جعله الله تعالى بفضله له عليه الخ

الجواب: هذا الحديث لا اصل له. بل الثابت عند اهل العلم والمفسرين ان
قوله تعالى فتلقى ادم من ربه كلمات نزل في توبة ادم وهذه الكلمات هي المفسرة
بقوله تعالى ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين. وهذا

مروی عن سعید بن جبیر ومجاهد وابی العالیه والربیع بن انس والحسن وقتادة و محمد بن کعب القرظی وخالد بن معدان وعطاء الخراسانی وعبد الرحمن بن زید وعن ابن عباس قال علم شان الحج وعن عبد بن عمیر انه قال قال آدم یارب خطیئتی التی اخطأتُ شیئاً کتبته علیَّ قبل ان تخلقنی او شیءٌ ابتدعتُه من قبل نفسی؟ قال بل کتبتُه علیک قبل ان اخلقک. قال فما کتبته علیَّ فاغفره لی. قال فذلک قوله تعالیٰ فتلقّیٰ آدم من ربه کلمات. وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال آدم علیه السلام الم تخلقنی بیدک قیل له بلی ونفخت فیَّ من روحک قیل له بلی. وعطست فقلت یرحمک الله وسبقت رحمتُک غضبَک قیل له بلی وکتبتَ علیَّ ان اعمل هذا قیل له بلی قال أفرأیت ان تبتُ هل انت راجعی الی الجنة قال نعم وکذا رواه العوفی وسعید بن جبیر وسعید بن معبد ورواه الحاکم فی مستدرکه الی ابن عباس رضی الله عنهما. وروی ابن ابی حاتم حدیثاً مرفوعاً شبیهاً بهذا وعن مجاهد قال الکلمات اللهم لا اله الا انت سبحانک وبحمدک ربی انی ظلمت نفسی فاغفر لی انک خیر الغافرین اللهم لا اله الا انت سبحانک وبحمدک رب انی ظلمت نفسی فتب علیَّ انک انت التواب الرحیم. هذا ما علیه السلف لا ما قاله الغلاة. فان کان بعض من لا بصیرة له قد ذکره فالحجة عما ثبت عن الصحابة رضی الله عنهم وعن سلف الامة وائمتها ولا یجوز تفسیر القرآن باقوال شاذة او موضوعة لا تثبت عند اهل العلم والحدیث وائمة التصحیح والترجیح. وما رویٰ ابن حمید الرازی الحکایة المنسوبة الی مالک مع ابی جعفر المنصور وفیها انه سأل مالکاً فقال یا اباعبد الله! استقبل القبلة وادعو ام استقبل رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ولم تصرف وجهک عنه وهو وسیلتک ووسیلة ابیک آدم علیه السلام الی الله یوم القیامة بل استقبله واستشفع به. فرد الحفاظ علی ابن حمید هذه الحکایة وذکروا ان اسنادها مظلم منقطع مشتمل علی من یتهم بالکذب وقالوا ابن حمید کثیر المناکیر ولم یسمع من مالک شیئاً بل روایته عنه منقطعة. ومحمد بن حمید الرازی هذا تکلم فیه غیر واحد من الائمة ونسبه بعضهم الی الکذب (غایة الامانی ص ۳۵۵ و ص ۳۵۶)

قال الامام الشاہ عبد العزیز المحدث المفسر الفقیه الناصح فی تحفه اثنا عشریہ

در شیعت دیگر آنکہ در حق امیر المؤمنین کلمات غلو آمیز روایت کنند و آنچہ در حق پیغمبر

قال فی جبار الرائق ص ۱۳۱ لا یکفی بقوله لولا نبینا لم یخلق آدم علیه السلام وهو رای غلو القول خطأ ... [illegible]

از مبالغات مشہورہ بر لب عوام و اکثر وسائر ہست و عند المحدثین ہیچ اصل ندارد مثل
لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ در حق امیر المومنین مانند آن را صحیح و قطعی دانند من ذلک
ما رَوَاهُ ابن بابویه مرفوعًا لَوْلَا عَلِيٌّ لَمَا خَلَقَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ وَالْمَلٰئِكَةَ. (تحفه
اثنا عشریه قلمی ورق ۱۰۱ و ۱۰۳)

لا یقال ان الحدیث اذا کان دائرا وسائرا علی السنة العوام مستفاضا واشتهر والمشہور من اقسام المقبول فکیف یصح ان یقال لا اصل له عند المحدثین کما فی التحفة لانا نقول ان المشهور معنیان احدهما ما رواه ثلثة فاکثر ما لم یبلغ حد التواتر وهو المستفیض عند جماعة من الاصولیین والفقهاء وبعض المحدثین ویطلق ایضا علی ما اشتهر علی الالسنة مطلقا ولو کان له اسناد واحد او لا اسناد له وهو المعنی الثانی والشهرة علی هذا النحو لا یلزم منها صحة الحدیث او ضعفه کذا فی المقدمة للمقاصد الالسنة ص ک) ومثله ما قال فی شرح نخبة الفکر۔

قال الامام اللکنوی رحمه الله: وفی العدة واعلم ان الاحادیث التی لا اصل لها لا تقبل والتی لا اسناد لها لا یروی بها فی الحدیث اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار فقید صلی الله علیه وسلم الروایة بالعلم۔ وکل حدیث لیس له اسناد صحیح ولا هو منقول فی کتاب مصنفه امام معتبر لا یعلم ذلک الحدیث عنه صلی الله علیه وسلم فلا یجوز قبوله فی مسلم کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع وفیه یکون فی آخر الزمان کذابون دجالون یأتونکم باحادیث بما لم تسمعوا ... آباؤکم فایاکم وایاهم لا یضلونکم ولا یفتنونکم (تذکرة الموضوعات ص۸)

اما ما قال علی بن سلطان محمد القاری رحمه الله فی الموضوعات الکبیر فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی الله عنهما مرفوعا اتانی جبریل فقال یا محمد لولاک ما خلقت الجنة ولولاک ما خلقت النار وفی روایة ابن عساکر لولاک ما خلقت الدنیا انتهی وفیه ایضا لولاک الذی نحن بصدد رده وکونه مردودا غیر صحیح ولم یذکر لهذا الحدیث اسناد فکیف یحتج به وقد یروی الراوی من حدیث الثقات ما لا اصل له لا یصح ولا یحل الاحتجاج به کما فی لسان المیزان ص۲۶

واما الحدیث الذی رواه الدیلمی وابن عساکر فقد قال الجلال السیوطی فی کتابه جمع الجوامع وما کتب العقیلی وابن عدی وتواریخ الخطیب وابن عساکر وابن النجار والدیلمی

فی مسند الفردوس فکل ما ینسب الیه ضعیف (کوثر النبی ص ۱۳۷ لعبد العزیز الفرهاروی رح)
ولو کان الحدیث علی وفق شرائط اصحاب الکتب الستة لاوردوها فی کتبهم ولکنهم
ترکوها فعلم ان الحدیث ادون مرتبة من الاحادیث التی فی الکتب الستة بل لم یورده
احد سوی ابن عساکر والدیلمی وقد عرفت حالهما فکیف یبنی علیه العقیدة الدینیة وان
کان دائراً سائراً علی السنة العوام قال فی التوضیح والتلویح ص ۲۴۳ ج ۲ طـ مصر واما بعد القرون الثلثة فاکثر
اخبار الآحاد نقلت بطریق التواتر لتوفر الدواعی علی نقل الاحادیث وتدوینها فی الکتب وفیه
اشارة الی ان خبر الواحد اذا لم یکن راویه الاول متنزهاً عن وصمة الکذب لا یفید علم
الطمانینة وان دخل بعد ذلک فی حد التواتر کما یشتهر من الاخبار الکاذبة فی البلاد -
قال محمد بن سیرین انما کره الکتب فانما تاه من کان قبلکم بالکتب او قال ضل من
کان قبلکم بالکتب (الطبقات الکبری لابن سعد ج ۷ ص ۱۳۴)
فان قلت ان الامام ابا حنیفة رحمه الله انشد قصیدة واورد فیها لولاک
قلت لم یثبت عن ابی حنیفة الامام انشاد قصیدة بنقل صحیح عن
الثقات ولو سلم فهو بیت یجوز فیه ما لا یجوز فی النثر فافهم ولا تغفل
ثم اقول ان هذا الحدیث کانه من وضع مسیحی دخل فی الاسلام لاضلال اهل
الاسلام فان المسیحیین من عقائدهم ان المسیح عیسی بن مریم اول ما خلقه الله ولولا
المسیح لما خلق الله الارض ولا السماء ولا العرش ولا الکرسی ولا غیرها من الخلق قال
تارا کشمیری فی الوهیت مسیح ص ۴ ربنا المسیح ... وہ خداوند جس کی روح پانیوں پر
جنبش کرتی تھی جس کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا گیا ہے اس نے اپنی ساری لوہا کی
شان اور آسمانی جاہ و جلال کو چھوڑا الخ وهذه العقیدة مندرجة فی کلسیون ۱ : ۱۶
وفی حقیقة عرفان فضیلت اول کہ وہ مسیح باعث ایجاد عالم ہیں یعنی اسی کے وسیلہ سے تمام کائنات
اور سب چیزیں پیدا ہوئیں چنانچہ لکھا ہے کہ ... خداوند کے کلام سے آسمان بنے ... انجیل میں لکھا ہے
ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا

حاصل المرام

فعلم مما ذكرنا من معتقدات المسيحيين ان الروافض التقطت هذه العقيدة منهم واهل البدع اخذوها من اهل الرفض واخترعوا لهذه العقيدة عبارة متفقاة و مسجعة ووضعوا لها احاديثا من انفسهم ونسبوه الى خير البرية افصح العرب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يكتفوا عليه بل جعلوه حديثا قدسيا من الله عز وجل و علا وهتكوا حرمة الحديث النبوي اعاذنا الله منه ومن سائر القبائح والذنوب وصلى الله تعالى على من هو افصح الناس واعلم الناس واتقاهم واعظمهم واحلمهم واكملهم عقلا وحسنا وجمالا وظاهرا وباطنا وعلى آله واصحابه وازواجه وذرياته وعترته اجمعين

كتبه طالب الخير في الكونين محمد حسين
صانه الله عن الشين مدرس ضياء العلوم
سرگودها

توحید و سنت کے جواہر پارے

الدر المنثورہ فی ربط آیۃ بآیہ و سورۃ بسورہ

جس میں قرآن پاک کی ہر سورۃ کو ماقبل و مابعد کی سورتوں سے مربوط کیا گیا ہے اور بعض آیات جو بظاہر غیر مربوط نظر آتی ہیں ان میں ربط بیان کیا گیا ہے اور ہر سورت کا خلاصہ و خلاصہ در خلاصہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ عرصہ دراز کے بعد دوبارہ طبع کرائی گئی ہے۔ جسے شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ پیر طریقت مجدد مأتہ حاضرہ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کی طرز پر تحریر فرمایا ہے۔ علماء کرام و طلباء کیلئے بہترین تحفہ ہے۔ کاغذ سفید۔ آفسٹ طباعت۔ قیمت ۱۸/ روپے

التوحید

حضرت شیخ التفسیر مولانا محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تالیف ہے اور یہ مایہ ناز کتاب کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ اس کتاب کے تین حصے مولانا موصوف کی زندگی میں ہی کئی بار شائع ہو چکے تھے۔ اور اس کتاب کا آخری حصہ جو مولانا موصوف نے اپنے آخری ایام زندگی میں تحریر فرمایا۔ کافی عرصے سے خواہش تھی کہ تمام حصوں کو یکجا کر کے شائع کیا جائے۔ اب ادارہ نے اس کی طباعت کا مکمل کر لیا ہے۔ انشاء اللہ چند روز تک یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی۔

دعوۃ الحق

جس میں مسئلہ توحید کی حقیقت کو حضرت فاضل لاثانی جبل التوحید والسنۃ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد امیر نور اللہ مرقدہٗ نے سہل اور عام فہم پیرایہ میں عوام الناس کے نفع کے لئے واضح کیا ہے۔ اگر آپ کے پاس یہ کتاب ہے تو آپ مسلح ہیں آپکے ہاتھ میں کتاب و سنت کے وہ جوہر دار ہتھیار اور جوہری اسلحہ ہے جن سے نہ صرف اعدائے دین کے جارحانہ ارتکابات کی مؤثر و کامیاب مزاحمت و مدافعت کی جا سکتی ہے بلکہ آپ خود اور اپنے ہم مسلک اہل حق کے متاع ایمان کی پوری پوری حفاظت کر سکیں گے۔ کاغذ سفید۔ طباعت آفسٹ۔ جلد کارڈ بورڈ۔ قیمت ۵/۰ روپے

القول القوي
في
تحقيق لفظ النبي

الحمد للہ وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علی النبی المصطفٰی وعلٰی آلہ واصحابہ المنادین بأدابہ اما بعد فقد اشتہر فی ہذا الزمان الاختلاف فی معنی النبی فقال قوم ان معنی النبی من یخبر اخبار الغیب وہذا لا یکون الا وصفا لمن یعلم جمیع الغیوب فینتج ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم جمیع الغیب

قالوا ان القاضی عضد والسید السند قالا فی شرح المواقف ص۶۶۳ وھو (ای النبی) لفظ منقول فی العرف عن مسماہ اللغوی الی معنی عرفی اما المعنی اللغوی فقیل ھو المنبئ واشتقاقہ من النبأ فھو مھموز لکنہ یخفف ویدغم وھذا المعنی حاصل لمن اشتھر بھذا الاسم لانبائہ عن اللہ تعالی وقیل مشتق من النبوۃ وھو الارتفاع یقال تنبی فلان اذا ارتفع وعلا والرسول عن اللہ موصوف بذلک لعلو شانہ وسطوع برھانہ وقیل من النبی وھو الطریق لانہ وسیلۃ الی اللہ

قال مرزا غلام احمد قادیانی فی کتابہ "ایک غلطی کا ازالہ" اور یہ بھی یاد رہے کہ نبی کے معنے لغت کی رُو سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے اطلاع پاکر غیب کی خبر دینے والا ہیں جہاں یہ معنے صادق آئیں گے نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا اور نبی کا رسول ہونا شرط ہے کیونکہ اگر وہ رسول نہ ہو تو پھر غیب مصفّٰی کی خبر اس کو نہیں مل سکتی۔ ص۳

وقال فی تریاق القلوب ص۱۳۱ سو نبی کا خاص کمال یہی ہے کہ خدا سے علم غیب پاوے جو بطور نشان کے ہو

وقال فی رسالہ استفتاء ص۳ توریت اور قرآن نے بڑا ثبوت نبوت کا صرف پیش گوئی قرار دیا ہے

وقال فی کشتی نوح ۵ ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیشگوئیاں ٹل جائیں

وقد اطلق فی انجیل متی ۱۵ : ۸ ۔ لے ریاکارو! یسعیاہ نے تمہارے حق میں کیا خوب نبوت (پیشگوئی) کی کہ یہ امت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے مگر ان کا دل مجھ سے دور ہے

وقد صنف بجاسج ٹی۔ بی۔ ڈیوس رسالۃ فی لسان اردو سماھا " بائبل کی مصدقہ پیش گوئیاں " وعبّر عن پیش گوئی فی سائر رسالتہ بالنبوۃ۔ حیث قال
۱ مضبوط شہر صور جو نبوت (پیشگوئی) کے مطابق برباد ہوا۔ ۲ قدیم صیدا جو اب تک آباد ہے لیکن جس پر نبوت کے مطابق جنگوں کے نشانات ابھی تک قائم ہیں۔
۳ سامریہ کے متعلق قہر الٰہی کی نبوت ۴ فلسطین کی خوشحالی کے متعلق نبوت (پیشگوئی) ۵ موآب اور عمان کے کھنڈرات کے آباد ہونے کی نبوت ۶ نبوت (پیشگوئی) کے مطابق سنہری دروازہ کس طرح بند کیا گیا۔ ۷ یرمیاہ نبی کی نبوت کے مطابق یروشلم شہر کی موجودہ تعمیر

وقال المولوی احمد رضا خان البریلوی فی ترجمۃ القرآن یایھا النبیّ اے غیب کی خبریں بتانے والے ص۲۱۳ و ص۶۰۵ وص۲۶۸ وص۲۶۹ اے غیب بتانے والے ص۸۱۳ وص۳۳۴ وص۶۳۳ وص۸۱۳ وص۸۱۳ یا
وقال فی الملفوظ حصہ ثالث ص۱۰، ۱۱ نبوت کہتے ہیں علم غیب دینے کو امام قاضی عیاض مالکی رح شفا شریف میں فرماتے ہیں النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب

ولکنا نقول ان النبیّ مشتق من النباوۃ معتل اللام وھو العلو والارتفاع و ایضا الارض المرتفعۃ (نبراس ص) قال ابو الحسین احمد بن فارس بن زکریا المتوفی سنۃ ۳۹۵ النون والباء والحرف المعتل اصل صحیح یدل علی ارتفاع فی الشیٔ عن غیرہ او تنحّ عنہ نَبَا بَصَرُہٗ عن الشیٔ ینبو ونبا السیف عن الضریبۃ تجافی ولم یمض فیھا ونبا بہ منزلہ لم یوافقہ وکذا فراشہ ویقال نبا جَنْبُہٗ عن الفراش قال

ان جنبی عن الفراش لنابٍ ۔۔۔ کتجافی الاسر فوق الظراب

(مقاییس اللغۃ ج ۵ ص ۳۸۴)

ثم قال ویقال ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم اسمہ من النُّبُوَّۃ وھو الارتفاع کانہ مفضّل علی سائر الناس برفع منزلتہ۔ ویقولون النبیّ الطریق قال

لاصبح رتمًا دُقاق الحصی ۔۔۔ مکان النبیّ من الکاثب

(مقاییس اللغۃ ج ۵ ص ۳۸۵)

والمناسبة بين معناه الاصطلاحي الذي سيأتي وبين معناه اللغوي على هذا انه شرفه الله تعالى على سائر الخلق حتى ارتفعت منزلته وسمت درجته وعلت رتبته. وهو على هذا فعيل بمعنى مفعول والاصل فيه عدم الهمز (حاشيه شرح مسلم قول صاحب النبراس ص) وعترض عليه بانه خلاف مذهب المحققين ومنهم سيبويه وهؤلاء على انه مهموز اللام لاجماع العرب على قولهم يتنبأ مسيلمة الكذاب بالهمزة فالنبي مشتق من النبأ بسكون الباء وهو بمعنى الاخبار او الظهور او من النبأة بسكون الباء وهو الصوت الخفي وكل من المعاني الثلاثة صحيح في النبي لانه مخبر وظاهر الحقيقة وسامع الوحي ومنقول عن النبئ على فعيل بالهمزة وهو الطريق لانه طريق الى الله سبحانه و

وقال ابن فارس في مقاييس اللغة ص ٣٨٥ ج ٥ النون والباء والهمزة قياسه الاتيان من مكان الى مكان يقال للذي ينبأ من ارض الى ارض نابئ. وسيل نابئ اتى من بلد الى بلد ورجل نابئ مثله. قال

ولكن قذاها كل اشعث نابئ	اتتنا به الاقدار من حيث لا ندري

ومن هذا القياس النبأ الخبر لانه يأتي من مكان الى مكان والمنبئ المخبر وانبأته ونبأته. ونبأ الرامي فانبأ اذا لم يخرم (اى لم يخدش) كان سهمه عدل عن الخدش وسقط مكانا آخر والنبأة الصوت. وهذا هو القياس لان الصوت يجيئ من مكان الى مكان قال ذو الرمة

وقد توجس ركزا مقفر ندس	بنبأة الصوت ما في سمعه كذب

ومن همز النبي فلانه انبأ عن الله تعالى والله اعلم بالصواب.

اجيب بان قولكم ضعيف اما اولا فلان النبي لم يسمع مهموزا مع ان هذا الاعلال في الهمزة من الجائزات لا الواجبات واما ثانيا فلانه سمع النبي صلى الله عليه اعرابيا يقول يا نبيء الله بالهمزة فنهاه عن ذلك (نبراس ص)

ثم رد هذا الجواب الضعيف الذي اشار الى ضعفه بقوله اجيب حيث قال ودفع الاول بان التزام الاعلال غير مسلم وان اشتهر. وفي شرح الشافية جاء النبي مهموزا في القراءات السبع. والثاني بان الحديث غير صحيح وان رواه الحاكم لان في سنده حمران من غلاة الشيعة. ولو سلم فلعل الاعرابي اراد اشتقاقه

من نبات الارض او اخرجت منها الى الاخرى ش ؛)

قلت وفى دق الاول نظر قال ابو منصور الازهرى فى تهذيب اللغة ملخصًا ما كان مهموزًا من فعيل فجمعه فعلاء مثل ظريف وظرفاء (قال تعالى وقال انى برئ منكم وقال تعالى اذ قالوا لقومهم انا برآء منكم) فاذا كان من ذوات الياء فجمعه أفعلاء نحو غنى أغنياء ونبى انبياء بغير همز . فاذا همزت قلت نبئ نبآء

فبناء على هذه القاعدة لاشك فى ان النبى هذا الذى بحثنا فيه انما هو من المعتل اللام لا من المهموز فان جمعه فى القرآن قد استعمل على وزن أفعلاء دون فعلاء كقوله تعالى ويقتلون الانبياء بغير حق . قل فلم تقتلون انبياء الله من قبل . سنكتب ما قالوا وقتلهم الانبياء بغير حق . ولو كان هذا النبى من المهموز لكان جمعه نبآء ولم يأت نبآء لا فى القرآن ولا فى كلام النبى صلى الله عليه وسلم ولا فى كلام صحابى ولا تابعى ولا من احد من السلف الصالح

وفى حاشية النبراس وفى كلام بعض المعتزلة ان الرسول صاحب الوحى بواسطة الملك والنبى هو المخبر عن الله تعالى بكتاب او الهام او تنبيه فى المنام له ص ٢٣)

فعلم من هذا الذى اسلفنا ان المرزائية والحياتية والرضائية والمعتزلة قد اتفقوا على ان النبى معناه من يخبر عن الاحوال المستقبلة الغائبة وقالت الرضائية والمعتزلة معنى النبى من يخبر عن الله تعالى مطلقا سواء تعلق ذلك الاخبار بالاحوال الماضية او الحالية او الآتية .

وقال احمد رضا خان ان النبوة انما هو اعطاء الغيب (بالمصدر المبنى للفاعل كما قرأنا عن كتابه الملفوظ ج ٤) فعلى هذا الاخير اما ان يكون النبى بمعنى الفاعل او بمعنى المفعول فان كان الاول لزم ان يطلق اسم النبى على الله تعالى لانه هو الذى يهب العلم ويخبر عن علم الغيب للانبياء ولكن اطلاق اسم النبى على الله تعالى لم يرد فى الشرع ولم يقل احد ان الله تعالى نبى اى يعطى الانبياء علم الغيب وان كان الثانى لزم اجزاء النبوة كما قال مرزا غلام احمد القاديانى فان معنى النبى حينئذ الذى يعطاه علم الغيب ومن عقائدهم ان الاولياء ايضا يعلمون الغيب ولا شك ان علم الغيب ليس وصفا ذاتيا لهم بل من عطاء الله سبحانه وتعالى فيصدق تعريف النبى على

الاولیاء ایضا کما یصدق علی الرسل علیہم السلام والعیاذ باللہ
وما قال فی ترجمۃ القرآن فہو یصدق علی کل من یخبر غیرہ اخبار الحشر والنشر و
الجنۃ والنار وعذاب القبر والرسل والملائکۃ والجان وغیرہا من اخبار الغیب فلزم
ان یکون الکل انبیاء اذ یصح ان یقال انہ اخبرنا اخبار الغیب وحینئذ لم یبق
للنبوۃ مزیۃ ولا فضیلۃ
واما ما قال القاضی عیاض ان النبوۃ ہی الاطلاع علی الغیب فانما ہو بیان لازم
معناہ لا بیان معناہ المطابق
ولو قلنا ان النبی مفہوم ترک ہمزتہ فزیادۃ لفظ الغیب من غیر قرینۃ لا یجوز
بل ہو فی حکم النسخ فان تقیید المطلق نسخ ولا حق للعبد ان ینسخ
اما اذا قلت ان معناہ النذیر فہو انسب فان الانذار ہو الاعلام مع التخویف
ولذا اعتبرہ حجۃ الاسلام محمد قاسم النانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ "خبردار کرنے والا"
فافہم وتدبر وتفکر ولا تکن من المفرطین والمفرطین

کتبہ

طالب الخیر فی الکونین احقر
الثقلین محمد حسین صانہ اللہ
عن الشین صدر المدرس بالمدرسۃ
العربیۃ ضیاء العلوم بلاک نمبر ۱۸
سرگودھا

قول آل سید الانبیاء
فی
تعیین آل سید الشہداء
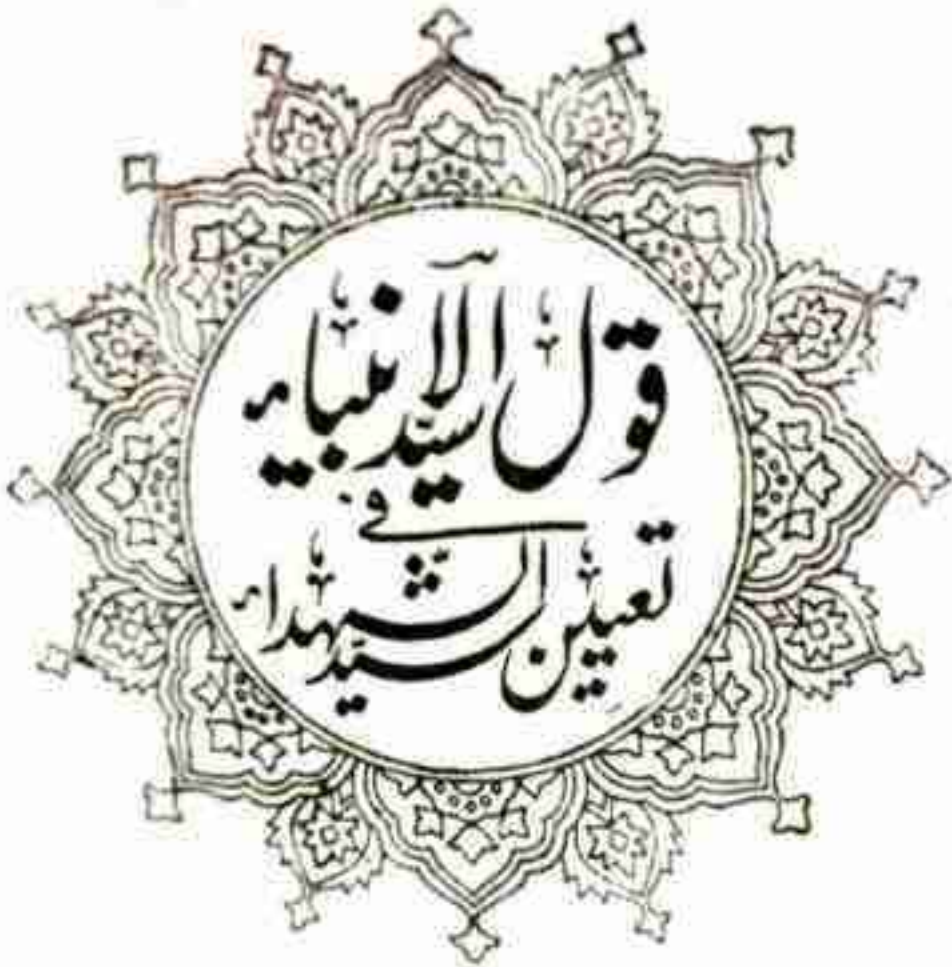
الحمد لله تعالى والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد وعلى آل محمد و
واصحابه اجمعين اما بعد فقد اختلف الناس فى هذا الزمان فقال بعضهم
ان سيد الشهداء انما هو حسين بن على رضى الله عنهما وقال بعضهم انه خبيب
وقال بعضهم انه بلال وقال بعضهم انه جعفر بن ابى طالب وقال بعضهم انه حمزة
عم النبى صلى الله عليه وسلم فاردنا ان نظهر ما هو الحق بعون الله وتوفيقه

قال ابن عابدين فى رد المحتار ص ۲۲۳ ج ۱ وروى ان خبيبا وعمارا ابتليا بذلك فصبر خبيب حتى
قتل فسماه النبى صلى الله عليه وسلم سيد الشهداء واظهر عمار وكان قلبه مطمئنا بالايمان
فقال النبى صلى الله عليه وسلم فان عادوا فعد. وقال ابن نجيم فى بحر الرائق ص ۲۳۶ ج ۲ ويثاب لو صبر
اى يكون ماجورا ان صبر ولم يظهر الكفر حتى قتل لان خبيبا رضى الله عنه صبر حتى قتل وسماه
النبى صلى الله عليه وسلم سيد الشهداء وقال هو رفيقى فى الجنة قلت ولكن خالفه المحدثون
فقد روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال حمزة سيد الشهداء او سماه
خير الشهداء كذا فى الاستيعاب لابن عبد البر رحمه الله

وقال ابن اثير فى اسد الغابة ص ۴۶ ج ۲ وهو حمزة بن عبد المطلب رضى الله عنه سيد
الشهداء ثم قال فى ص ۴۹ ج ۲ وقال ابو احمد العسكرى وكان حمزة اول شهيد صلى عليه
رسول الله صلى الله عليه وسلم

وقال الحافظ ابن حجر العسقلانى رحمه الله فى الاصابة فى تمييز الصحابة ص ۳۵۳ ج ۱ و
لقبه (اى حمزة بن عبد المطلب الهاشمى) النبى صلى الله عليه وسلم اسد الله وسماه
سيد الشهداء

وقال ابو عبد الله الحاكم فى باب مناقب حمزة بن عبد المطلب ص ۱۹۵ ج ۳ عن حفيد
الصفار عن ابراهيم الصائغ عن عطاء بن ابى رباح عن جابر عن النبى صلى الله عليه وسلم
قال سيد الشهداء حمزة بن عبد المطلب ورجل قام الى امام جائر فامره ونهاه فقتله
قال صحيح الاسناد ولم يخرجاه. وتعقبه العلامة الامام الذهبى وقال حفيد الصفار
لا يدرى من هو (ص ۱۹۰ ج ۳ وص ۱۹۱ ج ۳ نصب الراية)

وقال الحاکم فی ص ۱۹۹ ج ۳ عن عبد الله بن محمد بن عقیل قال سمعت جابر بن عبد الله یقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سیّد الشهداء عند الله یوم القیمة حمزة۔ و ذکر فیه قصة وقال صحیح الاسناد ولم یخرجاه اھ واقرّه الذهبی علیه

وروی الحاکم فی المستدرك والطبرانی فی معجمه عن ابی اسحق الشیبانی عن علی بن حزوّر عن الاصبغ بن نباتة عن علی رضی الله عنه قال ان افضل الخلق یوم یجمع الله الرسل۔ وافضل الناس بعد الرسل الشهداء وافضل الشهداء حمزة بن عبد المطلب وقد تکلم به رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال سید الشهداء حمزة بن عبد المطلب اھ و وسکت عنه۔

وروی نحو ذلك فی بلال رضی الله عنه رواه البزار فی مسنده من حدیث زید ابن ارقم ان النبی صلی الله علیه وسلم قال نعم المرء بلال وهو سید الشهداء والمؤذنون اطول اعناقاً یوم القیمة۔ ویتظر بقیة السند والمتن۔ (نصب الرایة ص ۱۶۱ ج ۳)

قال بدر الدین محمود العینی رح فی عمدة القاری شرح صحیح البخاری ص ۱۵۴ ج ۱۷

باب قتل حمزة بن عبد المطلب رضی الله عنه ای هذا الباب فی بیان قتل حمزة رض عمّ النبی صلی الله علیه وسلم وفی روایة ابی ذرّ "قتل حمزة" بدون لفظة "باب" وفی روایة النسفی قتل حمزة سیّد الشهداء۔ ووردت هذه اللفظة فی حدیث مرفوع اخرجه الطبرانی من طریق اصبغ بن نباتة عن علی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سید الشهداء حمزة بن عبد المطلب رضی الله عنه۔

وفی حیات القلوب ص ۳۶۳ ج ۲ پس (وحشی) در کمین حمزه رض نشست در هنگامے که حمزه مشغول کارزار بود ناگاه بر موضعے گذشت که سیلاب رخنه راهی کرده بود اسپش فرو رفت وادرا بر زمین افتاد۔ پس وحشی نیزه در دست داشت و بجناب سید الشهداء انداخت و بر تهیگاه آن حضرت خورد و از شانه اش بیرون آمد۔ و بروایت دیگر از حضرت صادق علیه السلام .... پس هند ملعونه نزد سیّد الشهداء آمد و ذکر و خصیه و بر دو دست ادرا برید۔ وفی اصول الکافی ص ۱۳۶ عن ابی جعفر علیه السلام قال رسول المصطفی الله علیه وسلم علی قائمة العرش مکتوب حمزة اسد الله واسد رسوله وسید الشهداء

قال السیوطی فی جامع الصغیر ص ۳۲ ج ۲ سید الشهداء عند الله یوم القیمة حمزة بن عبد المطلب (ك) (ای الحاکم فی المستدرك) عن جابر (طب) (ای الطبرانی) عن

علی . سید الشہداء حمزة بن عبد المطلب ورجل قام الی امام جائر فامره ونهاه فقتله (رك) والضیاء عن جابر (صح) ای صحیح

وقال ایضا فی منقبة جعفر بن ابی طالب : سید الشہداء جعفر بن ابی طالب مع الملائکة لم ینحل ذلك احد ممن مضی من الامم غیره ، شیٔ اکرم الله به محمدا صلی الله علیه وسلم ۔ ابو القاسم الحرقی فی امالیه عن علیؓ (ح) ای حسن

وقال الامام عبد الرؤف المناویؒ فی کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق علی هامش جامع صغیر ۔ سید الشہداء عند الله حمزة (رك)

قال الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمه الله فی کتابه الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة ص۳۴۲ ط مجتبائی دهلی وسماه صلی الله علیه وسلم (ای خبیبا رضی الله عنه) سید الشهداء فلم اجده . ولكن قوله صلی الله علیه وسلم هو رفیقی فی الجنة لم اجده ایضا وورد تسمیة حمزة رضی الله عنه سید الشهداء . اخرجه الحاكم من طریقین عن جابر رضی الله عنه واخرجه والطبرانی من حدیث علیؓ رضی الله عنه وفیه قصة . وروی البزار من حدیث زید بن ارقم رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال نعم المرء بلال وهو سید الشهداء

فالحاصل ان النبی صلی الله علیه وسلم سمی عمه واخاه من الرضاعة بلسانه المعصوم الفصیح البلیغ سید الشهداء بلا خلاف بین اهل السنة والجماعة وبین اهل التشیع وما نسب الیه علیه الصلوٰة والسلام انه قال فی خبیب رضی الله عنه فما وجدنا فی كتاب من كتب الحدیث التی بایدینا فی الامصار فی هذه الاعصار واما بلال وجعفر بن ابی طالب (رضی الله عنه) ابن عم نبی الله صلی الله علیه وسلم فقد ورد فی بعض كتب الحدیث انه صلی الله علیه وسلم سماهما سید الشهداء ولكن لا ندری حال اسنادهما هل هو صحیح ام ضعیف ولا شك ان اسناد الحدیث الذی فیه نسبة سید الشهداء الی حمزة بن عبد المطلب رضی الله عنه اسناد صحیح كما نبه علیه الحفاظ وائمة الحدیث وقد اطبق علیه علماء اهل السنة واهل التشیع فكون حمزة بن عبد المطلب سید الشهداء مجمع علیه وفی اصول الكافی لمحمد بن یعقوب الكلینی من معتمدے المحدثین لاهل الرفض والتشیع "خذوا بالمجمع علیه فان المجمع علیه لا ریب فیه" .

وامّا تسمية سيد شباب اهل الجنة ابن بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم حسين بن علي رضي الله عنهما بسيد الشهداء كما اشتهر في زماننا فلم يثبت عن لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم وما ثبت عن لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو اولى مما ثبت عن لسان غير المعصوم فضلا عن ان يصرّوا عليه وينسبوا عداوة اهل البيت الى من انكر كون حسين بن علي سيد الشهداء

وامّا ما ثبت عن لسان المعصوم صلى الله عليه وسلم من مناقب اهل البيت رضي الله عنهم فلا ننكرها كقوله عليه الصلوٰة والسلام الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة رواه الترمذي عن ابي سعيد الخدري رضي الله عنه[۲۳۳]

ثم اختلف في مراده عليه السلام بسيادة اهل الجنة فقيل يعني افضل ممن مات شابًا في سبيل الله من اصحاب الجنة كذا قال الطيبي وفيه نظر لانه لا وجه لتخصيص فضلهما على من مات شابًا بل هما افضل ممن مات شيخًا . فالاولى ما قيل ان المراد سيدا اهل الجنة لان اهل الجنة كلهم شاب لكن يختص بما سوى الانبياء والخلفاء الراشدين وقيل اراد بالشباب الفتيان بمعنى الفتوة بمعنى الكرم كما يقال فلان فتى وان كان شيخًا مشيرًا الى فتوته ومروتهم . ويجوز ان يكون سمّاهما شبابًا مع كونهما كهلين تعطفًا وتحببًا كما يسمّي الوالد ولده صغيرًا ووليدًا وان كان شابًا مسنًّا (لمعات ج ۹ ص ۲۳۵)

وكذلك ما روي عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ابو بكر وعمر سيدا كهول اهل الجنة من الاولين والآخرين ما خلا النبيين والمرسلين لا تخبرهما يا علي وكذلك ما روي عن الاوزاعي عن قتادة عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لابي بكر وعمر هذان سيدا كهول اهل الجنة من الاولين والآخرين الا النبيين والمرسلين

قال في حاشية كهول بضم الكاف جمع كهل وهو من انتهى شبابه وهو من الرجال من زاد على ثلثين سنة الى اربعين وقيل من ثلث وثلثين الى خمسين . ووصفهما بالكهولة باعتبار ما كانا في الدنيا . والا فلا كهل في الجنة . فالمعنى سيدا من مات كهلا من المسلمين . وقيل اراد ههنا الحليم العاقل اي يدخلهما الله تعالى الجنة حلماء وعقلاء (لمعات مختصرًا) قال القاري رحمه الله تعالى فان الكهل اكمل الانسان واعقل من الشباب ومدارج الجنة على قدر العقول . انتهى ما في الهامش .

ـــه حوالہ بالا الحديث كذا في حاشية المشكوة ۱۲

وفی حاشیۃ المشکوٰۃ ص۵۷۰ لہ واذا کانا سیدی الکہول فاولیٰ ان یکونا سیدی الشبات کذا قالوا۔

اقول وھذہ (سید الشہداء) فضیلۃ جزئیۃ لحمزۃ رضی اللہ عنہ کسائر الفضائل لسائر الصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی بکر رض انت عتیق اللہ من النار (ص۲۰۹ ترمذی) وقال لعمر رض ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر رض وقال لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (ترمذی ص۲۰۹) وقال لعثمان رض لکل نبی رفیق ورفیقی یعنی فی الجنۃ عثمان (ترمذی ص۲۱۱) وقال لعلی رض انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (ترمذی ص۲۱۳) وقال فی طلحۃ والزبیر ھما جاری فی الجنۃ (ص۲۱۳) وقال فی الزبیر بن العوام رض ان لکل نبی حواریا (ملخصا) وان حواریّ الزبیر بن العوام (ص۲۱۴) وقال لابی عبیدۃ بن عامر بن الجراح لکل نبی امین وامین ھذہ الامۃ ابو عبیدۃ بن الجراح (ص۲۲۲) وقال فی عمار بن یاسر اھتدوا بھدی عمار وقال فی عبد اللہ بن مسعود رض ما حدثکم ابن مسعود فصدقوہ وفی ابی ذر الغفاری رض ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی لھجۃ اصدق ولا اوفی من ابی ذر شبہ عیسیٰ بن مریم (ترمذی ص۲۲۲) وکذا ارءف امتی بامتی ابوبکر، واشدھم فی دین اللہ عمر، واصدقھم حیاءً عثمان، واقضاھم علی، وافرضھم زید بن ثابت، اقرءھم ابی، واسعد الناس یوم القیٰمۃ العباس، واسمح امتی جعفر، واعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبل، وان لکل امۃ حکیما وحکیم ھذہ الامۃ ابو الدرداء، وسید الفوارس ابو موسیٰ، وسید الروم صھیب، وسید الفرس سلمان، وسید الحبش بلال، وخیر الرجال الانصار، واشبہ من رأیت بجبرئیل دحیۃ الکلبی، وحواریّ من النساء عائشۃ ومن الرجال الزبیر، وعائشۃ زوجتی فی الجنۃ، وخیر فرساننا الیوم ابو قتادۃ وخیر رجالتنا سلمۃ بن الاکوع

فلا یلزم من حمل بعض الاوصاف علی بعض الصحابۃ نفیہ عن الآخرین کما لا یلزم من حمل رسول اللہ علی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نفیہ عما عداہ من الانبیاء والرسل فقد قال اھل الاصول ان التنصیص بالاسم العلم لا یوجب التخصیص والا للزم نفی رسالۃ آدم وموسیٰ وعیسیٰ وغیرھم بقولہم محمد رسول اللہ فاذا احل المحمول علی اکثر من موضوع لا یلزم التناقض کما قال علیہ السلام سلمان منا اھل البیت وکذا قال جریر بن عبد اللہ منا اھل البیت فلیس بینھما تناقض بل معناھما ان سلمان منا اھل البیت وجریر بن عبد اللہ ایضا منا اھل البیت وھو المراد من اطلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم لفظ اھل البیت علی عبد اللہ بن

عمرو بن العاص وعلی ابویہ کما رواہ البغوی وابو یعلی عن طلحۃ رضی اللہ عنہ واخرجہ ابن سعد فی الطبقات بسند صحیح عن ابن ابی ملیکۃ رضی اللہ عنہ ای معناہ نحر اهل البیت هؤلاء الثلثۃ ایضا وکذلک ما قال صلی اللہ علیہ وسلم اللهم هؤلاء (علی وفاطمۃ والحسن والحسین) اهل بیتی کما ان نسائی اهل بیتی ایضا (ص) وکذلک ما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لئن بقیت الی قابل لاصومن التاسع ای ایضا یعنی انی اصوم فی العام القابل یوم تاسوعاء ویوم عاشوراء کلیہما من شهر المحرم الحرام (ابوداؤد ص ۳۳۹ ومشکوۃ ص ۱۷۹) وکذلک ما قال صلی اللہ علیہ وسلم انتدب اللہ لمن خرج فی سبیلہ لا یخرجہ الا ایمان بی وتصدیق برسلی ان ارجعہ بما نال من اجر او غنیمۃ او ادخلہ الجنۃ ای من اجر فقط ان لم یغنم شیئا واستشهد او نال من غنیمۃ ایضا مع الاجر ودخول الجنۃ (مشکوۃ ص ۳۳۹) وقال علیہ السلام من صلی العشاء فی جماعۃ فکانما قام نصف اللیل ومن صلی الصبح (ای ایضا) فی جماعۃ فکانما صلی اللیل کلہ (مشکوۃ ص ۶۰) قال فی المطول ص ۵۲ فاشار المصنف (صاحب تلخیص المفتاح) الی ان "الحاصل لا یختص باخراج الاقوال الکاذبۃ کما یتوھم من المفتاح بل یخرج نحو قول الجاهل ایضا وقال الشیخ ابن الحاجب فی الکافیۃ فی بیان سببیۃ منع صرف ما فیہ الالف والنون المزیدتان" اولا تنافی صفۃ فانتفاء فعلانۃ ...... وقیل (شرطہ) وجود فعلی (ای ایضا) (فوائد ضیائیۃ ص ۵۳)

قال العبد الضعیف وبمثلہ نقول فی ما نحن بصددہ ان حمزۃ بن عبد المطلب عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سید الشهداء وجعفر الطیار بن ابی طالب سید الشهداء ایضا علی لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تناقض بینہما ولا تعارض وکذا [illegible] السلام سید الشهداء فی شان بلال رضی اللہ عنہ فافهم ولا تعجل

ولکنا لا نقول الا ما صدر وجری علی لسان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لانہ یوحی الیہ ولا قطع الا بالوحی وھو منقطع بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا نشک ان الحسن والحسین رضی اللہ عنہما سید شباب اهل الجنۃ کما قال لہ سید الاولین والآخرین خاتم النبیین محمد المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ واهل بیتہ وذریاتہ وازواجہ واصهارہ وعترتہ اجمعین ○

احقر الثقلین محمد حسین صین عن الشین
مدرس مدرسۃ ضیاء العلوم بلاک ۱۶ سرگودھا

فتح المتعال
في
تحقيق لفظ الآل

الحمد لله تعالیٰ والصلوٰة والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آله واصحابه و
اهل بیته اجمعین اما بعد فقد جهل الناس یختلفون فی معنی الاهل والآل ،
فاردت ان احققه واُبینه باقاویل الاجلة من فحول العلماء بتوفیق الله تعالیٰ۔

اعلم ان النحاة قد اختلفوا فی لفظ "آل" من حیث الاصل والمادة قال الکسائی اصله
أوَل (مهموز الفاء والاجوف الواوی) بدلیل أُوَیْلٌ قال سمعت اعرابیا فصیحا یقول
آلٌ أُوَیْلٌ واَهْلٌ اُهَیْلٌ وکذا نقل عن الاصمعی وهذا (قول الکوفیین) اولیٰ بالقیاس
فانه لا یلزم فیه ما یلزم فی قول البصریة من مخالفة القیاس

وقیل اصل آل اَهْلٌ بدلیل اُهَیْلٍ ابدلت الهاء همزة (توصلًا الی الالف
فلا یرد ان الهاء اخف من الهمزة - تجرید البنائی ص۱) کما فی هَلْ یُهَنْ اَذْ یُوْذُ اسے
قطع وإیّاكَ وَهِیّاكَ وهَیْئَة وأَیْئَة واَیْمُ الله وهَیْمُ الله والهمزة "کانت
فی الاصل أَمْزَةٌ وهَنْرُكَ الثوبَ وأَنْرُتُهُ اذا جعلت له علمًا کما فی نوادر الاصول
واُیْهَاتَ فی هَیْهَاتَ ومَاءٍ فی ماهٍ فصار أأْلٌ فتوالت الهمزتان فابدلت الثانیة
الفًا فصار "آل" لکن فی الاستعمال خصّ فی المذکر المعرفة العالم الاشرف الاشهر
سواء کانت الشرافة دنیویّة او دینیة فیقال آل فرعون وآل موسیٰ وآل الله ۔
وقیل خص فی المعرفة المذکر العاقل فلا یقال آل الله ولکن المجد الفیروزآبادی
قال فی القاموس آل الله ورسوله اولیاؤه .

ولا یضاف الی النکرات ولا الی الازمنة ولا الی الامکنة فلا یقال آل رجل ولا آل الزمان ولا آل مکة بخلاف الاهل فان استعماله عام فیقال اهل الله تعالیٰ و اهل الخیاط واهل الزمان واهل واهل قریة واما آل العباء فمن النوادر کذا فی جمهرة اللغة لابن درید اللغوی ومفردات القرآن للامام الراغب الاصفهانی وغیاث اللغات .

وقال فی نوادر الاصول والآل لا یضاف ایضا الی الحق ولا الی المعانی و لا الی الحرفة ولا الی المؤنث فلا یقال آل فاطمة ولا الی الاسلام ولا یقال آل العلم ولا آل التجارة ص۴

وقیل اضافة الآل الی المضمر غیر مستحسن ونادر وعند الکسائی والنحاس وابی بکر الزبیدی ممنوع .

ویردّه اضافته الی المضمر فی کلام الفصحاء من العرب سیّما ما روی عن افصح العرب صلی الله علیه وسلم آلی کل مؤمن تقی الی یوم القیامة رواه التمام فی فوائده . شمنی . (نوادر الاصول ص۴)

قال النبلوی وفیه نظر فقد قال السخاوی فی المقاصد الحسنة ص۵ حدیث آل محمد کل تقی . تمام فی فوائده من حدیث شیبان بن فروخ حدثنا نافع بن هرمز و الدیلمی من حدیث المنضر بن محمد الشیبانی عن یحیی بن سعید کلاهما عن انس رضی الله عنه قال سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم من آل محمد ؟ فقال کل تقی من امة محمد ولفظ الدیلمی فقال آل محمد کل تقی ثم قرأ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وفی الدلائل من حدیث ابن الشخیر ومن حدیث شریک عن ابی اسحٰق السّبیعی عن الحارث الاعور عن علی رضی الله عنه قال قلت یا رسول الله من آل محمد ؟ قال کل تقی . واسانیدها ضعیفة ولکن شواهده کثیرة منها ما فی الصحیحین قوله صلی الله علیه وسلم ان آل ابی فلان لیسوا لی باولیاء انما ولیی الله وصالح المؤمنین کما بیّنتها فی ارتقاء الغرف وقد حمل الحلیمی حدیث الترجمة علی کل تقی من قرابته . ومن الادلة التی استدل بها البیهقی علی ان اسم الآل للقرابة خاصةً لا لعامة المؤمنین انه صلی الله علیه وسلم کان اذا ضحی اتی بکبشین احدهما عن امته من شهد لله بالتوحید وله بالبلاغ و ذبح

الاخر من محمد وآل محمد. فقد استدل الحليمي بهذا الحديث لهذا المعنى ايضا. انتهى كلامه مع حاشيته (ص۳۱۰)

قلت ما قال صاحب نوادر الاصول عن الشمني رادّا على التمام من اضافة لفظة آل الى المضمر لم اجده في المقاصد الحسنة بل قال السخاوي رح فيه ناقلا عن التمام ما هو مخالف نقل صاحب النوادر اعنى فيه اضافة لفظة الآل الى المظهر وليس فيه اضافة لفظة آل الى المضمر فكيف يجوز دعوى جواز اضافة لفظة آل الى المضمر ونسبته الى افصح العرب رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم الا ان يقال ان الرواية في المقاصد رواية بالمعنى ولكن لا بدّ لنا حينئذ من المراجعة الى اصل الكتاب اى كتاب الفوائد للتمام فان كان عند احد من اهل العلم فعليه ان يعلمنا به جزاه الله خير الجزاء.

وقلت ان ههنا بحثا آخر وهو ان الحديث وان كان ضعيفا يؤيده شواهده وحمل الحليمي على كل تقي من قرابته حمل المطلق على المقيد وهو نوع من المجاز المرسل واللفظ اذا دار بين الحقيقة والمجاز يحمل على الحقيقة الا اذا تعذرت الحقيقة اذا كانت مهجورة شرعا او عرفا او كانت هناك قرينة صارفة عن المعنى الحقيقي

قال في الحاشية الجلالية على شرح عصام الفريدة ص۱۰۹ وعن الكسائي سمعت اعرابيا فصيحا يقول اهل واهيل وآل وأويل فالآل اصله اول على ما قال بعضهم من آل يؤول الى كذا أوْلًا اذا رجع اليه بقرابة ونحوها لان الكثير يرجع اليها في المهمات واصل معناه الاتباع. وفي الصحاح الآل الاهل والعيال وايضا الاتباع. وخص في الاستعمال اضافته الى العقلاء الاشراف ومن له خطر ومنزلة ولو في الاعتقاد. وزاد قيد الذكور فلا يقال في العرف آل الدار ولا آل الحجام ولا يقال ايضا — من زاد قيد الذكور — آل فلانة. لكن الكل اغلبي لقولهم آل الله تعالى وآل البيت قال وانصر على آل الصليب وعابديه اليوم آلك. فهو اخص من الاهل في العرف بحسب الاضافة. يقال اهل البيت واهل الحجام كما يقال اهل الملك واهل الله تعالى.

فان قلت ما تقول في آل فرعون مع انه لا قدر ولا شرف لفرعون

قلت له قدر وشرف بالنظر الى اعتقادهم. والقدر والشرف اعم من كونه في نفس الامر او في الاعتقاد. ولو سلم انه ليس باعم فالاضافة الى من له شرف اغلبي كما مر. فنقل تخصيص اضافة الآل الى العقلاء الاشراف في العرف العام اختلف

المحدثون فی الآل المضاف الی سیدنا ونبینا صلی اللہ علیہ وسلم ① قیل آل النبی علیہ السلام اتباعہ فی الدین الی یوم القیمۃ (وھو الاولی بالنظر الی شفقتہ علیہ السلام بامتہ) ② وقیل امتہ ای امۃ الاجابۃ ③ وقیل آل بیتہ ای اقاربہ وازواجہ وذریتہ ④ وقیل الاتباع ھم الرھط والعشیرۃ وآل الرجل ولدہ ای اولادہ واحفادہ ⑤ وقیل قومہ ای المؤمنون من قریش او بنی ھاشم ⑥ وقیل اھلہ الذی حرمت الصدقۃ علیہ وھم آل علی وآل عقیل وآل جعفر وآل عباس رضی اللہ تعالی عنھم عن زید بن ارقم ان آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حرم الصدقۃ علیہ وفی روایۃ انس رضی اللہ عنہ سئل النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم من آل محمد ؟ قال علیہ السلام کل تقی . الظاھر ان کل تقی منھم والمعنی من لیس بمتق لیس بآلی یؤیدہ قولہ تعالی ان اولیاءہ الا المتقون وقال فی ص ۱۱ الآل (عند المحدثین) یجیٔ لمعنیین الاول ما روی عنہ علیہ السلام آل محمد کل تقی الثانی اقاربہ علیہ السلام من جھۃ النسب لما روی عن ابن عباس رضی اللہ عنھما ثم قال فیہ نظر لان الکلام فی الآل المطلق لا فی الآل المضاف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم علاوہ ان المحدثین لم یتفقوا علی ذینک المعنیین فی الآل المضاف الی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بل اختلفوا فیہ اختلافا کثیرا

ثم قال ان الآل یطلق علی اثنی عشر معنی . قلت ورأیت فی القاموس ص ۳۳۱/۳ والآل ما اشرف من البعیر والسراب او خاص بما فی اول النھار ویؤنث والخشب والشخص وعمد الخیمۃ کالآلۃ ج آلات وجبل واطراف الجبل ونواحیہ واھل الرجل واتباعہ واولیاءہ

فائدۃ : فی آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اثنا عشر قولا ① من حرمت علیھم الصدقۃ من آل جعفر وعقیل وعباس وفاطمۃ وموالیھم کما روی عن زید بن ارقم (کشف الغمۃ للامام عبد الوھاب الشعرانی ص ۱۱) قلت فیہ نظر فان الصدقۃ (الزکوٰۃ) حرام علی جمیع اولاد علی ایضا کما قالہ محشی شرح عصام وکذا آل الحارث بن عبد المطلب کما فی شرح الوقایۃ ص ۲۹۹ ای جمیع اولاد بنی ھاشم الا من ابطل النص قرابتہ بالنبی کبنی ابی لھب بن عبد المطلب کذا فی النھر الفائق وھو مذھب امامنا الاعظم رحمہ اللہ تعالی ومختار بعض

المالكية (٢) اهل بيته اى نساء النبي صلى الله عليه وسلم كما فى الجلالين —
(٣) ازواجه وذريته (۴) من اطاعه وهو مذهب جابر بن عبد الله وسفيان
الثوري ومختار بعض اصحاب الشافعي والمرجح عند النووي والازهري كما فى نوادر
الاصول ص (٥) ذرية فاطمة خاصة (٦) جميع القريش (٧) الازواج و
من حرمت عليهم الصدقة (٨) ال ابراهيم (٩) اولاد ابراهيم من ذرية اسمٰعيل
واسحٰق (١٠) جميع امة الاجابة (١١) كل تقى نقى (الخزن المنيع ص) (١٢) الفقهاء
المجتهدون (نبراس ص) وقال العينى فى عمدة القارى ج ٤ ص ٣٢ ان ال النبى
صلى الله عليه وسلم بنو هاشم خاصة عند ابى حنيفة ومالك. وعند الشافعى هم
بنو هاشم وبنو المطلب وبه قال بعض المالكية اه.
وقال الشيخ السيد محمد انور شاه الكشميرى رحمه الله تعالىٰ فى فيض البارى
ج ٣ ص ٥٢ فال النبى صلى الله عليه وسلم عندنا ال عباس وحمزة والحارث و
ال جعفر وعلى وحمزة وان لم يكن له ولد ذكر لكن لفظ الال ليس عندهم منضبط
كل الانضباط فيطلق عليه ايضا فاخذ وامن الاعمام ثلثة واثنان من ابناء العم. و
اما عند الشافعية فهم كل بنى هاشم وبنى عبد المطلب
فائدة : اعلم ان العباس والحارث عمان للنبى صلى الله عليه وسلم اسلم
الاول وعد من اجل الصحابة رضى الله عنهم لا الثانى. وجعفر وعقيل اخوان
لعلى رضى الله عنه) بن ابى طالب عم النبى صلى الله عليه وسلم وهو محمد بن عبد الله
بن عبد المطلب (اسمه عامر كما قاله ابن قتيبة ويلقب بشيبة الحمد) بن هاشم (واسمه
عمرو) بن عبد مناف (واسمه مغيرة وسمى بعبد مناف لان امه كانت جعلته خادما
لصنم مناف) بن قصى (واسمه زيد) بن كلاب (واسمه حكيم او مغيرة او محذب
وسمى بالكلاب لانه كان مولعا بصيد الكلاب او كان لمكالبته الاعداء فى الحروب)
بن مرة بن كعب بن لؤى بن غالب بن فهر قريش (سمى قريشا لانه كان يقرش
اى يفتش عن خلة المحتاج فيسدها بماله وكان بنوه كذلك وقيل ان القريش نضر
وهو جده وقيل ان القريش قصى وهو قول رافضى لاخراج ابى بكر رضى الله عنه
من قريش فصار اما مته باطلا وهو خلاف اجماع المسلمين كما فى كفاية العوام ص)
بن مالك بن نضر (اسمه قيس وسمى نضرا لنضارته وحسنه) بن كنانة (وكان يقول

قد ان خروج نبی من مکۃ) بن خزیمۃ بن مدرکۃ (سمی به لانه ادرک کل عز و فخر کان فی آبائه و اسمه عمرو) بن الیاس (و اسمه عیلان) بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان (وکان فی زمن موسیٰ علیه السلام)

قال عباس و علی و جعفر و عقیل و الحارث بن عبد المطلب کلهم فیه تسبون الیٰ هاشم وکان له اربعة ابناء انقطع نسل الکل الا عبد المطلب فانه اعقب اثنی عشر. ویجوز الزکوٰۃ (صرف الزکاۃ) الیٰ اولاد کل اذا کانوا مسلمین فقراء الا اولاد عباس و حارث و ابی طالب کذا فی جامع الرموز وغیره (عمدۃ الرعایۃ له ص ۲۹۶)

فائدہ قال فی التجرید ص ۵۲ ولکن ما قیل ان اصله اهل بدلیل اهیل لا یخفیٰ ضعفه باحتمال ان اهیلا مصغر اهل دون آل کما جزم به فی الاطول وتؤیده ما روی عن الکسائی انه سمع اعرابیا فصیحا یقول اهل اهیل و آل و اویل و بهذا یعرف ضعف ما فی قول الحفید لم یسمع اویل.

قلت ولا یبعد ان یقال ان السیوطی قال فی بغیۃ الوعاۃ فی ص ۱۶۲ و ص ۱۶۳ الکسائی علی بن حمزۃ بن عبد الله بن عثمان من ولد بهمن بن فیروز مولیٰ بنی اسد تلمیذ معاذ الهراء ثم الخلیل. کان اعلم الناس ولکن کان یدیم شرب النبیذ و یاتی الغلمان قال ابن درستویه کان الکسائی یسمع الشاذ الذی لا یجوز الا فی الضرورۃ فیجعله اصلا و یقیس علیه فافسد بذلک النحو. انتهیٰ

قال النیلوی ولا یذهب علیک ان هذا لیس من القیاس فی شئ و انما هو سماع من الاعرابی الفصیح فقول الکسائی هو المعتمد علیه فللمثبت ترجیح علی النافی

فائدہ: وقد یراد بالآل شخص ما اضیف الیه کما روی ان الحسن رضی الله تعالیٰ عنه کان یقول اللهم صل علی آل محمد ای شخصه (بیضاوی طبع مصر ص ۱۵۳)

فائدہ: قال فی حاشیۃ کفایۃ المتحفظ ص ۳۶ قیل فی الفرق بین الاهل و الآل استعمالا ان یضاف الاهل الی غیر ذی الروح غالبا فیقال اهل الامر و اهل البیت (ای سکانه کما فی المغرب ص) و اهل المذهب (لمن یدین به) و اهل القرآن (ای من یقرؤه و یقوم بحقوقه (مغرب ص ۳۲) وغیر ذلک بخلاف الآل انتهیٰ)

قال المجد فی القاموس ص ۳۱ اهل الرجل عشیرته و ذوو قرباه ج اهلون و اهال و آهال و اهلات و یحرک. و اهل یاهل و یاهل اهولا و تاهل و اتهل اتخذ

اهلًا و أَهَّلَ الامرِ وُلاتُهٗ وللبيتِ سُكّانه وللمذهب من يدين به وللرجل زوجتُه كأهلته وللنبي صلى الله عليه وسلم ازواجه وبناته وصهره علىؓ رضی الله تعالیٰ عنه اونساؤه والرجال الذين هم آلهٗ ولكل نبي امته ومكان اهِلٌ له أَهْلٌ وما هُولَهٗ فيه اهله وقد أُهِلَ كَعُنِيَ وكل ما ألِفَ من الدواب المنازلَ فأَهْلِيٌّ و آهِلٌ ككتِف ومرحبًا وأَهْلًا اى صادفتَ أَهْلًا لا غُرَبَاءَ وأَهَلَّ بِهٖ تأهيلًا قال له ذلك وكفرح انس وهوأَهْلٌ لكذا مستوجب للواحد والجميع وأَهَّلَهٗ لذلك تأهيلًا وأَهْلَه رأه له اهلًا واستأهله استوجبه لغة جيدة و انكار الجوهرى باطل'

وكتب على هامشه قوله وانكار الجوهرى باطل كتب الشارح قال شيخنا قول المصنف باطل هو الباطل وليس الجوهرى اول من انكره بل انكره الجماهير قبله وقالوا انه غير فصيح وضعفه فى الفصيح واقره شراحه وقالوا هو وارد ولكنه دون غيره فى الفصاحة وصرح الحريرى بانه من الاوهام ولاسيما و الجوهرى التزم ان لا يذكر الا ما صح عنده فكيف يثبت مالم يصح عنده الى آخرما قال مما لا ينبغى منه ثم رُدّ عليه بانه مما تقدم منه بما لا مساهله المصنف فقد صرح الازهرى والزمخشرى وغيرهما من ائمة التحقيق بجودة هذه اللغة وتبعهم الصاغانى الى آخرما قال ام

قال الشبلوى عفى الله له ولوالديه قد اطلق على الازواج المطهرات لفظ اهل البيت وكذا آل محمد كما ورد فى المشكوٰة ص۳۲۳ والرجل راع على اهل بيته وفى ص۳۳۳ قالت عائشة كان اذا مرض احد من اهل بيته نفث عليه بالمعوذات وفى ص۱۸ عن انس رضى الله عنه قال دخل النبى صلى الله عليه وسلم على ام سليم ــ ‥ فدعا لام سليم واهل بيتها وفى ص۱۵ عن ابى مالك الاشعرى رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا ولج الرجل بيته فليقل اللهم انى اسألك خير المولج وخير المخرج بسم الله ولجنا وعلى الله ربنا توكلنا ثم ليسلم على اهله اى اهل بيته وهى المرأة وفى ص۱۸۲ وعنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل العشر شد مئزره واحيى ليله وايقظ اهله اى زوجته وفى شمائل الترمذى ص۳۵ عن عائشة رضى الله عنها قالت ان كنا آل محمد تمكث شهرا ما نستوقد بنار ان هو الا التمر والماء وفى شرح معانى الآثار للطحاوى ص۳۴۹ عن ام سلمة رضى الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا آل محمد أَهِلّوا بحج وعمرة اه وظاهر ان عليا لم يكن ثمة حاضرا بل كان فى اليمن والحسن

والحسین کانا صغیرین فلم یبق الا فاطمة والازواج المطهرات فالامر لهن
فان قلت ان الصیغة (اهلون) وضعت لجمع المذکر المخاطب فکیف یراد بها
الازواج المطهرات قلت ان الجمع والتذکیر قد یکون للتعظیم کما ورد فی المشکوة ص ۱۶۵
عن عائشة رض ان بعض ازواج النبی صلی الله علیه وسلم قلن للنبی صلی الله علیه وسلم اینا اسرع لحوقا قال اطولکن
یدا فاخذن واقصبة یذرعونها وکانت سودة اطولهن یدا الخ فاخذن وا وید رعون لهن
بمنزلة اخذن ویذرعن وفی ص ۵۳۹ عن ابن عباس قال لما نزلت اذا جاء نصر الله والفتح
دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم فاطمة قال نعیت الی نفسی فبکت قال لا تبکی فانک اول اهلی
لاحق بی فضحکت فراها بعض ازواج النبی صلی الله علیه وسلم فقلن یا فاطمة الخ فقوله فقلن
بمنزلة فقالت (عائشة) وفی ص ۱۸۱ عن عائشة رض قالت دخل علی النبی صلی الله علیه وسلم ذات
یوم فقال هل عندکم من شیء الخ مکان هل عندک من شیء وعن انس رض قال دخل
النبی صلی الله علیه وسلم علی ام سلیم فاتته بتمر وسمن فقال اعیدوا سمنکم فی سقائه و
تمرکم فی وعائه فانی صائم مکان اعیدی سمنک ..... وتمرک وفی صحیح البخاری
ج ۲ ومسلم ص ۴۶۰ فانطلق الی حجرة عائشة رض فقال السلام علیکم اهل البیت
ورحمة الله فقالت وعلیک ورحمة الله وقال تعالی قالت هل ادلکم علی اهل بیت
یکفلونه لکم وهم له ناصحون فرددناه الی امه وقال تعالی قال (موسی) لاهله
امکثوا ای قال لزوجته امکثی

وقال فی تسهیل الدراسة من عادة العرب الخطاب للمؤنث بصیغة
المذکر قال الحماسی

فلا تحسبی انی تخشعت بعدکم	لشیء ولا انی من الموت افرق

ای بعدک وقال المخزومی رح فان شئت حرمت النساء سواکم ای
سواک خاطب اولا بخطاب المفرد المؤنث ثم بخطاب جمع المذکر جریا علی
عادتهم فی الکلام قال تعالی قالوا اتعجبین من امر الله رحمة الله وبرکاته علیکم
اهل البیت قلت وقال شاعر فی مدح زبیدة (زوج هارون الرشید من الخلفاء
العباسیة) بعد حفرها النهر ــه

یا اهل بیت خلیفة الغنی	بالله انتم زبدة النسوان

وفی مشکوة ص ۲۵۵ عن انس قال کان النبی صلی الله علیه وسلم عند بعض نسائه فارسلت احدی

امهات المؤمنين بصحفة فيها طعام فضربت التي النبي صلى الله عليه وسلم في بيتها يد الخادم فسقطت الصحفة فانفلقت فجمع النبي صلى الله عليه وسلم فلق الصحفة ثم جعل يجمع فيها الطعام الذي كان في الصحفة ويقول غارت امكم اي امكم

قال الله تعالى انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا ـ الآية واردة اثناء ذكر نساء النبي صلى الله عليه وسلم قال ابن كثير ص والآية نص في دخول ازواج النبي صلى الله عليه وسلم في اهل البيت وقال الآلوسي في روح المعاني ص ٢٢ وغير الازواج المطهرات من اهل البيت لم يجر لهم ذكر فيما قبل ولم يخاطبوا بامر ولا نهي او غيرهما وفيه امر التعليل عليه ظاهر وقال ابن كثير ص وسياق الكلام وسياقه ايضا دال على ان المراد باهل البيت ازواج النبي صلى الله عليه وسلم وقال عكرمة وعروة ومقاتل المراد باهل البيت ازواج النبي صلى الله عليه وسلم ثم اللفظ تدل عليه كذا الحرف وكذا شان النزول كما قال عكرمة عن ابن عباس رض قوله انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا نزلت في نساء النبي صلى الله عليه وسلم خاصة وسبب النزول داخل فيه قطعا ويقينا قولا واحدا اما وحده على قول او اما مع غيره على الصحيح قال وعن عكرمة انه كان ينادي في السوق انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا ○ نزلت في نساء النبي خاصة. قال عكرمة من شاء باهلته انها نزلت في شان نساء النبي صلى الله عليه وسلم (تفسير ابن كثير ص)

وقال برهان الدين علي بن ابي بكر بن عبد الجليل في الهداية ص ٣٩١/٢ الطلاق النساء على الزوجية وقال ايضا ولا يكون الظهار الا من الزوجة حتى لو ظاهر من امته لم يكن مظاهرا لقوله تعالى (والذين يظاهرون) من نساءهم

فان قلت انه قد ورد في التاريخ الكبير الامام البخاري ق ٢ ج ١ ص ٦٩ وص ... انا ابن قرة قال النضر بن محمد ثنا عكرمة ثنا قال وشعيب بن ابي المنيع عن شهر سمع ام سلمة ان فاطمة جاءت وهي متوركة الحسن او الحسين اخذة بيدا خرمعها برمة فيها سخينة فقال النبي صلى الله عليه وسلم اين ابو حسن؟ فقالت في البيت فارسل اليه قال الله هؤلاء اهل بيتي

قلت قال الامام البخاري بعد هذه الرواية متصلا قال ابو عبد الله (اي الامام البخاري نفسه) شهر يتكلمون فيه. قلت فكيف الاحتجاج به؟

فان قلت ان عائشة رض قالت خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم غداة وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی رضی اللہ عنہما فادخلہ ثم جاء الحسین فادخل معہ ثم جاءت فاطمة فادخلها ثم جاء علی فادخلہ ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا رواہ مسلم کذا فی المشکوة ص۵۶۸

قلت قال البیضاوی فی تفسیرہ ص وتخصیص الشیعة اهل البیت بفاطمة و علی وابنیهما رضی اللہ عنہم لما روی انه علیه السلام خرج ذات غدوة وعلیه مرط مرحل من شعر اسود فجلس فاتت فاطمة فادخلها فیه ثم جاء علی فادخله فیه ثم جاء الحسن والحسین فادخلهما فیه ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اهل البیت . و الاحتجاج بذلک علی عصمتهم و کون اجماعهم حجة ضعیف لان التخصیص بهم لا یناسب ما قبل الآیة وما بعدها و الحدیث یقتضی انهم (ایضا) اهل البیت لا لیس غیرهم فقط وعادة العرب انهم یحذفون کلمة " ایضا " فی کلامهم کما ورد فی المشکوة من صلی العشاء فی جماعة فکانما قام نصف اللیل ومن صلی الصبح (ای ایضا) فی جماعة فکانما صلی اللیل کله ص وکما ورد فی المشکوة ص۱۶۶ وص وص وص عن ابن عمر وابی هریرة قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عذبت امرأة فی هرة (ای ایضا) لانها کانت کافرة کما فی مسند احمد فحق انها کان بوجهین بسبب کفرها و بسبب امساکها هرة حتی ماتت من الجوع فلم تکن تطعمها ولا ترسلها فتاکل من خشاش الارض وکما ورد فی المشکوة ص۳۳۰ عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتدب اللہ لمن خرج فی سبیله لا یخرجه الا ایمان بی وتصدیق برسلی ان ارجعه بما نال من اجر (ای اجر فقط ان لم یغنم شیئا) او غنیمة (ای ایضا یعنی اجرا مع الغنیمة) او ادخله اللہ الجنة (ان استشهد) ومثله فی النسائی ص۵۵ مع ما نال من اجر تام فقط او غنیمة (ای ایضا) وقال فی الفوائد الضیائیة ص۲۶ فی بیان اسباب منع الصرف " او کالنتاف صفة فانتفاء فعلانة .... وقیل شرطه وجود فعلی (ای ایضا مع الشرط السابق) وقال السعد التفتازانی فی شرح التلخیص المطول ص۳۵ فاشار المصنف هنا الی ان التاول لا یختص باخراج الاقوال الکاذبة کما یتوهم من المفتاح بل یخرج نحو قول الجاهل ایضا وقال ابوداؤد السجستانی فی سننه ص۳۳۹ یقول سمعت عبد اللہ بن عباس یقول حین صام النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء وامر

فقطعوا عن نا صیامہ فقط؟ قالوا یارسول اللہ انہ یوم تعظمہ الیھود والنصاریٰ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کان العام المقبل صمنا یوم التاسع (ای ایضا مع یوم العاشوراء) وقال فی الھدایۃ ص۳ فالاقالۃ باطلۃ ای ایضا۔

وقال محشی جامع البیان لہ ص۳۶۳ فالاصوب انہ مثل ما قیل ان اٰیۃ لمسجد اسس علی التقوٰی من اول یوم احق ان تقوم فیہ نزلت فی مسجد قبا وفی صحیح مسلم ھو مسجدی ھٰذا والتوفیق انہ کان اذا اسس علی التقوٰی فمسجدی ھٰذا اولیٰ واحریٰ بھٰذہ التسمیۃ (ای مسجدی ھٰذا ایضا مصداق لھٰذہ الاٰیۃ وان نزلت فی شان مسجد قبا بل اولیٰ و احریٰ منہ) فکما ان الاٰیۃ نزلت فی شان مسجد قبا والنبی صلی اللہ علیہ وسلم عممہ وادخل معہ المسجد النبوی فکذٰلک ھٰذہ الاٰیۃ نزلت فی شان نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعممہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وادخل اللہ بدعاءہ علیہ السلام فاطمۃ وعلیا وابنیھما وھو الیق بشانہ وبشفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ علیہ السلام قال سلمان منا اھل البیت (جامع صغیر ص۳۲ وحیات القلوب ص۶۶۵) وقال ایضا جریر بن عبد اللہ منا اھل البیت (جامع صغیر ص۱۰۲) وقال واثلۃ بن الاسقع قال من ناحیۃ البیت وانا من اھلک؟ قال علیہ السلام وانت من اھلی قال واثلۃ رض انھا لمن ارجی ما ارتجی (ابن جریر ص۶) وقال ابو سعید الخدری رض انا خامس خمسۃ نزلت الاٰیۃ فیھا (ابن جریر ص۶) وجاء فی بعض الروایات انہ علیہ السلام ضم الی اھل الکساء علی وفاطمۃ والحسن والحسین بقیۃ بناتہ واقاربہ وازواجہ وانہ علیہ السلام اشتمل علی العباس وبنیہ بملاءۃ ثم قال یا رب ھٰذا عمی وصنو ابی وھٰؤلاء اھل بیتی فاسترھم من النار کستری ایاھم بملاءتی ھٰذہ فامنت اسکفۃ الباب وحوائط البیت فقال اٰمین ثلٰثا کذا فی روح المعانی ص۱۴ وقال فی حیات القلوب ص۶۶۲ وص۹۳ وص۹۹ وص۹۹ وص۱۰۰ وص۱۰۱ وص۲۰۵ وص۳۳۳ قال جبرئیل من اھل البیت، وفی حیات القلوب ص۶۶۵ وتفسیر عمدۃ البیان ص۲۸ قال ماریۃ قبطیۃ من اھل البیت وقال فی المشکوٰۃ قال علیہ السلام احب اھلی الی اسامۃ بن زید رض وھو کما قال علیہ السلام احب اھل بیتی الی الحسن والحسین (جامع صغیر ص۱ ومشکوٰۃ ص)

قال النیلوی فقد ثبت بما ذکرنا ان سلمان الفارسی مع انہ لیس بہاشمی ولا قرشی بل ولا بعربی ادخلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اھل بیتہ وکذا واثلۃ بن الاسقع اللیثی مع انہ لیس بہاشمی ولا قرشی بل لیثی اسلم قبل غزوۃ تبوک ادخلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی

اهل بيته وكذا اسعد بن مالك بن سنان الانصاري الخزرجي ابو سعيد الخدري مع انه ليس بهاشمي ولا قرشي بل انصاري خزرجي من بني خدرة وكذا مارية القبطية فكيف لا يدخل من نزلت هذه الاية في بيتها وهي ام المؤمنين ام سلمة رضي الله عنها كما روي عنها انها قالت في بيتي نزلت انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا فارسل رسول الله صلى الله عليه وسلم الى فاطمة وعلي والحسن والحسين فقال عليه السلام هؤلاء اهل بيتي فقالت اما انا يا رسول الله من اهل البيت قال بلى ان شاء الله (لفظ ان شاء الله للتبرك) وقوله عليه السلام اللهم هؤلاء اهل بيتي اي ادخلهم في اهل بيتي. فاذا ثبت ان ام سلمة وخديجة ومارية القبطية يدخلن في اهل النبي صلى الله عليه وسلم فكيف لا تدخل بقية امهات المؤمنين ازواج النبي صلى الله عليه وسلم مع اتحاد العلة وعدم القائل بالفصل ولادخال الله عز وجل ام اسحق سارة في اهل بيت ابراهيم خليل الله عليه السلام حيث قال لهم قالوا اتعجبين من امر الله رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت ولكمال شفقة نبينا صلى الله عليه وسلم ولمساعدة اللغة ادخال الازواج في اهل البيت لما تم من التحقيق اللغوي ولما قال ابن فارس في مقاييس اللغة ج۱ ص۱۵۰ الهمزة والهاء واللام له اصلان متباعدان احدهما الاهل قال الخليل اَهْلُ الرجل زوجه والتأهل التزوج واهل الرجل اخص الناس به واهل البيت سكانه الخ وفي الصحاح قال ابو زيد تقول العرب اَهَلَكَ اللهُ في الجنة اِيهالاً اي زوجك فيها وقال ايضا اَهُول زن خواستن و با اهل شدن تأهّل كذلك. قال الكسائي اَهِلتُ بالرجل اذا انست به (صراح ص۴۳۸) وقال البيهقي في تاج المصادر التأهل زن كردن وقال المطرزي في المغرب اهل الرجل امرأته وولده والذين في عياله ونفقته وكذا كل اخ او اخت او عم او ابن عم او صبي اجنبي يقوته في منزله قال ومنه اهل الرجل اخص الناس به عن الغوري والازهري وقيل الاهل المختص بشيء اختصاص القرابة وقيل خاصة الشيء الذي ينسب اليه. ويكنى به عن الزوجة ومنه سار باهله وتأهل تزوج واهل البيت سكانه واهل الاسلام من يدين به واهل القرآن من يقرأه ويقوم بحقوقه (ص۳۳)

وقال احمد بن محمد بن علي المقري الفيومي في مصباح المنير ص۲۱ اَهَلَ المكان اُهُولاً من باب قعد عمر باهله فهو آهِلٌ وقرية آهِلَة عامرة واَهِلتُ بالشيء انست به واَهَلَ الرجل يأهُلُ اُهولاً اذا تزوج وتأهّل كذلك. ويُطلق الاهل على الزوجة والاهل

اَهْلُ البیتِ والاصل فیه القرابة وقد اطلق على الاتباع وَاهل البلد من استوطنه واهل العلم من اتّصف به اهـ وقال ابن سیده فى المحكم والمحيط الاعظم ۲۵۰ اهلُ البيتِ سُكّانه واَهْل بيتِ النبىّ ازواجه وبناته وصهره اعنى عليًّا وقيل نساء النبى والرجال الذين هم آله..... اهلُ كل نبىّ اُمّته وقال عبد الحكيم فى حاشيته على حاشية الفوائد الضيائية لعبد الغفور ۲۵ اهل بيته اى اولاده وازواجه ودخل فيه كما جاء فى الحديث سلمان من اهل البيت

فبهذه الامور قلنا ان دخول امهات المؤمنين ازواج النبى صلى الله عليه وسلم فى اهل البيت قطعى ثابت بنص القرآن لا مرية فيه ولا ارتياب ولا اشتباه واما دخول علىّ ومن معه فى اهل البيت فظنى ثابت بالخبر الواحد الذى لا يكفر جاحده كما تقرر ومن انكر النص القطعى فيحكم بكفره

وقلنا ثانيا ان دخول ازواج النبى صلى الله عليه وسلم فى اهل البيت انما هو اوّلًا بالاصالة ودخولِ مَن عدهن فى اهل البيت ثانيا وبالعرض وبالتبع دل عليه ما فى حديث مسلم من قوله عليه الصلوٰة والسلام لامّ سلمة انتِ مكانكِ (ابن جرير ۲۲) وفى ما دراية فقال بلى ان شاء الله تعالى اى الاطلاق لفظة اهل البيت فى محله وحقيقة واطلاقها على هؤلاء المُدْخَلِين فى الكساء ليس فى محله بل هو مجاز ودخلوا فى اَهْل البيت بدعائه فى حقهم

وقلنا ثالثا ان ازواجه صلى الله عليه وسلم لو لم تكن من اهل بيت النبى صلى الله عليه وسلم فما بال خديجة الكبرىٰ انها داخلة فى اهل النبى صلى الله عليه وسلم مع انها ليست بهاشمية ولا ببنتِ عمه عليه الصلوٰة والسلام بل هى مخزومية من قبيلة فيها ابوجهل وغيره من الكفرة الفجرة

وقلنا رابعًا انها لو دخلت سارة فى اهل بيت ابراهيم خليل الله على نبينا وعليه الصلوٰة والسلام فما بال حمزة سيّد الشهداء عمّه صلى الله عليه وسلم واخيه الرضاعى وبنيه وعباس عمّه وبنيه لم يدخلوا فى اهل بيت النبى صلى الله عليه وسلم

وقلنا خامسًا ان الهرّة لو دخلت فى اهل البيت كما قالوا فى تهذيب الاحكام ۲۲۶ عن ابى عبد الله عليه السلام فى الهرّة انها من اهل البيت ويتوضأ من سؤرها وهكذا فى ۲۲۴ فالهم لا يقولون بدخول ازواج النبى صلى الله عليه وسلم فى اهل البيت

فان قلت ان الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی کتابہ مشکل الآثار ص ۳۳۶ الی ص ۳۳۹ فان قال قائل فان کتاب اللہ تعالیٰ یدل علی ان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھن المقصود دون تلک الآیۃ لانہ قال قبلھا فی السورۃ التی ھی فیھا یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیاۃ الدنیا الی قولہ الجاھلیۃ الاولیٰ . فکان ذلک کلہ یؤذن بہ لانہ علی خطاب النساء لا علی خطاب الرجال ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الآیۃ فکان جوابنا لہ ان الذی تلاہ الی آخر ما قبل قولہ انما یرید اللہ الآیۃ فجاء بہ علی خطاب الرجال لانہ قال فیہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم . وھکذا خطاب الرجال وما قبلہ فجاء بہ بالنون وکذلک خطاب النساء . فعقلنا ان قولہ انما یرید اللہ الآیۃ خطاب لمن ارادہ من الرجال بذلک لیُعلمھم تشریفہ لھم رفعۃ لمقدارھم ان جعل نساءھم ممن قد وصفہ لما وصفہ مما فی الآیات المتلوۃ قبل الذی خاطبھم بہ تعالیٰ ومما دل علی ذلک ایضا ما قد حدثنا ابن مرزوق حدثنا روح بن عبادۃ ثنا حماد بن سلمۃ عن علی بن زید عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان اذا خرج الی صلوٰۃ الفجر یقول الصلوٰۃ یا اھل البیت انما یرید اللہ الآیۃ . وما قد حدثنا ابن مرزوق ثنا ابو عاصم النبیل عن عبادۃ قال ابو جعفر وھو ابن مسلم الفزاری من اھل الکوفۃ قد روی عنہ ابو نعیم حدثنی ابو داؤد قال ابو جعفر وھو نفیع بن الحارث الھمدانی الاعمی من اھل الکوفۃ ایضا حدثنی ابو الحمراء قال صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسعۃ اشھر کان اذا اصبح اتی باب فاطمۃ فقال السلام علیکم یا اھل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الآیۃ فی ھذا ایضا دلیل علی ان ھذہ الآیۃ فیھم وباللہ التوفیق انتہی کلامہ

قلنا فی جوابہ بوجوہ الاول انہ لو ارید بہ دون الازواج لم یرتبط ھذا الکلام لا بما قبلہ ولا بما بعدہ ولزم ح وقوع الکلام فی البین من غیر ربط وذا لا یلیق بکلام الفصحاء و البلغاء سیما کلام اللہ تعالیٰ ولذا عاب اھل التشیع ایراد ھذا الکلام المتعلق بالخمسۃ العباء فی اثناء کلام یتعلق بنساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقالوا ایراد ھذا الکلام فی ھذا المقام من تصرفات الجامعین المرتبین وغلطوا فی ایرادہ ھھنا فانہ من مقام آخر وقد صح اجراء صیغۃ جمع المذکر علی المؤنث کما فی کتاب الزکوٰۃ من صحیح مسلم ص ۳۲۲ من قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لزوجتہ ھل عندکم شیء وفی صحیح البخاری ص ۲۰۶ قولہ علیہ السلام لعائشۃ رض السلام علیکم اھل البیت وفی صحیح مسلم ص ۳ سلام علیکم کیف انتم یا اھل البیت وفی شرح معانی

الأثار لهذا المصنف رحمه الله تعالى خطاب المؤنث بصيغة الجمع المذكر" قالت دخلنا على سهل بن سعد فى اربع نسوة فقال لو سقيتكم من بير بضاعة لكرهتم وفى المشكوٰة ص۲۵۵ قال عليه السلام لام المؤمنين عائشة رض غارت امكم وفى ص عن سلمة بن المحبق قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم جاء فى غزوة تبوك على اهل بيت فاذا قربة معلقة فسأل الماء فقالوا له يا رسول الله انها ميتة وفى المشكوٰة ص۵۱ عن انس قال دخل النبى صلى الله عليه وسلم على ام سليم فاتته بتمر وسمن فقال اعيدوا سمنكم فى سقائه وتمركم فى وعائه فانى صائم الحديث

وثانيا ان الروايتين اللتين رواهما الامام الطحاوى فيهما ابن مرزوق شيخه وهو ابراهيم بن مرزوق، قال ابو التراب رشد الله شاه السندهى فى كشف الاستار ص۱۳۵ قال العينى فى المغانى ومعانى الاخيار حيثما وقع فى كتابه حدثنا ابن مرزوق فالمراد هو ابراهيم بن مرزوق، ومن شيوخه ايضا نصر بن مرزوق ولكن لا يذكره الا باسمه حتى لا يلتبس بابراهيم بن مرزوق. وقال فى ص ابراهيم بن مرزوق بن دينار الاموى البصرى نزيل مصر ثقة عمى قبل موته فكان يخطئ ولا يرجع. انتهى كلامه

قلت فاذا كان حال راوى الحديث ما سمعت فكيف يستدل به على خلاف ارتباط آيات القرآن الحكيم وعلى مثله قال الامام فخر الدين الرازى رحمه الله تعالى تحت قوله تعالى انما وليكم الله ورسوله فى ص ... فمن تأمل فى مقدمة الآية ومؤخرها قطع بان الولى ههنا بمعنى الناصر والمحب لا بمعنى الامام لان ذلك يكون القاء كلام اجنبى فيما بين الكلامين مسوقين لغرض واحد وذلك يكون فى غاية الركاكة والسقوط ويجب تنزيه كلام الله عنه انتهى كلامه وبمثله قال تحت قوله تعالى يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك بعد ذكر الروايات فى نزول هذه الآية" ثم اعلم ان هذه الروايات وان كثرت الا ان الاولى حمله على انه تعالى امنه من مكر اليهود والنصارى وأمره باظهار التبليغ من غير مبالاة منه بهم وذلك لان ما قبل هذه الآية بكثير وما بعد هذه الآية بكثير لما كان كلاما مع اليهود والنصارى امتنع القاء هذه الآية الواحدة فى البين على وجه تكون اجنبية عما قبلها وما بعدها (تفسير كبير ص۴۳)

قال القاضى البيضاوى رحمه الله" انما يريد الله ...... تعليل لامرهن ونهيهن على الاستيناف ولذلك عمم الحكم ثم قال وتخصيص الشيعة اهل البيت بفاطمة وعلى و

ابنيهما رضي الله عنهم لما روى انه عليه الصلوٰة والسلام خرج ذات غدوة وعليه مرط مرحل من شعر اسود فجلس فاتت فاطمة فادخلها فيه ثم جاء علي فادخله فيه ثم جاء الحسن والحسين فادخلهما فيه ثم قال انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت والاحتجاج بذلك على عصمتهم وكون اجماعهم حجة ضعيف لان التخصيص بهم لا يناسب ما قبل الأية وما بعدها. والحديث يقتضي انهم اهل البيت لا انه ليس غيرهم.

وبيّن محشيه شيخ زاده وجه خطابهن بالجمع المذكر وقال" بيان وجه العدول عن خطاب المؤمنات اللاتي هن ازواج النبي صلى الله عليه وآله وسلم الى خطاب الذكور حيث قال ليذهب عنكم الرجس..... ويطهركم كانه قيل انما امرتكن ونهيتكن لان ارادتي الازلية قد تعلقت بتطهير اهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم من الذنوب والمعاصي. ثم قال تحت قول القاضي البيضاوي ولذلك عمّم الحكم" اى ولكونه تعليلا على طريق الاستيناف عم الحكم باذهاب الرجس والتطهير من المعاصي من عدا ازواجه عليه الصلوٰة والسلام حيث عبّر عن جميع اهل بيته عليه الصلوٰة والسلام من الذكور والاناث بطريق التعبير عن الذكور خاصة على تغليب الذكور على الاناث حيث قيل عليكم اهل البيت. فان اهل البيت يتناول اولاده وازواجه والحسنؓ والحسينؓ منهم وكذا عليؓ رضوان الله عليهم اجمعين لانه كان من اهل بيته بسبب معاشرته اهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم وقرابته اياه. وقيل المراد باهل البيت ههنا ازواج النبي صلى الله عليه وسلم لانهن في بيته، وتلا تقدم وما تاخر من خطابهن. وانما ذكر الخطاب في قوله عنكم ويطهركم لان النبي صلى الله عليه وسلم كان فيهن فغلّب الذكور. وقال اخرون ومنهم الشيعة ازواجه عليه الصلوٰة والسلام ليست من اهل بيته بل المراد باهل بيته عليؓ وفاطمة والحسن والحسين رضوان الله عليهم اجمعين. (شيخزاده ص۶۳ ج۳)

وثانيا انه ليس مراد الامام الطحاوي مثل ما اراد به الشيعة من تخصيص اهل البيت بهؤلاء الخمسة واخراج ازواج النبي صلى الله عليه وسلم من اهل بيته كما يفهم من ظاهر عبارته " انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس الأية في هذا ايضا دليل على ان هذه الأية فيهم" بل مراده دفع وهم السائل الذي فهم من ظاهر عبارة القرآن ان الأية مختصة بازواج النبي صلى الله عليه وسلم حيث قال" فان كتاب الله تعالىٰ يدل على ان ازواج النبي صلى الله عليه وسلم هم المقصودون بتلك الأية" بايراد كلمة "هم" بين المبتدأ والخبر المعرفين وذلك انما

يدلّ على حصر الخبر في المبتدأ كما تقرر في مقرّه . و تقرير دفع هذا الوهم من الناس انه لا شك ان ازواج النبي صلى الله عليه وسلم داخلة في اهل البيت هٰهنا وهؤلاء الفئة ايضا داخلة في هذه الآية اشارةً فلفظ "ايضاً" مراد في الى انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس الآية الى هذا ايضا دليل على ان هذه الآية يفهم ايضا وهذا كما ذكره التفتازاني في شرح تلخيص المفتاح من توجيه عبارة التلخيص كما ذكرته ايضا في الوجه الاول فافهم ولا تغفل

فالحاصل انه في حلّ عبارة القرآن (انما يريد الله الآية) ثلثة اقوال الاول منها قول الشيعة من تخصيص ورود هذه الآية في شان علي و فاطمة وحسن وحسين وذلك مردود بوجوه منها عدم الارتباط ومنها اخراج التطهير عن الموضوع له الاصل وجعله من قبيل ضيّق فم الركية ومنها اثبات الرجس لهما ولا تم اذهابه عنهم والحال ان الحسن والحسين كانا حينئذ صغيرين معصومين بحيث لا يتصور لهما الخبث والرجس بل نسبة الرجس اليهما من سوء الادب ولا شك ان سيد الانبياء معصوم فالثلثة من هذه الخمسة معصومون فما تمايز علي و فاطمة ومن عقائد اهل التشيع ان عليا رضي الله عنه خُلق معصوما ودام على عصمته وكذا فاطمة رضي الله عنها معصومة بنت معصوم فكيف يتصور فيهما وجود الرجس اولا ارادة الله اذهابه عنهما

والقول الثاني منها ان المراد باهل البيت هٰهنا ازواج النبي صلى الله عليه وسلم فقط لا غير وهذا القول اشبه لشدة تعلقه بما قبله وما بعده من السباق والسياق وقد مرّ وجه تذكير الضمير والالف واللام في قوله تعالىٰ "اهل البيت" للعهد الخارجي كما هو الاصل في الالف واللام والمعهود الخارجي هٰهنا ما ذكر في ما قبله من قوله تعالىٰ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وكذلك ذكر سبحانه وتعالىٰ في الآية التالية وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وظاهر ان بيوت ازواج النبي صلى الله عليه وسلم هي بيوت النبي عليه السلام كما قال تعالىٰ يا ايها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوت النبي الا ان يؤذن لكم لما روى عن انس رض قال بُني على النبي صلى الله عليه وسلم بزينب ابنة جحش بخبز ولحم فارسلت على الطعام داعيا فيجيئ قوم فيأكلون ويخرجون ثم يجيئ قوم فيأكلون ويخرجون فدعوت حتى ما اجد احدا ادعوا فقلت يا نبي الله ما اجد احدا ادعوه قال ارفعوا طعامكم وبقي ثلثة رهط يتحدثون في البيت فخرج النبي صلى الله عليه وسلم فانطلق الى حجرة عائشة فقال السلام عليكم اهل البيت ورحمة الله فقالت وعليك ورحمة الله كيف وجدت اهلك (اي زينب) بارك الله لك .... وانزلت آية الحجاب (رحيم

البخاری ج ۲ ص ۷۰۷

وانما قلنا ان ارادة ازواج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اھل البیت اشبہ لانھن غیر معصومات ، اذ العصمۃ فی البشر المکلف من خواص الانبیاء ۔ وفی شان الازواج المطھرات للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یناسب ان یقال "انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس" فان الخطایا والذنوب سیما الکفر والشرک رجس وقد اذھب اللّٰہ تعالیٰ عنھن رجس الکفر والشرک الذی کن علیہ فی عھد الجاھلیۃ وطھرھن تطھیرا ولم یزل حلاوۃ الایمان فی قلوبھن الیٰ ان متن وکذا اذھب اللّٰہ عنھن رجس الذنوب والخطایا فھن محفوظات عنھا بعون اللّٰہ وفضلہ علیھن ولذا اشتھر علی السنۃ العوام والخواص انھن "ازواج مطھرات للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم"

وانما قلنا ان الکفر والشرک رجس لقولہ تعالیٰ یایھا الذین اٰمنوا انما المشرکون نجس ونجاسۃ المشرک لاجل شرکہ اذ من المعلوم ان بناء الحکم علی الوصف یشعر بعلیتہ کما فی حاشیۃ الفنری علی التلویح والتوضیح ص ۳۲ فالشرک نجس والمشرک نجس و حمل "نجس" علی "المشرکون" من قبیل "زید عدل"

وما قلنا ان الذنوب والخطایا رجس یؤیدہ ما روی الحسن بن زیاد عن الامام الاعظم ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ ان الماء المستعمل لقربۃ او لازالۃ حدث نجس لخروج الخطایا بالماء کما روی الترمذی فی جامعہ ص عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا توضا المسلم او (قال) المؤمن فغسل وجھہ خرجت من وجھہ کل خطیئۃ (ای صغیرۃ) نظر الیھا بعینیہ مع الماء او (قال) مع اٰخر قطر الماء او نحو ھذا واذا غسل یدیہ خرجت من یدیہ کل خطیئۃ (ای صغیرۃ) بطشتھا یداہ مع الماء او (قال) مع اٰخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من الذنوب (وفی حاشیۃ ان ابن وھب زاد ومسح راسہ وغسل رجلیہ قال حط زاد الطبرانی بحدیث ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ذکر المضمضۃ والاستنشاق واحمد بلفظ امامۃ مسح راسہ واذنیہ حتی ۔ ۔ ۔) قال مولانا محمد عبد الحی اللکنوی رحمہ اللّٰہ فی عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ ص وذلک لان کون الماء مستعملا بانتقال نجاسۃ الاٰثام الی الماء کما ھو المذکور فی الخلاصۃ والمحیط وغیرھما ۔ ثم قال فی حاشیۃ ص ۸۹ ج ۱ و من لطائف الاقوال ما فی المیزان (الکبریٰ) لعبد الوھاب الشعرانی رحمہ اللّٰہ قال سمعت سیدی علیا الخواص قال بمدارک الامام ابی حنیفۃ (رحمہ اللّٰہ تعالیٰ) دقیقۃ لا یطلع علیہ الا اھل الکشف من اکابر الاولیاء وکان ابو حنیفۃ رح اذا راٰی المیضاء یعرف

سائر الذنوب التي فيه فلذا جعل ماء الطهارة اذا تطهر به المكلف له ثلثة احوال احدها انه كالنجاسة المغلظة لاحتمال ان يكون المكلف ارتكب كبيرة والثاني كالنجاسة المتوسطة لاحتمال ان يكون ارتكب صغيرة والثالث انه طاهر في نفسه غير مطهر لغيره لاحتمال ان يكون ارتكب مكروها او خلاف الاولى اھ

ثم ما رواه احمد وابن خزيمة عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الحجر الاسود ياقوتة بيضاء من الجنة وكان اشد بياضا من الثلج وانما سودته خطايا المشركين - قال حط فاذا اثرت الخطايا في حجر فيحصل فاعلها اولى فالخطايا تؤثر في الباطن والطهارة تزيله لما اخرجه ابن حبان والحاكم عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان العبد اذا اذنب ذنبا نكتت في قلبه نكتة سوداء فاذا تاب ونزع واستغفر صقل قلبه وان عاد زادت حتى تعلو قلبه وذلك الران الذي ذكره الله في القرآن كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ

بل قد ورد في الاحاديث ان للآثام والخطايا والذنوب نتنا كنتن النجاسة الظاهرة الخارجة من بدن الانسان كالبول والغائط والريح الخارجة من السنة تغرو تباعد عن نتنها الملئكة كما في جامع الترمذي عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كذب العبد تباعد عنه الملك ميلا من نتن ما جاء به (ص۴۱۳ مشكوة) ولذا قال العلماء يستحب الوضوء بعد ارتكاب معصية ويؤيده ما رواه البيهقي في شعب الايمان عن ابن عباس رضي الله عنهما ان رجلين صليا صلوة الظهر او العصر وكانا صائمين فلما قضى النبي صلى الله عليه وسلم الصلوة قال اعيدا وضوءكما وصلوتكما وامضيا في صومكما واقضيا يوما آخر قالا لم يا رسول الله قال اغتبتم فلانا . قال الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي رحمه الله في اللمعات وظاهر الحديث يدل على ان الغيبة تنقض الوضوء وتفسد الصوم وقالوا هو وارد على سبيل التغليظ والتشديد ولم يذهب اليه احد من العلماء وقال في احياء العلوم ان الغيبة مفسدة للصوم على مذهب سفيان الثوري رحمه الله ونقل عن الامام احمد انه قال لو فسد الصوم بالغيبة لما يتم له الصوم وقد يستانس بقوله امضيا في صومكما انه لا يفسد . والقضاء للاحتياط

وفي حاشية شرح الوقاية ص۸۹ وسنده (اي سند كون الماء المستعمل لقربة او لرفع حدث) هو القياس على كون مال الصدقة مطهرا محرما على بني هاشم وقد روي فيه انها وسخ اموال الناس كما في مسلم عن عبد المطلب بن ربيعة قال قال رسول الله صلى الله عليه

والاتباع کآل فرعون. والثانی النفس نحو آل موسیٰ وآل ھارون وآل نوح علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام. والثالث اھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ ثم قال آل اصلہ اھل عند صاحب الکشاف. وقال الکسائی آل من آل ای رجع الیہ بقرابۃ او رأی او نحوھما ورجحہ بعض المتأخرین. والاول عرفاً مؤمنو ھذہ الامۃ او الفقہاء العاملون منہم لا المقلدون.

وقال علی حاشیۃ مغنی اللبیب لابن ھشام جمال الدین الانصاری ما فی الشرح ہم بنو ھاشم وبنو المطلب علی المشہور عند المالکیۃ خلاف الصحیح عندھم من قصرہ علی بنی ھاشم. ثم ھو فی مقام الزکاۃ لا الدعاء. وقول الشمنی لا یضاف لغیر الذکور فلا یقال آل فاطمۃ مردود وھی مرادہ بقول زھیر ع

عفیٰ من آل فاطمۃ الجواء

وفی اٰخر

ء من آل سلمیٰ عرفت الطلولا

الیٰ غیر ذلک

قال النووی فی شرح صحیح مسلم ص ۳۳۴ ھم (آل النبی) بنو ھاشم وبنو المطلب. ھذا مذھب الشافعی وموافقیہ ... وبہ قال بعض المالکیۃ. وقال ابو حنیفۃ ومالک ھم بنو ھاشم خاصۃ. قال القاضی وقال بعض العلماء ھم قریش کلھا وقال اصبغ المالکی ھم بنو قصی اھ.

قال النیلوی غفرلہ وقد قدمنا ان المراد ببنی ھاشم غیر من ابطل النص قرابتہ بالنبی کبنی ابی لھب بن عبد المطلب کذا فی النص کذا فی عمدۃ الرعایۃ

فافہم وتدبر ولا تکن من المقصرین

وثبت ان الازواج داخلۃ فی قولہ تعالیٰ فدیۃ مسلمۃ الیٰ اھلہ ویدل علیہ صحۃ الاستثناء فی قولہ تعالیٰ فنجیناہ واھلہ الا امرأتہ. وکذا فی قولہ تعالیٰ قلنا احمل فیہا من کل زوجین اثنین واھلک الا من سبق علیہ القول وھی داخلۃ فی اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما فی المشکوۃ ص ۱۷۱ عن ابی ھریرۃ رض قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال عندی دینار قال انفقہ علیٰ نفسک قال عندی اٰخر قال انفقہ علیٰ ولدک قال عندی اٰخر قال انفقہ علیٰ اھلک قال عندی اٰخر قال انفقہ علیٰ خادمک الحدیث وکذا فی المشکوۃ ص ۳۳۱ لا یطرق اھلہ لیلا وص ۳۳۰ وص ۳۶۵ وص ۳۹۹ وص ۳۸۹ وص ۴۳۴ وکذا فی الطحاوی ص ۳۴۹ وفی ھدایۃ ص ۲۱۶ ج ۲ من لہ اھل ببلدۃ فھو منہم واقر بہ اھل التشیع فی کتبہم کما فی فروع الکافی ص ۳۱۳ ج ۲ عن ابی عبد اللہ ع قال رای رسول اللہ امرأۃ فاعجبتہ فدخل الی ام سلمۃ وکان

يومها فاصاب منها وخرج الى الناس وراسه يقطر فقال يا ايها الناس انما النظر من الشيطان فمن وجد من ذلك شيئا فليات اهله ...... اذا نظر احدكم الى المرأة الحسناء فليات اهله فان الذى معها مثل الذى مع تلك فقام رجل فقال يا رسول الله فان لم يكن له اهل فما يصنع قال فليرجع نظره الى السماء وليراقبه وليسأله من فضله وفى ص ٣١٣ قال له اصوم واصلى والمس اهلى .... قال له الرجل اصبحت صائما؟ قال لا! قال فاطعمت مسكينا؟ قال لا! قال فارجع الى اهلك فانه منك عليهم صدقة ... سالت اباعبدالله عن الرجل يكون معه اهله فى سفر لا يجد الماء ايأتى اهله؟ قال ما احب ان يفعل الا ان يخاف على نفسه ..... ان اباذر رض ساله عن هذا فقال ائت اهلك تؤجر ام د توبل الاهل بالاعراب فى المشكوٰة ص ٣٥٦ حيث قال فاعطى صلى الله عليه وسلم الاهل حظين واعطى الاعراب حظا . وفى المفردات للامام الراغب الاصفهانى المسلمون كلهم ال النبى صلى الله عليه وسلم وروى ذلك عن الامام جعفر الصادق بن محمد باقر بن على زين العابدين بن حسين بن على بن ابى طالب

اجوبة بعض الاسئلة

وما قيل ان الله لم يذكر الازواج فى مقام الاصطفاء وذكر الذرية كما قال ان الله اصطفى آدم ونوحا وآل ابراهيم وآل عمران على العالمين ذرية بعضها من بعض وقال وتلك حجتنا آتيناها ابراهيم على قومه الى ان قال وكلا فضلنا على العالمين ومن آبائهم وذرياتهم واخوانهم فالمراد من الاصطفاء على العالمين اعطاءهم النبوة والنبوة مختصة بالرجال كما قال تعالى وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحى اليهم ولنا ان نقول ان الاولاد واولاد الاولاد داخلة فى الذرية عند كم فيا بالكم لا تدخلون فى اهل البيت امامة بنت زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وولديها محمد اوسط ويحيى وعلى تخرج من الاهل على ما علمكم

وما قيل ان الازواج غير داخلة فى قولنا اللهم صل على محمد وعلى آل محمد اذ المراد منه الذرية فممنوع وكذا يخرج على فانه ليس من ذريته بل هو كجعفر وعقيل وعبدالله بن جعفر فافهم

وما قيل فى حديث العباء انه عليه السلام قال لام سلمة رضى الله عنها قومى فتنحى فمن مفتريات هذه الفرقة افتروها ووضعوها فى الكتب وهو مردود بنص

ان هذه الصدقات انما هی اوساخ الناس

ولهٰذا لا تقول الاولياء الاطهار ال الذی استعمله النبی صلی الله علیه وسلم لقرابة اولرحم حديث لما اخرجه البخاری فی جامعه الصحیح عن السائب بن یزید قال ذهبت بی خالتی الی النبی صلی الله علیه وسلم فقالت رهذا) ابن اختی وقع ای دجع فی قدميه فتوضأ رسول الله صلی الله علیه وسلم برأسی ودعا لی بالبرکة ثم توضأ فشربت من وضوءه قال القسطلانی ما تقاطر من اعضائه الشريفة

والقول الثالث منها ان المراد باهل البیت هٰهنا مایعم ازواجه صلی الله علیه وسلم و ذریاته وعترته وعلیا والاسباط کامامة وابنه محسن الاوسط وابناءه وعثمان وابا العاص و اصهاره کابی بکر وعمر وابی سفیان ومعاویة وعمر بن ابی سلمة وجعفر بن ابی طالب وابناءه وغیرهم رضوان الله علیهم اجمعین۔

وهذا القول ایضا اوفق نظرا الی عموم اللفظ کما هو القاعدة المسلمة المجمع علیها ان العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص

وقد قال ابو البقاء رحمه الله فی کلیاته ۵۵ اهل بیت النبی فاطمة وعلی والحسن و الحسین لان النبی صلی الله علیه وسلم لف علیهم کساء وقال اللّٰهم هؤلاء اهل بیتی و المتبادر الی الذهن عند الاطلاق هم مع ازواجه وقد نظمت فیه

حقا بنو هاشم آل الرسول فقط	عند الامام فکن فی امرهم عسا
اما علی وابناه وفاطمه	من اهل علیهم کان لف کساء
لا سنه من داخل فی حق خارجه	والنص لا یقتضی ان لیس نساء

آل النبی صلی الله علیه وسلم من جهة النسب اولاد علی وعقیل وجعفر والعباس و آل النبی صلی الله علیه وسلم من جهة الدین کل مؤمن تقی۔ کذا اجاب رسول الله صلی الله علیه وسلم حین سئل عن الآل۔ قال بعضهم الآل هم المختصون بالقرب منه قرابة او صحبة وخلافة فی مواریثه العلمیة والعملیة والحالیة۔ وهم ثلثة اصناف

۱ آل صورة ومعنی وهو خلیفته والامام القائم مقامه حقیقة

۲ آل معنی لا صورة کسائر الاولیاء

۳ آل صورة طینیة لا معنی کمن صحت نسبته الطینیة والعنصریة الیه من السادات والشرفاء۔

وقال ایضا فی هذه الصفحة آل جمع معنی مفرد لفظا۔ وله ثلثة معان الاول الجند

شفاء الصدور

کی تصنیف

احسن التفسیر
تفسیر
تبیین القرآن
مرآۃ القرآن
مکتبۃ اشاعۃ العلوم
۱۷۹۰، کلاں محل، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)